comp

Cala
Rosti'

SH

مضامین سودمند

مرتبہ سید طفیل احمد ایڈیٹر سودمند



راہگیر۔ یہ سب کے سب کہاں جا رہے ہیں اور کس [illegible] میں؟
سودمند۔ کوئی دفتر رجسٹری کو، کوئی عدالت دیوانی میں، کوئی کلکٹری کے نیلام کو، کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قبضہ کی تلاش میں
راہگیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند۔ تجارتی سود کی داد ستد کرنے اور [illegible] سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

فہرست مضامین سودمند

عنوان

گزارش

رسالہ سود مند جون سنہ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے جاری ہوا۔ مئی سنہ ۱۹۲۶ء
میں علی گڑھ سے منتقل ہو کر بدایوں آ گیا۔ مئی سنہ ۱۹۳۳ء تک رسالہ کی حیثیت
میں بدایوں سے نکلتا رہا اس نو سالہ زندگی میں اس نے اپنے مقصد
کی تکمیل میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی اس کا مقصد زندگی یہ تھا
کہ مسلمانوں کی مالی حالت جو روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے درست کی جائے
اور ان کو تجارتی سود اور ربوا کا جو قطعی حرام ہے فرق بتایا ہے۔ سید طفیل احمد
صاحب بانیٔ رسالہ نے جون سنہ ۱۹۲۵ء کے پرچے میں سود مند کے جاری
کرنے کی ضرورت پر جو مضمون لکھا تھا اس کو ہم نے اس مجموعہ سے پہلے
درج کر دیا ہے ناظرین ملاحظہ کریں گے۔ اس رسالہ کے مضامین نے نو سال
میں اس تحریک کا چرچا پیدا کر دیا اور یہی اس کے اجرا کا مقصد تھا۔
سید صاحب نے اس پہلے مضمون میں خود ہی لکھ دیا تھا کہ "چند سال میں جب
قوم میں ان امور کا چرچا ہو جائے گا تب اس رسالہ کا کام ختم ہو جائے گا"
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سنہ ۱۹۳۳ء میں اس رسالہ کی جداگانہ زندگی ختم
ہو گئی اور جنوری سنہ ۱۹۳۴ء سے بدایوں کے ہفتہ وار اخبار ذوالقرنین میں

مدغم ہو گیا جس میں ہر ہفتہ سود مند کا لم کے عنوان کے تحت میں اس مقصد کی سعی جاری رہتی ہے۔ سود مند کے بند ہونے کے بعد گزشتہ تین سال سے اس کی پرانی جلدوں کی مانگ برابر جاری رہی کیونکہ مکمل جلدوں کی کافی تعداد گزشتہ سالوں کی بابت موجود نہ تھی اس لیے ہر فرمائش کی تعمیل نہ ہو سکتی تھی کارکنان نظامی پریس نے شائقین کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیئے یہ مناسب سمجھا کہ سودمند کے اہم مضامین کا انتخاب ایک مجموعہ کی صورت میں شایع کیا جائے۔ چونکہ ایسے مضامین کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ وہ سب کے سب ایک وقت میں شایع نہ ہو سکتے تھے اس لیئے فی الحال یہ مجموعہ قسط اول کی صورت میں شایع کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے مستفید ہوں گے اور اس تحریک کو جو ۱۹۲۵ء میں جاری ہوئی تھی تقویت پہونچے گی

محمد احمد الدین

پرنٹر و پبلشر

نظامی پریس بدایوں

اکتوبر ۱۹۳۶ء

سنہ ۱۹۲۵ء

(۱)

اجراسُودمنـ

میں چالیس سال سے مسلمانوں کی قومی ترقی کی تحریکات کو دیکھ رہا ہوں۔ بچپن میں سُنتا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے چونکہ سلطنت نکل گئی اس لیئے وہ برباد ہو رہے ہیں۔ انہوں نے چونکہ اہل یورپ کے علوم و فنون سیکھنے کی طرف توجہ نہیں کی اس لیئے وہ سرکاری عہدوں سے خارج ہو رہے ہیں اس کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ مسلمان انگریزی زبان اور جدید علوم حاصل کریں چنانچہ انھوں نے اس طرف توجہ کی اور انگریزی پڑھ کر ایسے ایسے بڑے عہدوں پر پہونچے کہ جن کا چالیس سال قبل تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ باوجود اس کے یہ سب کو محسوس ہو رہا ہے کہ وہ روز بروز قعر مذلت میں گرتے چلے جارہے ہیں اور اب یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ قومی جسم کے اعضا علیحدہ ہو کر دیگر مذاہب میں جذب ہوتے جاتے ہیں۔ اور تعلیم جس کو جملہ امراض کے لیئے اکسیر سمجھ رکھا تھا اب وہ بھی بوجہ گرانی کے اُن کی دسترس سے باہر ہوتی جاتی ہے اب رہی صنعت و حرفت اور تجارت ان میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں ہے

مگر بوجہ اس کے کہ وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں، اُن کی محنت کے پھل کا گودا روپیہ والوں کے ہاتھوں میں جاتا ہے اور اُن کے پاس صرف چھلکا بچتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے اطمینانی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ زندگی کے معمولی واقعات مسلمان پیشہ وروں کے لئے سخت حادثات ثابت ہوتے ہیں اور چند روزہ بیماری یا بیکاری اُنھیں گداگری کے درجہ پر پہونچا دیتی ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو لوگ صاحب جائداد اور زمیندار ہیں اُن کے تنزل کی رفتار سب جماعتوں سے زیادہ ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر جس امر نے مجھے متاثر کیا وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں باوجود تعلیمی اشاعت کے لئے کانفرنسیں اور جلسے منعقد کرنے کے تعلیمی تنزل مسلسل جاری ہے اور باوجود اصلاح تمدن اور کفایت شعاری کی انجمنیں قایم کرنے اور علمار کرام کے پند و نصائح کے اسراف و افلاس میں اضافہ ہے اور دیگر اقوام میں باوجودیکہ اب سے چند سال پیشتر تبلیغی اور تنظیمی انجمنیں اور سبھائیں برائے نام تھیں تاہم اُن کا درجہ تعلیم و تموّل اور کفایت شعاری میں مسلمانوں کی نسبت سے بہت بڑھا ہوا ہے۔

عرصہ دراز کے غور و خوض کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس زمانہ میں ایک جدید چیز سرمایہ کے نام سے پیدا ہوگئی جو اس وقت دُنیا میں سب سے بڑی قوت ہے۔ سرمایہ کا انحصار تجارتی سود پر ہے جو اگرچہ ربوا سے بالکل مختلف ہے تاہم مسلمان ربوا سمجھ کر اُس سے بچتے ہیں۔ مگر کلیتاً اُس سے بچا رہنا انسانی امکان سے باہر ہے اس لئے سود لینے سے بچتے اور بچ سکتے ہیں مگر دینے سے

کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ نتیجہ یہ کہ وہ ہر شعبۂ زندگی سے خارج ہو رہے ہیں۔ جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی بربادی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ تجارتی سود لینے سے بچتے ہیں تو اس مسئلہ کی میں نے تحقیقات شروع کی۔ علمائے کرام سے رجوع کیا۔ کتابیں پڑھیں، پرانے اخبارات کے فائل دیکھے جس سے مجھے یہ پتہ چلا کہ اس وقت سے سو برس پیشتر حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے غیر مسلموں سے نہ صرف تجارتی سود بلکہ ربوا لینے کا فتوےٰ دیا۔ اس کے بعد مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی نے سرکاری پرامیسری نوٹوں کا سود لینے کے جواز کا فتوےٰ دیا۔ پھر ۱۸۹۵ء کے قریب مولوی محمد حسن صاحب متوطن بھین ضلع جہلم نے اپنی کتاب "روض الربوا فی حقیقۃ الربوا" میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی۔ اس کے صفحہ ۸۸ پر تحریر ہے کہ

"مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علیہ الرحمۃ کی کتاب تفریع ابحاث میں ہندوستان میں غیر مسلموں سے سود لینے کے جواز پر لاہور، فیروز پور، ڈیرہ اسمعیل خاں رام پور، بھاول پور، مکہ مکرمہ وغیرہ کے ۶۹ مفتی فاضلان اسلام کی مواہیر ثبت ہیں۔"

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ ایک زمانہ میں یہ بحث اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس پر ۶۹ مفتی علما کے فتوے ہو گئے۔ ۱۹۰۹ء میں مولوی انشاء اللہ خاں صاحب نے اخبار وطن میں اس بحث کو چھیڑ کر جملہ مضامین ایک سالہ کی

شکل میں شایع کیئے اور اس کا نام "مسئلہ سود اور تجارت قومی" رکھا اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب نے البشیر میں مضامین کا ایک سلسلہ نکالا جس میں ثابت کیا کہ بمبئی، کلکتہ اور رنگون کے مسلمان تاجر غیر مسلم ساہوکارون کا روپیہ استعمال کرتے ہیں جس سے اصلی نفع سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہے اور مسلمان مثل مزدوروں کے کام کرتے ہیں۔

ان واقعات سے میں نے نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کو مختلف اوقات میں اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس ہوتا رہا۔ علمار کرام کے فتوے ہوئے کچھ دنوں اس کا چرچا رہا۔ پھر لوگ اسے بھول بھال گئے اور چونکہ عملی طور پر کبھی یہ کام جاری نہیں ہوا اس لئے مسلمان برابر گرتے چلے گئے۔ اس حالت میں متاثر ہو کر میں نے سنہ ۱۹۲۰ء میں خدا کے نام پر اس مسئلہ کی تبلیغ شروع کر دی اور متعدد کتابیں کثیر تعداد میں شایع کیں جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل

(۲) سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان

(۳) جواز سود

(۴) مسلمانوں کی مالی اصلاح

(۵) جواز سود مع فتاوے

ہی کے ساتھ اخبارات میں مضامین کا ایک سلسلہ جاری کیا اور میں نہایت شکر گزار ہوں قومی اخبارات کا کہ انھوں نے اس مسئلہ کی اشاعت میں بے حد مدد کی اور انھیں کی بدولت لاکھوں مسلمانوں تک یہ

آواز پہونچی اور نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بلکہ جزائر بحر ہند اور اُن مقامات میں جہاں اسلامی اخبارات جاتے ہیں اس مضمون کا چرچا ہوگیا اور رسالہ جات سود کی طلبی میں ہزاروں خطوط کی آمد کا سلسلہ قایم ہوگیا۔ اور نہ صرف خطوط کی آمد تک یہ کام محدود رہا بلکہ مختلف مقامات میں مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار جاری ہونے لگا۔ چنانچہ علاوہ انجمنہائے امداد باہمی قایم ہونے کے لاہور میں وسیع پیمانہ پر کریسنٹ بنک قایم ہورہا ہے جس کا سرمایہ پچاس لاکھ قرار پایا ہے۔ اور لاہور کے مسلم بنک کا سرمایہ ڈھائی لاکھ سے دس لاکھ تک بڑھایا جارہا ہے۔ اب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مختلف مقامات میں افلاس سے نکلنے کے جو طریقے اختیار کیے جائیں اُن سے ہر مقام کے مسلمانوں کو آگاہی اور رہنمائی ہو اس کے لیے عام طور پر تقاضا ہوا کہ ایک موقت الشیوع رسالہ جاری کیا جائے۔ مسئلہ سود کی اشاعت کا کام جہاں تک میرے امکان میں تھا میں "ذاتی" طور پر کرتا رہا مگر اب وہ منزل آگئی کہ مسلمانوں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلانے کا کام زیادہ وسیع پیمانہ پر کیا جائے۔ خوش قسمتی سے چند اصحاب کی ایک کمیٹی اس امر پر آمادہ ہوگئی کہ وہ مسلمانوں کی یہ بڑی ضرورت پوری کرے چنانچہ اس کی طرف سے رسالہ "سود مند" جاری کیا جارہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کا اجرا روپیہ پیدا کرنے کے لیے نہیں کیا جاتا بلکہ غرض اصلی یہی ہے کہ قوم کو اپنی مالی حالت درست کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے چند سال میں جب قوم میں ان امور کا چرچا ہو جائے گا۔ اور زیادہ

قابل اصحاب اور قوم کے اعلیٰ پایہ کے اخبارات اس کام کو اپنے قابل ہاتھوں میں لے لیں گے۔ تب اس رسالہ کا کام ختم ہو جائے گا۔ پس اُن بزرگوں اور اہل قلم اصحاب اور ایڈیٹران اخبارات اور علماء کرام کی خدمت ہیں جن کے قبضہ میں قوم کی باگ ہے۔ عرض ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ کو جلد سے جلد اپنے قابل ہاتھوں میں لیں اور اپنے اپنے زیر اثر مسلمانوں کو کفایت شعاری اور روپیہ بچانے اور بڑھانے کے طریقوں سے آگاہ کر کے قوم کے اعلیٰ وادنیٰ افراد کو حقیقی معنوں میں افراد کاسبہ بنائیں جس سے مجموعی طور پر کل قوم ایک عزت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن جائے۔ (جون ۱۹۲۵ء)

(۲)

علمائے کرام کی خدمت میں عرضداشت

مسئلہ سود کے بارہ میں متفقہ فتوے کی ضرورت

(یہ وہ تحریر ہے کہ جو حسب فرمایش جناب مولانا مولوی احمد سعید صاحب ناظم جمعیتہ العلماء ہند مرتب کر کے جناب موصوف کی وساطت سے اراکین جمعیتہ العلماء کی خدمت میں بھیجی گئی تھی)

چونکہ میں سالہا سال سے مسئلہ سود کے متعلق مضامین اور رسائل شایع کر رہا ہوں مجھ سے سوال ہو سکتا ہے کہ اب آپ سے علمائے کرام کی

خدمت میں پیش کرنے کا کیا موقع ہو اس لئے میں اس امر کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب سے میرے ذہن میں مسئلہ سود کی تحقیق اور اُس کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا میں فرداً فرداً اپنی قوم کے مذہبی پیشواؤں کی خدمت میں حاضر ہوا اور صدہا رسائل مطبوعہ سوالات، استفتے ان کی خدمت میں بھیجے اور اُن کی ہمدردی حاصل کی اور جو کچھ کیا وہ علماء کرام کے انفرادی فتووں کی بنا پر کیا۔ مگر مسلمانوں میں روپیہ کے کاروبار کو وسیع پیمانہ پر کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ علمار کرام کا ایک متفقہ فتویٰ حاصل ہو جس کا اثر قوم پر معتدبہ پڑے۔ اس غرض سے میں سالانہ جلسہ جمعیت العلمار ہند مرادآباد اور جلسہ ندوۃ العلمار لکھنؤ میں حاضر ہوا اور جناب ناظم صاحب جلسہ اہل سنت وجماعت مرادآباد کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجھے جلسہ میں مسئلہ سود پیش کرنے کا موقع ملے مگر چونکہ اس قسم کے جلسوں میں ایک یا چند اصحاب کو کامل اختیارات نہیں ہوتے بلکہ بعض مسائل کی نوعیت ایسی ہوتی ہو کہ مسلمانوں کے عام جذبات کے خلاف ہونے کی وجہ سے کثرت رائے سے فیصلہ بھی صادر نہیں کیا جا سکتا اس لئے مجھے مذکورہ بالا جلسوں میں عرض کرنے کا وقت نہ دیا جا سکا۔

اب جبکہ مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلما نے اس امر کو منظور فرمایا ہی کہ موصوف کی وساطت سے بذریعہ تحریر کے علمار جمعیت کی خدمت میں عرض کروں میں اپنے معروضات کو طبع کرا کر جمعیۃ مذکور اور جملہ دیگر علمار ہند کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

البتہ اس سلسلہ میں اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت قوم کے عریض جسم میں جس خابط کی معتد بہ کمی ہے وہ سرمایہ ہے۔ قوم اس وقت اُس منزل میں ہے کہ اسے کوئی تحریک بجز اقتصادی حالت کی ترقی کی تحریک کے ہرگز نہیں بھا سکتی۔ اور موجودہ کشمکش کے زمانے میں قوم جس چیز کی طرف طبعًا راغب ہے وہ صرف ذرائع معاش اور زندگی کے دن پورے کرنے کے وسائل ہیں۔ اس لیئے میں صاف طور پر عرض کروں گا کہ ہمارے مقدس پیشوایان دین جو ہدایت کرنے کے سب سے زیادہ اہل ہیں اگر مذہب کے تحت میں قوم کی اس بارہ میں رہنمائی کریں تو کوئی تحریک اس سے زیادہ مقبول اور حقیقی معنوں میں قوم کے حق میں مفید ثابت نہ ہوگی۔ جو خطوط ہزاروں کی تعداد میں اکناف ہند اور ملحقہ جزائر سے آتے رہتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قوم اقتصادی تحریک کی بھوکی اور اس کی منتظر بیٹھی ہے پس قوم کے قابل ذی علم اور قدرتی رہنماؤں کے لیئے بہترین موقع ہے کہ وہ اس میدان میں قدم رکھ کر اور غریب و ضرورت مند مسلمانوں کی رہبری کرکے اُنھیں اس ملک میں اور نہ صرف اس ملک میں بلکہ روئے زمین پر رہنے کے قابل بنائیں۔ میں تو بار بار عرض کر چکا ہوں کہ میں اس کام کی تبلیغ اُس وقت تک کر رہا ہوں جب تک کہ اس کام کے اہل اور قابل اصحاب اس کی طرف توجہ کریں اور اپنے کام کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بطریق احسن انجام دیں۔ اس قدر تمہید کے بعد اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۱۔ ذرائع معاش مسلمانوں کا افلاس ایک ایسا مسلّم امر ہے کہ اس سے متعلق زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تاہم اختصار کے ساتھ اس قدر ضرور کہونگا کہ اس ملک میں مسلمانوں سے ذرائع معاش بالخصوص دو تھے۔ یعنی ملازمت اور زمینداری اور ان دونوں کا انحصار زیادہ تر تقرب سلطانی پر تھا جب اس ملک میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنت نکلی اور ملازمت کے لیئے انگریزی تعلیم کی شرط ہوگئی تو اُس وقت سے مسلمان بڑے عہدوں سے خارج ہونے لگے چنانچہ اب ملازمت میں مسلمانوں کی جو نسبت ہے اس کی تفصیل سے ہمارے قومی اخبارات کے کالم آج کل پُر ہوتے ہیں اور اس وقت اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

۲۔ زمینداری مسلمانوں کا دوسرا مخصوص پیشہ زمینداری تھا مسلمان سب سے اوّل صوبہ سندھ کی طرف سے اس ملک میں داخل ہوئے وہاں مسلمانوں کی مردم شماری اب تک ۷۵ فی صدی کے قریب ہے اور ملکیت آراضی کے اعتبار سے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عرصہ دراز تک مسلمانوں کا صوبہ سندھ میں کوئی سہیم و شریک نہ تھا مگر گزشتہ دسمبر کی ۱۱ تاریخ کے ایک تعلیمی جلسہ میں جو حیدرآباد سندھ میں منعقد ہوا اُس صوبہ کے ایک معزز رکن جناب خان بہادر شاہ نواز خاں صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل نے فرمایا کہ مسلمانوں کی چالیس فی صدی زمینداری قرضہ میں جا چکی چالیس فی صدی اس وقت زیر بار قرضہ مکفول در رہن ہے

اور صرف بیس فی صدی باقی ہے صوبہ سندھ کے برابر مضبوط اور وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کی زمینداری تمام ہندوستان میں کہیں نہ تھی۔ جب وہاں اس حد تک نوبت پہونچ گئی تو دوسرے مقامات میں مسلمانوں کی حالت ظاہر ہے۔ چنانچہ اس وقت کوئی صوبہ ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کی زمینداریاں سرعت کے ساتھ تلف نہ ہو رہی ہوں جن اصحاب کو اس میں شبہ ہو وہ مہینہ کی بیس تاریخ کو کسی کچہری میں جاکر دیکھ لیں کہ قرضہ کی علت میں کس قوم کے افراد کی جائدادیں کے نیلام بولے جاتے ہیں۔ بندوبست کی رپورٹوں کو ملاحظہ فرمالیں کہ ہر تیس سال کے بعد کس قوم کی جائدادیں دیگر اقوام کے قبضہ میں کس مقدار میں پہونچ جاتی ہیں ان کی تفصیلات طوالت کے اندیشہ سے ترک کرتا ہوں۔

۲۔ **شرح سود کی آزادی** اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی عملداری میں جس قدر قوانین نافذ ہوئے ان میں مسلمانوں کے لیئے سب سے زیادہ مضر قانون سود کا ثابت ہوا۔ یورپ اور انگلستان میں صدیوں کے تجربے سے معلوم ہوا تھا کہ سود کو روکنے اور اس پر قانونی بندشیں لگانے سے شرح سود زیادہ ہو جاتی ہے اسلئے انگلستان نے رفتہ رفتہ ایسے قانون کو قطعاً منسوخ کر دیا جس سے کثرت کے ساتھ روپیہ صنعت و حرفت اور کاروبار میں لگا اور شرح سود گر کر چار آنہ اور تین آنے سیکڑہ ماہوار تک پہونچ گئی اور ملک

کی دولت میں بے اندازہ ترقی ہوئی۔ اس تجربہ کو کامیاب دیکھ کر انگریزوں نے ۱۸۵۵ء میں ہندوستان میں بھی شرح محدود کرنے کا قانون منسوخ کر دیا۔ اس تبدیلی نے بقول شخصے داد و ستد کرنے والی قوموں کو سود لینے کی کانوں پر پہونچا دیا اور مسلمانوں کو جو روپیہ کے کاروبار میں ٹھہر نہیں ہوئے تھوڑے عرصہ میں افلاس کی خندق میں گرا کر انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

۴۔ قانون انتقال آراضی

اس حالت کو دیکھ کر حکام وقت کو اندیشہ ہوا کہ بالخصوص مسلمان زمیندار اور بالعموم دیگر اقوام کے زمیندار ننگے بھوکے ہو جانے پر ملک میں فساد اور بلوے کریں گے اس لیے اُنھوں نے ایسے قوانین تجویز کیے جن سے مسلمانوں کی زمینداریاں قایم رہیں۔ اس کے لیے مختلف صوبوں میں مختلف قوانین جاری کیے گئے جن کی تفصیل میں طوالت ہوگی مثلاً دکن میں شرح سود گھٹانے کا قانون پاس کیا گیا۔ صوبہ سندھ میں مقروض زمینداروں کی جائدادوں کا سرکاری طور پر انتظام کر کے قرضہ کی ادائگی کی سبیل کی گئی۔ پنجاب میں قانون انتقال آراضی پاس کیا گیا مگر ان قوانین سے اصلی مرض کا اب تک کوئی کارگر علاج نہ ہوسکا۔ قانون انتقال آراضی کی رو سے آراضی صرف ان اقوام کے نام منتقل ہوسکتی ہی جو زراعت پیشہ ہیں۔ اس سے جائدادوں کا انتقال دیشوں یعنی بنیوں کے نام بند ہوگیا مگر ان اقوام کے حق میں انتقال کا سلسلہ جاری ہی۔ جو زمینداری اور کاشتکاری پیشہ

ہونے کے ساتھ روپیہ کی دادوستد کا کام کرتے ہیں۔ اس لیے اب
مسلمانوں کی جائدادیں بجائے ویشوں کے جاٹوں، گوجروں اور سکھوں کے نام منتقل ہوتی ہیں۔

۵۔ قرض نہ لینے کا عہد بیکار ہے

بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے گا کہ اگر مسلمان زمیندار عہد کرلیں کہ وہ کبھی قرض نہ لیں گے اور سادہ زندگی بسر کریں گے تو اُن کی جائدادیں محفوظ ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس عہد کو پورا کرنے میں سو مسلمان زمینداروں میں سے دو چار کامیاب ہو جائیں مگر موجودہ حالت میں یہ ناممکن ہے کہ مسلمان زمینداروں کی جماعت سود کی دادوستد سے بچ کر زمیندار باقی رہ سکے۔ اس مسئلہ کی نسبت ۱۸۹۶ء میں شمالی سندھ کے چند اضلاع میں تحقیقات کرائی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو زمیندار برباد ہو رہے ہیں اُن میں ۹۰ فی صدی ایسے ہیں جو بوجہ مسرف ہونے کے مقروض ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر مسٹر لائل نے جو ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں ڈپٹی کمشنر تھے مسلمانوں کی نسبت یہ پیشین گوئی کی تھی کہ وہ رفتہ رفتہ محض کاشتکار رہ جائیں گے اور اس حالت پر پہنچ جائیں گے کہ نہ اُن کے پاس جائداد رہے گی جسے مکفول کرکے قرض لیں اور نہ جائداد سے محروم ہونے کا اُنھیں کوئی کھٹکا باقی رہے گا۔ اسی طرح ضلع مظفرنگر کی رپورٹ بندوبست میں تحریر ہے کہ گزشتہ دو تین سال میں ویشوں کی جائداد پونے دو (۱$\frac{3}{4}$) لاکھ ایکڑ سے بڑھ کر ڈھائی (۲$\frac{1}{2}$) لاکھ ایکڑ ہو گئی

ممر سیدوں کی جائداد ایک لاکھ ستاسی ہزار ایکڑ سے گھٹ کر ایک لاکھ ۹۴ ہزار ایکڑ رہ گئی۔ سادات کی نسبت رپورٹ مذکور میں تحریر ہی کہ وہ سب سے زیادہ جانسٹھ کی تحصیل میں ہیں، وہ نہایت مُسرف ہیں اور انھیں اپنے اخراجات کو اپنی حالت کے مطابق رکھنے کا قطعاً اندازہ نہیں۔ اُن کا تنزل اس قدر سرعت کے ساتھ جاری ہی کہ جیسے کوئی شخص پہاڑ سے اُتر رہا ہو اور اگر یہ رفتار اسی طرح جاری رہی تو وہ بہت جلد مالکان آراضی کے زمرہ سے خارج ہو جائیں گے مگر جانسٹھ کا خاندان سادات جو نہایت اہمیت رکھتا ہی دیگر سادات سے مستثنےٰ ہی۔ یہ خاندان دادستد کے ذریعہ سے سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہی"۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہی کہ عام طور پر سادات کا تنزل تیزی سے جاری ہی مگر اُن میں سے صرف وہ سادات جائدادیں بڑھا رہے ہیں جو مثل دیگر اقوام کے دادستد سے پرہیز نہیں کرتے۔

۶۔ ترمیم قانون سود کا امکان نہیں — ہندوستان کے جدید دَور میں جب سے کہ رعایا کو قانون سازی میں دخل ہوا مسلمانوں کے بعض افراد سود کے قانون میں عرصہ دراز سے ترمیمات پیش کر رہے ہیں مگر چونکہ کونسلوں میں مسلمانوں کی تعداد کم اور دیگر اقوام کی جو موجودہ قانون سود کو اپنے لیئے مفید سمجھتے ہیں تعداد زیادہ ہی اس لیئے یہ اسباب ظاہر موجودہ قوانین باقی اور قایم رہیں گے جو انجام کار مسلمانوں کی زمینداریوں کو ختم کر دیں گے۔

۷۔ کاشتکاری اور انجمنہائے امداد باہمی زمینداری کے بعد کاشتکاری ذریعہ معاش ہی مگر صرف ان لوگوں کے لیئے جو روپیہ پیدا کرنا اور اُسے بڑھانا جانتے ہیں نہ کہ وہ لوگ جو قرضداری کی وجہ سے زمینداریاں کھو چکے۔ بالخصوص کاشتکاروں اور بالعموم ادنیٰ زمینداروں کو قرضداری اور سود کی بلا سے نجات دینے کے لیئے اس ملک میں انجمنہائے امداد باہمی کا سلسلہ جاری ہوا ہی جس نے بہت کچھ فائدہ پہونچایا ہی۔ چنانچہ پنجاب میں گزشتہ دس سال میں انجمنہائے امداد باہمی کے اجرا کی وجہ سے دادستد کرنے والوں کی تعداد بقدر دس فی صدی کے کم ہوگئی مگر افسوس کہ مسلمان بوجہ اس کے کہ انجمنہائے امداد باہمی میں کم شرح کا سود یا تجارتی سود لینا اور دینا پڑتا ہی، پوری طرح اس سلسلہ سے متمتع نہیں ہوسکتے۔ ان انجمنوں کی وجہ سے دیگر اقوام کا زراعت پیشہ طبقہ اپنی ادنیٰ حالت سے بڑھ کر یکسانیت کے ساتھ اُبھر رہا ہی۔ پس جبکہ ایک طرف ملک کے کاروبار پر سرمایہ داروں کا تسلط ہی دوسری طرف انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعہ ملک کا ادنیٰ طبقہ بلند ہو رہا ہی۔ مسلمان اگر دونوں تحریکوں میں سے کسی میں بھی شامل نہ ہوسکے تو اندیشہ ہی کہ اُن کے لیئے اُن دیہات میں بھی رہنے کی جگہ نہ رہے گی جہاں ثانی الذکر تحریک کی وجہ سے دیگر اقوام کی اقتصادی حالت بہتر اور تمدنی سطح بلند تر ہو رہی ہی۔

۸۔ تجارت و صنعت زمینداری اور کاشتکاری کے بعد تجارت اور صنعت کا نمبر آتا ہی۔ ان پیشوں میں بھی صدیوں سے مسلمانوں کا

حصّہ رہا ہی مگر جب سے دنیا میں سرمایہ کا دَور دورہ ہوا ہی اور سرمایہ کا انحصار تجارتی سود کی داد ستد پر ہو گیا ہی یہ پیشے یا تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے یا جو کچھ ہیں اُن کا اصلی نفع اُن سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہی جن سے قرضہ لیکر مسلمان اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔

پنجاب میں نسبتاً مسلمانوں کی حالت اچھی سمجھی جاتی ہی وہاں کے لوگ زندہ دل کہے جاتے ہیں وہاں کے قومی جلسوں میں ہزاروں اور لاکھوں روپیہ نقد جمع ہو جاتا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہاں کے لوگ خوش حال ہیں مگر وہ زندہ دل اور خوش حال دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہیں نہ کہ اپنے صوبہ کے ابنائے وطن کے مقابلہ میں، میں نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے گزشتہ سالانہ جلسہ میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کا خاکہ پیش کیا تھا جس میں دکھایا تھا کہ محنت کر کے مال تیار کرنے میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہی مگر مسلمانوں کی محنت سے نفع اُٹھانے والے دیگر اقوام کے لوگ ہیں۔

۹۔ **مسلمانانِ پنجاب کے اعداد** | پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام کے مساوی بلکہ قدرے زیادہ ہی۔ وہاں کپڑا بننے والے مسلمان دیگر اقوام سے دوگنے ہیں مگر کپڑا بیچ کر اُس سے اصلی نفع اُٹھانے والے مسلمان نصف ہیں۔ آہنگروں یعنی ہتوڑا بجانے والوں میں مسلمان دوگنے سے زیادہ مگر لوہے کے دوکانداروں میں دیگر اقوام کے مقابلہ میں آٹھویں حصہ سے بھی کم ہیں۔ تیل نکالنے والوں میں مسلمان اٹھاون گنے مگر تیل کی تجارت میں

ایک ثلث سے کم ہیں۔

۱۰۔ صنعت | مسلمانوں کو جب سب طرف سے دھکے ملتے ہیں تو وہ صنعت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ حالاں کہ اب بھی کاریگروں میں ان کی تعداد کم نہیں بلکہ زیادہ ہی مثلاً صوبہ متحدہ میں مسلمانوں کی مردم شماری صرف چودہ فی صدی ہی مگر مسلمان کاریگر چوالیس فی صدی یعنی اپنی تعداد سے تین گونے ہیں اسی طرح پنجاب میں شیخوں اور کھتریوں کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ باوجودے کہ شیخ تعداد میں کھتریوں سے کم ہیں تاہم کاریگروں میں دوگنے مگر کارخانوں کے مالک ہونے کے اعتبار سے پانچویں حصّے سے بھی کم ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ سرمایہ مسلمانوں کے پاس نہیں جس سے وہ کارخانے کھولیں اور جب کارخانے نہیں کھول سکتے تو صنعت و حرفت کے کام اختیار کر کے بجز اس کے کہ تمام عمر ہاتھ پاؤں کی مشقت میں مثل بے زبان مویشیوں کے گزاریں اور کوئی صورت نہیں۔

اس وقت ہندوستان میں جو صنعت بہتر سے بہتر ہی اس میں مسلمانوں کا نمایاں حصّہ ہی۔ کشمیر میں کپڑے اور لکڑی اور چینی کا جو اعلیٰ درجہ کا کام ہوتا ہی اور جس کی شہرت یورپ تک ہی وہ سب مسلمانوں کا کام ہی مگر حالت یہ ہی کہ وہاں مسلمان کاریگر مثل کولھو کے بیل کے کام کر کے سدا مفلس اور قلاش رہتے ہیں جس کا رونا روزانہ اخبارات میں رویا جاتا ہی اور اُن کی محنت و مشقت اور عرق ریزی کے پھل

دیگر اقوام کے لوگ کھاتے ہیں یہی حال بنارس، دہلی، علی گڑھ اور مراد آباد بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمان کاریگروں کا ہے کہ وہ محنت کرتے کرتے ختم ہوئے جاتے ہیں اگر چند روز کے لیئے بیکار یا بیمار ہو جاتے ہیں تو بھیک مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

۱۱۔ تجارت میں نے تجارت کا جو مختصر خاکہ پیش کیا تھا اُس سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں کی تعداد اس میں کم ہے تاہم میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس قدر تعداد بھی تجارت میں مسلمانوں کی نظر آتی ہے وہ محض برائے نام ہی برائے نام اس لیئے ہے کہ مسلمان دوکاندار بھی بالعموم غیر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ مال منگانے میں انھیں تجارتی شرح سود دینا پڑتا ہے اور وہ لے سکتے نہیں۔ ہنڈی چھڑانے میں وہ سرمایہ داروں سے مدد لیتے ہیں جس کا انھیں قدم قدم پر سود دینا پڑتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے منافعہ کا بڑا حصہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہے۔

۱۲۔ سود سے بچنے کا مجوزہ علاج اس کا علاج بعض صحاب یہ تجویز کرتے ہیں کہ مسلمان تجارت میں سودی قرضہ نہ لیں مگر اس زمانہ میں تجارت کے طریقے اس قسم کے ہوگئے ہیں کہ سود سے بچنا ناممکنات سے ہے بلکہ آج کل تو سخت اندیشہ اس امر کا ہے کہ اگر دیگر اقوام کی کوٹھیاں اور بینک وقت پر مسلمانوں کو سودی قرضہ دینا بند کر دیں تو مسلمانوں کا رہا سہا کام بھی ختم ہو جائے چنانچہ جب سے ہندو مسلم

تنازعات شروع ہوئے یہ شکایت اکثر جگہ سُنی جاتی ہے کہ ہندؤں نے مسلمانوں کو روپیہ دینا بند کر دیا جس سے مسلمانوں کا کاروبار بگڑ گیا اور اب تو پنجاب کے ہندو اخبارات میں علانیہ لکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو روپیہ دینا بند کر دیا جائے۔ اس وقت لاکھوں مسلمان دُکانداروں اور کاریگروں کی زندگی کا انحصار اس پر ہے کہ وہ قرض لے کر جو کچھ کماتے ہیں اس کا ایک حصّہ مہاجن کو دے دیتے ہیں اور باقیماندہ سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ اس لیئے مسلمان آج کل اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ایک طرف تو وہ سودی قرضہ لے کر برباد ہو رہے ہیں اور دوسری طرف اگر انھیں سودی قرضہ ملنا بند ہو جاتا ہے تو انھیں زندگی کے دن بھی پورے کرنے مشکل ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ اسلامی ریاستوں میں سود کی ڈگری

بعض اصحاب کے دلوں میں ممکن ہے کہ یہ خیال گزرے کہ انگریزی قوانین اس قسم کے ہیں کہ مسلمان سود دینے پر مجبور ہیں اس لیئے یہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت کمزور ہوتی جاتی ہے مگر یہ ایک حیرت انگیز امر ہے کہ اسلامی ریاستوں میں مسلمانوں کو یہاں سے بھی زیادہ مجبوری ہے مثلاً بھوپال میں مستاجروں کا فرض ہے کہ وہ کاشتکاروں کے لیئے بیج اور کھاد اور مویشی فراہم کریں، وہاں کا دستور یہ ہے کہ بیج کے لیئے مستاجر اپنے کاشتکاروں کو جس قدر غلہ دیتا ہے فصل پر اس سے سوایا پانے کا مستحق ہوتا ہے جس کو سوائی کہتے ہیں اور سب کو اس سوائی کی ڈگری عدالت سے مل سکتی ہے مگر خاص بات یہ ہے کہ

مسلمانوں کو سوائن کی ڈگری نہیں مل سکتی۔ اسی طرح وہاں غیر مسلموں کو بارہ آنے سیکڑہ تک سود کی ڈگریاں مل سکتی ہیں مگر مسلمانوں کو نہیں مل سکتی ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں سے سود وصول کر سکتے ہیں مگر مسلمان غیر مسلموں سے وصول نہیں کر سکتے اگر مسلمانوں کے مذہب میں سود کا لین اور دین دونوں ممنوع ہیں تو چاہیئے یہ تھا کہ مسلمان اور ہندو دونوں کو نہ سود دینا پڑتا نہ لینا لیکن وہاں مسلمان سے تو جبر یہ سود دلایا جاتا ہی مگر اُسے حق نہیں کہ وہ غیر مسلم سے سود وصول کر سکے۔ یہی حالت حیدر آباد اور دیگر اسلامی ریاستوں میں ہی کہ وہاں مسلمانوں پر تو سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں اور اُن کے گھر بار سود میں نیلام ہوتے ہیں مگر مسلمان نہ سود کی ڈگری پا سکتے ہیں نہ سود میں کسی کی جائداد نیلام کرا سکتے ہیں مسلما ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں مگر واقعہ یہ ہی کہ مسلسل سود دینے کا مرض انسان کے لیئے تپ دق کا حکم رکھتا ہی جو ہر دم قومی جسم کو گھلا گھلا کر اُسے فنا کرتا رہتا ہی۔

۱۴۔ **گداگری** ممکن ہی کہ بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے کہ قوم زندہ رہے یا فنا ہو ہمارا دین و ایمان سلامت رہنا چاہیئے۔ ای کاش ہمارا دین و ایمان محفوظ و سلامت ہوتا تب بھی غنیمت تھا مگر اب تو وہ خطرہ میں ہی کیونکہ افلاس کی وجہ سے مسلمان ایسے حیا سوز پیشے اختیار کرنے پر

۱؎ سود مند کی کوشش سے خدا کا شکر ہی کہ ریاست بھوپال نے مسلمانوں کے لیئے اس بندش کو کہ انھیں سود کی ڈگری نہ ملے توڑ دیا ہی اور اب سوائن کی ڈگری مسلمانوں کو بھی مثل ہندوؤں کے مل سکتی ہی۔

مجبور ہیں جن سے اخلاق پست اور مذہبی روح فنا ہوئی جاتی ہی مثلاً صوبہ متحدہ میں اپنی نسبتی مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان گداگروں کی تعداد تین گونی اور قرموں اور کسبیوں کی تعداد سات گونی ہی ان سب سے زیادہ شرمناک امر یہ ہی کہ پنجاب میں جاٹ جھینور. کمہار اور جولاہوں میں سے جن میں کچھ ہندو کچھ سکھ اور کچھ مسلمان ہیں مسلمانوں میں سے تو اُن کی ایک خاص تعداد گداگر اور کنجن ہی مگر ہندوؤں اور سکھوں میں مندرجہ بالا ذاتوں کے لوگ برائے نام گداگر اور کنجن ہیں ایک وہ زمانہ تھا جب کہ مذہب اسلام اختیار کرنے سے انسانوں کے اخلاق بلند ہو جاتے تھے اور اب وہ وقت ہی کہ اس کے خلاف ہو رہا ہی اور صدہا مسلمان غیر اقوام کے شکار بن رہے ہیں

۱۵۔ تعلیم میں انحطاط | بالآخر اب مسئلہ یہ ہی کہ اس پستی سے نکلنے کا کوئی علاج ہی بھی یا سراسر مایوسی ہی مایوسی ہی اس وقت سے پچاس سال قبل جو علاج تجویز کیا گیا وہ حصول علم تھا چنانچہ علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ کی تحصیل اور قوم میں اُن کی ترویج کا تجربہ عرصہ سے کیا جا رہا ہی اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حصول علم ہی کے ذریعہ سے مذہبی، اخلاقی اور دماغی ترقی کا امکان ہی مگر اب مشکل یہ آن کر واقع ہوئی ہی کہ اس زمانہ میں علم بھی بغیر سرمایہ کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا اور سرمایہ کی چونکہ مسلمانوں میں قلت ہی اس لئے علم کے دروازے بھی اُن پر بند ہوئے جاتے ہیں تعلیمی رپورٹوں سے جن کی تفصیل میں یہاں طوالت ہوگی معلوم ہوتا ہی کہ ابتدائی مدارس میں مسلمان طلبا کی جو نسبت ہی وہ اعلیٰ جماعتوں میں جن میں

اخراجات زیادہ ہیں بتدریج کم ہوتی جاتی ہے اسی طرح علوم قدیمہ کے مدارس کی جو مالی مشکلات ہیں وہ بھی ظاہر ہیں کہ باوجود چندہ کی مسلسل اپیلوں کے عربی مدارس کے اخراجات کیلیئے کافی روپیہ نہیں ملتا اور جو ملتا ہے وہ بوجہ اس کے کہ بینک میں رکھ کر اُس کا سود نہیں لیا جا سکتا چند روز میں ختم ہو جاتا ہے تعلیم کے علاوہ صنعت و حرفت اور تجارت کو بھی ذریعہ ترقی سمجھا جاتا ہے جن کی نسبت تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ بغیر سرمایہ کے وہ چل نہیں سکتیں اور سرمایہ بغیر روپیہ کا کرایہ لیئے نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ قایم رہ سکتا ہے اب ایک آخری چیز جو تمام قوم و ملک کے پیش نظر ہے وہ اس ملک کی سیاسی آزادی یعنی سوراج ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ سیاسی آزادی سے بڑھ کر کسی قوم کے لیئے دنیا میں کوئی نعمت نہیں ہو سکتی مگر مسلمانوں کے لیئے غور طلب امر یہ ہے کہ اس ملک میں رعایا کو حکمرانی کے جو حقوق ملنے والے ہیں مسلمان اُن سے مستفید ہونے کے لیئے کہاں تک تیار ہیں مسلمانوں کو سب سے اوّل یہ سوچنا چاہیئے کہ جہاں اُن کی خالص قومی سلطنت ہزار سال سے تھی وہاں ان کا زوال کیسے ہوا اور اب قومی اور ملکی سلطنت کے قیام و استحکام کے لیئے کیا امور ضروری ہیں میری جہاں تک محدود واقفیت ہے سلطنت کی بقا کے لیئے اس زمانہ میں سرمایہ شرط لازمی ہے۔

۱۶- زمانہ حال میں ملک داری کا طریقہ | زمانہ سابق میں افراد جس طرح ناگہانی ضرورتوں کے لیئے پس انداز روپیہ زمین میں دفن کر کے رکھتے تھے

اسی طرح سلطنتیں اپنے خزانوں میں بے شمار روپیہ محفوظ رکھتی تھیں تاکہ فوج کشی یا کسی بیرونی حملہ کی مدافعت کے وقت وہ کام آئے۔ مگر جب سے روپیہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کا طریقہ جاری ہوا تب سے اہل یورپ نے روپیہ کو بیکار پڑا رہنے کا سلسلہ مسدود کر دیا اور سرکاری خزانوں میں سے روپیہ نکال کر ملک کے نفع کے کاموں میں لگانا شروع کر دیا اور یہ طرز عمل قرار دیا کہ جب سلطنت کو روپیہ کی ضرورت ہو تو افراد قوم سے معین منافع پر قرض لے کر ملک کی ترقی کے کاموں میں یا فوج کشی میں صرف کیا جائے اور پھر اس کو رفتہ رفتہ ادا کر دیا جائے۔ اس طریقہ کے اجرا سے افراد قوم کو یہ نفع ہوا کہ جب اُن کے روپیہ پر بھروسہ کے ساتھ منافع ملنے لگا تو انھیں بھی انداز کرنے کی رغبت اور کفایت شعاری کی عادت ہوگئی اور ملک کو یہ نفع ہوا کہ کروڑوں اور اربوں روپیہ جو سرکاری خزانوں یا افراد قوم کے گھروں میں مدفون اور بیکار پڑا رہتا تھا وہ کارآمد اور نفع آور کاموں میں لگنے لگا جس سے اہل ملک کی انفرادی اور اجتماعی ترقی کی کوئی حد و انتہا نہ رہی۔

مگر اس جدید طریقہ کے اختیار کرنے سے جس نسبت سے یورپ کی سلطنتوں کو نفع ہوا اسی نسبت سے اسلامی حکومتوں کو جنھوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا نقصان ہوا۔ مثلاً یہ کہ اسلامی سلطنتوں کو جب قرضے کی ضرورت ہوتی تو بوجہ اس کے کہ افراد قوم معین منافع پر سلطنت کو قرض دینا ناجائز سمجھتے تھے سلطنت بجائے اپنی رعایا اور اپنی قوم سے

قرضہ لینے کے دیگر اقوام سے قرضہ لینے پر مجبور ہوتی تھی۔ اس سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ قرضہ پر جو کچھ منافع ہوتا وہ غیر ممالک کو جاتا جس سے ملک اندرونہ و بیرونہ مفلس ہوتا گیا افراد قوم کے لیئے کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ پس انداز روپیہ کو معین منافع پر لگاکر اپنا سرمایہ بڑھاتے اور اس شوق میں کفایت شعاری سیکھتے۔ ملک میں اس قسم کے سامان نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ افراد قوم مسرف اور انجام کار مفلس ہو گئے اور سلطنت دیگر اقوام کی مقروض اور دست نگر ہو گئی حتیٰ کہ قرضہ کے معاوضہ میں دیگر اقوام نے یا تو اسلامی سلطنتوں کو رہن رکھ لیا یا اندرون ملک میں اپنی قوم اور اپنی تجارت کے لیئے ایسے ایسے حقوق حاصل کر لیئے جن سے عملاً نظام سلطنت اُن کے ہاتھوں میں چلا گیا اور مسلمان برائے نام بادشاہ رہ گئے چنانچہ فرداً فرداً ہر اسلامی سلطنت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں غیر اقوام کے پنجہ میں گرفتار رہی اور محض مالی کمزوری کی وجہ سے غیروں کے قبضہ میں چلی گئی ہی اور مسلمانوں کی تمام شجاعت و جواں مردی، جرات و ہمت، دلیری اور اولوالعزمی سب رکھی رہ گئیں۔

۷۔ مسلمان ملک کی ترقی میں حارج ہیں | پس جبکہ خالص مسلمانوں کی سلطنتیں سرمایہ کی قلت سے اُن کے ہاتھوں سے نکل گیئں اور نکل رہی ہیں یہ توقع کرنا بعید از قیاس ہی کہ ہندوستان میں جہاں تعداد میں مسلمانوں کا چہارم حصہ اور اعلیٰ تعلیم اور دولت و تموّل میں اس سے بھی قلیل حصہ ہی

حصول سوراج میں وہ ممد ہو سکیں گے ممد ہونا تو بڑی بات ہے میں تو مسلمانوں کو ملک کی ترقی میں ہارج اور مانع سمجھتا ہوں۔ مثلاً ملک کا سرمایہ حقیقی معنوں میں وہ ہی جو ریل، تار، نہر، صنعتی اور تجارتی کاموں میں لگا ہو جس سے ملک کی تمدنی سطح بلند ہو۔ موجودہ حالت میں دیگر اقوام ہند کا روپیہ زیادہ تر بجائے نفع آور کاموں میں لگنے کے مسلمانوں کو سودی قرضہ دینے اور ان سے جائداد یں حاصل کرنے میں صرف ہو رہا ہے اور چوں کہ مسلمان ہر دم روپیہ ملنے کے خواہشمند رہتے ہیں اس لئے یہاں شرح سود بھی گراں رہتی ہے۔ اس وقت مسلمان اگر اپنا پیدا کیا ہوا روپیہ معینّ اور غیر معینّ منافع پر تجارت اور کارخانوں میں لگانے لگیں تو ہمارے برادران وطن کا روپیہ بھی بجائے مسلمانوں کی بربادی پر صرف ہونے کے ملک کے حقیقی نفع کے کاموں میں لگنا شروع ہو جائے جس سے شرح سود یقینی طور پر گھٹے اور ملک سے ربوا اسی طرح کم ہو جائے جس طرح کہ یورپ اور امریکہ سے کم ہو گیا۔ جب مسلمان ملک کا سرمایہ اور دولت بڑھانے میں حصہ رسد شریک ہوں گے اور ہندوستان کی ریلوں، نہروں اور کارخانوں کو دیگر ممالک کے سرمایہ سے مستغنی کر دیں گے تب اس ملک کے حقیقی سوراج کا وقت ہوگا۔ موجودہ حالت میں جب ملکی ترقی کے لیئے قرضہ کا اعلان ہوتا ہے تو یورپ کے مہاجن پانچ اور چھ فی صدی کی شرح سود پر ہندوستان کے اربوں روپیہ کے تمسکات آناً فاناً خرید لیتے ہیں محض اس لیئے کہ ہندوستان کے سرمایہ داروں کو تو بے کھٹکے اپنے روپیہ پر بارہ اور چوبیس فی صدی بلکہ اس سے زیادہ تک مسلمانوں

سے ملتا ہے انھیں کیا ضرورت ہے کہ وہ کم سود کے تمسکات خریدیں۔ روس
کے بالشویک مدتوں تک سرمایہ سے لڑتے رہے مگر جب تمام ملک
فاقہ کشی سے مرنے لگا تو انجام کار یورپ کے سرمایہ داروں کی خوشامد
کرکے اپنے ملک میں اُن کا سرمایہ لگانے پر مجبور ہوئے یہی حالت ہمارے
ملک کی ہے کہ ملک کی ترقی کے کاموں کا انحصار تو بیرونی سرمایہ پر ہے اور
ہم خواب دیکھتے ہیں سوراج کا، گویا جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خیالی
پلاؤ پکاتے ہیں۔ حالاں کہ حقیقی سوراج کی بنیاد اس روز پڑے گی جب
ملک کا سرمایہ بڑھانے میں مسلمان بھی زور لگا کر ملک کی شرح سود
اس قدر گرا دیں گے کہ یہاں کا روپیہ بھی دیگر ممالک کے روپیہ کا
مقابلہ کرنے لگے گا مگر ابھی وہ وقت بہت دور ہے جب کہ مسلمان ملک
کی ترقی میں واقعی طور پر حصّہ لے سکیں۔ اس وقت تو سب سے اہم مسئلہ
مسلمانوں کی بقا کا ہے جس کا انحصار محض مسئلہ سود کے طے ہونے پر ہے اور
بس۔

۱۰۔ سود کا مسئلہ غیر منفصل رہا ہے | سود کے مسئلہ میں سب سے زیادہ غور
طلب امر یہ ہے کہ اس کی حرمت کی نسبت شرعی احکام قطعی ہیں یا اس کی
حلّت کا بھی کوئی پہلو نکل سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت روایت ہے کہ
انھیں اس بات کا افسوس رہا کہ آنحضرت صلعم انتقال فرما گئے اور اُن سے
ربوٰا کے معنے نہ پوچھے گئے ربوٰا کے معنے نہ پوچھ سکنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے
کہ حرمت ربوٰا کی آیت نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلعم صرف نوروز

زندہ رہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ مسئلہ ابتدا سے غیر منفصل رہا ہے
آخر زمانہ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے ہندوستان
کے دار الحرب ہونے کی بنا پر غیر مسلموں سے سود لینے کے جواز کا فتوے دیا
تاہم مسلمان من حیث القوم سود لینے سے بچتے رہے صرف اس خیال
سے کہ جس امر کا جواز مشتبہ ہو اس سے بچنا بہتر ہے اور بچنا اس نیت سے
تھا کہ مسلمان خواہ دنیاوی اعتبار سے کیسے ہی برباد کیوں نہ ہو جائیں
مگر سود لینے کے گناہ سے بچے رہیں

۱۹۔ سود سے بچنا محال ہے | دنیا کے ابتدائی دور میں سودی قرضہ
زیادہ تر ضرورت مندی کی وجہ سے لیا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں روپیہ
قرض لیکر نفع آور کاموں میں لگایا جاتا ہے جس کی وجہ سے تمام کاروبار
و تجارت اور صنعت و حرفت کا انحصار سودی قرضہ کے لین دین پر
ہوگیا ہے اس لیئے اگر سود لینے سے نہیں تو سود دینے سے بچنا انسان کے
لیئے تقریباً محال ہوگیا ہے۔ بالخصوص اُن جماعتوں کا تو سود دینے سے
بچے رہنا ناممکن ہے جو سود نہیں لیتیں اور چونکہ مسلمان سود لینے سے بچے
رہے اس لیئے وہ من حیث القوم دُنیا میں سب سے زیادہ زیر بار
قرضہ اور سب سے بڑھ کر سود کے دینے والے ہیں جس کی وجہ سے
دنیوی بربادی کے ساتھ وہ سود کے گناہ میں بھی سب سے زیادہ
ملوث رہتے ہیں۔

۲۰۔ سود میں منفعت کا پہلو غالب ہوگیا | دنیا میں ہر چیز کے دو پہلو

ہوتے ہیں مفید اور مضر، حتیٰ کہ شراب اور جوئے جیسی ناپاک چیزوں میں نفع کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور موجود ہے جس کی نسبت باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (سورہ بقر ع ۲۷)

مگر مضرت کے غلبہ کی وجہ سے شراب کا پینا بجز اس صورت کے کہ طبیب حاذق اس کا حکم دے حرام ہے اسی طرح سود کے کاروبار میں بھی مضرت کا پہلو ابتدا میں غالب تھا جس کی وجہ سے جملہ مذاہب عالم میں وہ ممنوع تھا مگر امتداد زمانہ سے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرض لیا ہوا روپیہ صنعت و تجارت میں لگا کر دائن اور مدیون دونوں کے لئے نفع رساں ثابت ہوا جس کی وجہ سے روپیہ کے کرایہ یا سود کی منفعت کا پہلو اس کی مضرت سے بڑھ گیا۔ جملہ دیگر اقوام دنیا نے اس نکتہ کو سمجھ کر اس کی دو قسمیں قرار دے لیں یعنی یوژری اور انٹرسیٹ جن کو دوسرے الفاظ میں ربوا اور تجارتی سود کہہ سکتے ہیں اور ثانی الذکر یعنی تجارتی سود سے سب نے بجز مسلمانوں کے خاطر خواہ نفع اٹھایا۔ مسلمانوں کے مذہب میں اگرچہ یہ مسئلہ ابتدا سے غیر منفصل رہا اور ربوا کی کوئی تعریف قطعی اور متفق علیہ نہ تھی تاہم انھوں نے روپیہ پر ہر بڑھوتری کو ربوا قرار دے کر اس کی جملہ صورتوں سے کلیتاً احتراز کیا اور سود کے سراسر مفید پہلو یعنی تجارتی سود تک سے بھی نفع نہ اٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دین و دنیا دونوں برباد ہو گئے۔ دنیا کی بربادی تو

مسلمانوں کے افلاس سے ظاہر ہی مگر دین کی بربادی اس لیئے ہوئی کہ سود لینے کے گناہ میں نہیں تو دینے کے گناہ میں مسلمان سب سے آگے ہو گئے حالاں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

"مسلمان کو چاہیئے کہ کافر حربی کو سود دینے میں احتیاط کرے بے ضرورت کافر حربی کو بھی سود نہ دیوے"

سود دینے کے گناہ کے علاوہ آپ یہ معلوم کر کے متعجب ہوں گے کہ مسلمان کاریگر بمقابلہ دیگر اقوام کے کاریگروں کے زیادہ شراب خوار اور عیاش ہیں جس کا پتہ آبکاری کے نقشوں سے چلتا ہی چنانچہ مجھے بالتحقیق معلوم ہوا ہی کہ بعض مقامات میں جہاں مسلمان کاریگر زیادہ ہیں عید کے دن شراب کی بکری بہت زیادہ ہوتی ہی جس کی وجہ صرف یہ ہی کہ روپیہ بڑھانے کے دروازے چوں کہ مسلمانوں پر بند ہیں اس لیئے وہ اپنی کمائی کا مصرف صرف عیش پرستی جانتے ہیں۔

۲۱۔ مذہب کی عظمت خطرہ میں | ممکن ہی کہ بعض صحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے کہ دنیوی مصالح سے مذہب میں تبدیلی نہیں کی جاتی اس کی نسبت یہ عرض ہی کہ کوئی قانون خواہ مذہبی ہو یا ملکی جس میں ضرورت زمانہ اور طبائع انسانی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اس کا وجود بالآخر محض کتابوں کے صفحات پر رہ جاتا ہی کیوں کہ لوگ اپنے حوائج سے مجبور ہو کر پوشیدہ یا علانیہ اس کی خلاف ورزی کرنے لگتے ہیں یا اُس سے

سمجھنے کے لیئے حیلے اختیار کرتے ہیں اس لیئے ایسے قانون کا عدم وجود برابر ہو جاتا ہے اور اسی لیئے ہر مقنن اپنے قانون میں ان امور کا لحاظ رکھتا ہے۔ چنانچہ قانون الٰہی میں خود باری تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط مذہبی امور میں ضروریات زمانہ اور طبائع انسانی کا لحاظ نہ رکھنے کی بدیہی مثال ہمارے سامنے اہل یورپ کی موجود ہے جنھوں نے اپنے مذہبی قانون کو اپنی ضروریات کے لیئے ناکافی پاکر اپنے حسب حال ملکی قوانین بنا لیئے اور اپنی آسمانی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ تقریباً یہی حال مسلمانوں کا ہوتا جاتا ہے کہ وہ اپنے مروجہ مذہبی قانون کو اپنی ضروریات کے مطابق نہ پاکر بہ اعتبار عمل کے آزاد ہوئے جاتے ہیں اور اُن کے دلوں سے مذہبی قانون کی عظمت کم ہوتی جاتی ہے مثلاً یہ کہ باوجود اس علم کے کہ سود لینا اور دینا دونوں ممنوع ہیں جہلا سے لیکر علما تک ضرورت کے وقت اگر سود لینے کے نہیں تو دینے کے گناہ کے ضرور بالضرور مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُس قانون کی کیا عظمت ہو سکتی ہے جو ہر دم اور ہر وقت توڑا جاتا ہو اور جس پر عمل درآمد کرنا انسانی امکان سے باہر ہو گیا ہو۔ انھیں مشکلات کے حل کرنے کے لیئے مسلمانوں میں ابتدا سے فقہا اور مجتہدین کی ایک مقدس جماعت ایسی رہی ہے جو نہ صرف مذہبی امور میں بلکہ تمدن و معاشرت میں مسلمانوں کی رہنمائی کرکے انھیں دنیا میں رہنے کے قابل بناتی رہی چنانچہ اسی مقدس جماعت کے بعض برگزیدہ افراد نے مختلف اوقات میں مسئلہ سود کی اہمیت کا اندازہ کرکے اُس کی مختلف صورتوں کے متعلق

فتوے دیئے ہیں جن پر یکجائی نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مسئلہ سود بڑی حد تک حل ہو چکا ہے اور صرف اس میں علماء وقت کی یکجائی اور متفقہ توجہ کی ضرورت ہے۔ اس وقت میں اختصار کے ساتھ سود کی مختلف صورتیں اور ان کے متعلق چند فتوے پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

۲۲۔ **غیر مسلموں سے ربوا** ہندوستان میں سب سے اہم فتوے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنہوں نے غیر مسلموں سے نہ صرف تجارتی سود بلکہ ہر قسم کے سود اور ربوا کے جس میں گراں شرح کا سود بھی شامل ہے جواز کا فتویٰ دیا۔ اسی کے ساتھ شاہ صاحب موصوف نے ہنڈی کے جواز کی صورت بتائی جس کے ذریعہ تجارتی اغراض کے لیئے ایک مقام سے دوسرے مقام پر روپیہ منتقل ہو سکتا ہے۔

۲۳۔ **پرامیسری نوٹوں اور بنکوں کا سود** اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکاری تمسکات اور نصاریٰ کے پاس روپیہ جمع کر کے اس پر سود لینے کے جواز کا فتوے دیا۔

۲۴۔ **بنک کا سود کار خیر میں** بنک کا سود لیکر کار خیر میں صرف کرنے کے جواز کے متعلق جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے الفاظ یہ ہیں کہ

"اس روپیہ کو بنک میں نہ چھوڑیں بلکہ وہاں سے لیکر غرباء و مساکین اہل حاجت میں تقسیم کر دیں یہ بہت اچھا ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ

اس کا ثواب حاصل ہوگا"

۲۵- ربوا الفضل کے جواز کی صورت

ہمجنس اشیا کا غیر مساوی تبادلہ بھی سود یا ربوا الفضل کے حکم میں سمجھا جاتا ہے اور اس لیئے وہ ناجائز ہے یعنی چاندی کی خرید وفروخت جب روپیہ سے کی جائے تو روپیہ اور چاندی کا وزن یکساں ہونا چاہیئے مگر چوں کہ چاندی کا بھاؤ کم و بیش ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے بعض وقت اُس کی خریداری میں نقصان رہتا ہے اس لیئے فقہا نے مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لیئے یہ صورت نکال لی ہے کہ روپیہ کے ساتھ تانبے کے کچھ پیسے ملا دیئے جائیں تاکہ بدلین غیر جنس ہوجائیں اور یہ معاملہ ربوا نہ رہے اور روپیہ کے بدلے میں وزن کے اعتبار سے زیادہ چاندی مل سکے۔

۲۶- آپس میں مسلمانوں میں مضاربت بہ رقم معین

اس کے بعد سود کی ایک صورت جو سب سے اہم ہے باقی رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو روپیہ دے کر مضاربت برقم معین کا معاملہ کرے یعنی کاروبار اور تجارت کے لیئے معیّن منافع پر روپیہ دے۔ اس وقت لاکھوں مسلمان دوکاندار اور کاریگر جو غیر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کرکے سدا اُن کی غلامی میں رہتے ہیں اور بعض وقت روپیہ کے دباؤ میں تبدیل مذہب کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اُنھیں اس غلامی سے آزادی دلانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اسراف فضول خرچی اور عیاشی کے لیئے نہیں بلکہ کاروبار کے لیئے خفیف منافعہ پر روپیہ دے

تاکہ خود مسلمانوں کی حیثیت تجارت و صنعت میں قایم ہو۔ اس صورت کے جواز کے متعلق علماء مصر نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے علاوہ خود ہمارے ہندوستان کے عالم مولوی ناظر حسن صاحب دیوبندی مرحوم کی ایک کتاب سے نقل کرنا بیجا نہ ہوگا۔

"یہ کلیہ کہ نقد مال کا کرایہ درست نہیں ہے بروئے کتب فقہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر اس کا کرایہ علاوہ تجارت کے اور کسی غرض سے ہو تو بے شک نادرست ہے کیونکہ نقد مال کی ذات سے بلا خرچ کیے ہوئے کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا ہے اور کرایہ اُس چیز کا درست ہوتا ہے جس میں بحالت بقاء کوئی نفع حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ خیال کہ تجارت کے لیے بھی اس کا کرایہ درست نہیں ہے ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ نقد اموال کی اصلی منفعت تجارت ہے۔ اگر نقد مال کا معاوضہ لینا شرعاً حرام تھا تو مضاربت صحیحہ میں حصہ مشاع کا لینا کیوں حلال ہوا۔ اس صورت میں رب المال نے جو کچھ لیا عوض المال لیا اور مضاربت نے جو کچھ لیا عوض نفع عمل لیا۔ اس مسئلہ سے بھی معلوم ہوا کہ مضاربت میں مال مدفوع قرض نہیں ہوتا ہے ورنہ ایک حبہ بھی لینا حرام ہوتا"

آگے چل کر جناب مولوی ناظر حسن صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

"جیسے زمین کاشت کا اجارہ مشاع اور بہ لگان مقررہ درست ہے

اور ورصورت لگان اگرچہ کاشتکار کو کچھ حاصل نہ ہو لیکن مالک
زمین کو رقم لگان حلال ہے۔ ایسے ہی عقد مضاربت بھی
دونوں طرح درست ہوئی بحصہ مشاع بھی اور بہ رقم معین
بھی؟"

۴۔ متفقہ فتوے کی ضرورت علماء کرام کی مندرجہ بالا رایوں و فتووں کے نقل کرنے سے میری غرض یہ نہیں ہے کہ جو کچھ کہا اور لکھا گیا وہ قطعی ہے اور ناقابل اعتراض ہے بلکہ میرا منشاء صرف اس قدر ہے کہ سود کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن کے جواز کی نسبت خود بڑے بڑے علماء کرام اظہار رائے کر چکے ہیں فتوے دے چکے ہیں اور یہ فتوے خاص خاص اوقات میں خاص ضروریات کو پیش نظر رکھ کر دیئے گئے ہیں مگر جو حالات اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہیں اور جن کو میں نے اختصار کے ساتھ عرض کیا ہے وہ اس امر کے متقضی ہیں کہ علماء کرام اجماعی طور پر اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر ایک متفقہ فتوے جاری کریں اور اس پر عمل درآمد کرانے کی خاص طور پر کوشش کریں اور کاروبار تجارت میں مسلمانوں کی رہنمائی کر کے انھیں ایسے طریقے بتائیں جنھیں اختیار کر کے مسلمان جلد سے جلد ذلّت و خواری، ہلاکت و بربادی کے بھنور سے نکلیں ورنہ کچھ عرصہ اور غفلت برتی گئی تو اندیشہ ہے کہ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکے گی۔ اور خدانخواستہ اکبر کا یہ شعر ہم پر صادق آئے گا ؂

کچھ جزو خاک ہوں گے تو کچھ ہونگے جزو غیر
یہ واقعہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

(۳)

مسئلہ سود پر چند سوالات

میں نے ۱۹۲۴ء میں مسئلہ سود کے متعلق چند سوالات شایع کیئے تھے اُمید ہی کہ اُن کے ملاحظہ سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد ملے گی۔ اس لیئے انھیں ذیل میں نقل کرتا ہوں:-

۱۔ آیا دنیا کے جملہ بڑے مذاہب میں سود ممنوع رہا ہی یا صرف اسلام میں؟

۲۔ کیا یہ صحیح نہیں ہی کہ ہندوؤں، مصریوں، اہل روم اور دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے قوانین کی رو سے سود خواری ممنوع تھی اُسے بند کرنے کی ہر ممکن کوشش ہر زمانہ میں کی گئی ہی؟

۳۔ جب دینی اور دنیوی دونوں قوانین کی رو سے سود خواری ممنوع تھی تو سوال یہ ہی کہ آیا سود خواری کی ممانعت کسی مضرت پر مبنی تھی یا بلا لحاظ مضرت و منفعت کے محض حکم خداوندی پر تھی؟

۴۔ جب تک کہ روپیہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کا رواج نہ تھا تب تک یا تو روپیہ زمین میں دفن کرکے رکھا جاتا تھا یا ضرورتمندوں اور عیش پرستوں کو سود پر قرض دیا جاتا تھا جو مدیون کی بربادی کا باعث ہوتا تھا اور یہی حقیقی سود خواری تھی آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ جب سے یورپ میں روپیہ نفع آور کاموں میں لگنے اور ایک دوسرے سے معین منافع پر قرض لیکر تجارت میں لگایا جانے لگا تب سے اُن ممالک کی دولتمندی

اور قوت و عظمت کی بنیاد قایم ہوئی اور سرمایہ و تجارت کے زور سے انھوں نے غیر ممالک پر قبضہ و تسلط کرنا شروع کیا؟

۵۔ آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ سود کی تبدیل شدہ صورت اختیار نہ کرنے کی وجہ سے اسلامی سلطنتوں کو اپنی ملک کی حفاظت و ترقی کے لیئے بجائے اپنی رعایا سے قرضہ لینے کے دیگر اقوام سے سودی قرضہ لینا پڑا جس سے اسلامی ممالک عملاً دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے؟

۶۔ آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ مسلمانوں کی زمینداریاں روز بروز نکل رہی ہیں اُن کی جائدادیں قرضہ کی علت میں دوسروں کے قبضہ میں جا رہی ہیں اور وہ مثل پُرانے زمانہ کے یہودیوں کے زمین سے بے دخل ہو رہے ہیں

۷۔ آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ سود کی تبدیل شدہ صورت اختیار نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان تجارت سے خارج ہو رہے ہیں اور باوجودیکہ مسلمان کاریگروں کی تعداد بہت ہی تاہم وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہیں اور اس لیئے صنعت و حرفت کے اصلی نفع سے محروم ہیں؟

۸۔ آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ مسلمانوں کی مالی کمزوری کی وجہ سے اُن میں نفع خلائق کے کام مثلاً مدرسے شفاخانے، خیرات خانے، مہمان خانے کنوئیں، سرائیں اور پُل بنانے والوں کی تعداد روز بروز گھٹ رہی ہی اور اسی نسبت سے دیگر اقوام میں کار خیر جاری کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہی؟

۹۔ آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں میں آپس میں

تنازعات زیادہ ہیں اور باہمی ہمدردی اور مصیبت میں ایک دوسرے کی امداد کرنے کی کم نوبت آتی ہی اور اگر یہ صحیح ہی تو کیا یہ اُن کے افلاس کا نتیجہ نہیں ہی؟

۱۰- آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ بعض مقامات میں افلاس کی وجہ سے اُن اقوام میں جو عرصہ سے مسلمان تھیں ارتداد شروع ہوگیا ہی اور ارتداد کو روکنے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے جو جماعتیں قایم ہوئی ہیں اُنھیں بوجہ روپیہ کی کمی کے تبلیغ کا کام جاری رکھنا مشکل ہو رہا ہی؟

۱۱- اگر مسلمانوں کی مالی کمزوری کی وجہ سے ہر اعتبار سے اُن کا تنزل ہی تو کیا یہ ضروری نہیں ہی کہ مسلمانوں کی حالت درست کی جائے اور مالی حالت درست کرلینے کے کیا ذرائع ہوسکتے ہیں؟

۱۲- مسلمانوں کی مالی کمزوری زیادہ تر اُن کی قرضداری کی وجہ سے ہو رہی ہی کیا یہ ممکن ہی کہ مسلمانوں کی قوم یہ عہد کرلے کہ وہ سودی قرضہ نہ لے گی مگر جب کہ صدیوں تک مذہبًا اور قانونًا سود پر قرض دینے اور لینے والوں کو سزا دی جاتی تھی تب بھی سودی قرضہ کی داد ستد بند نہ ہوسکی تو آیا یہ بات قرینِ قیاس ہی کہ قرض نہ لینے کا عہد مسلمان من حیث القوم پورا کرسکیں گے؟

۱۳- اگر افلاس دور کرنے کے لیے کفایت شعاری کی عادت ضروری ہی تو آیا محض کفایت شعاری کی تلقین سے قوم کفایت شعار بن سکتی ہی اور باوجودیکہ مسلمانوں میں عرصہ سے کفایت شعاری کی ضرورت کا احساس ہی

اور ہر طرف اس کا چرچا ہی اور اُس کے لئے انجمنیں قایم ہوچکی ہیں ور نصیحتیں اور وعظ کہے جاچکے ہیں تاہم اُن کے مُسرفانہ عادات میں کمی نہیں ہوتی اور وہ روز بروز تباہ ہوتے جارہے ہیں اتنے تجربوں کے بعد کیا اس امر کی گنجایش باقی ہی کہ وعظ و پند کے ذریعہ سے قوم میں کفایت شعاری پیدا کرنے کے تجربہ میں چند سال اور ضایع یا صرف کردیئے جائیں؟

۱۴- آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ کسی قوم میں کفایت شعاری اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے افراد کو روپیہ بڑھانا نہ سکھایا جائے جیسا کہ یورپ میں کاریگروں اور غربا کے لئے بنک اور بیمہ کمپنیاں قایم کرکے اور انھیں روپیہ کا بچانا اور بڑھانا سکھا کر تجارتی سود کے ذریعہ سے انھیں حقیقی معنوں میں کفایت شعار بنایا جاتا ہی؟

۱۵- اس زمانہ کے کاروبار میں بعض لوگوں کے پاس بے شمار دولت جمع ہوجاتی ہی جس کو "سرمایہ داری" کہتے ہیں اور جس سے غربا سرمایہ داروں کے غلام بن جاتے ہیں۔ سرمایہ داری کی قوت اور اُس کی مضرت کے مقابلہ کے لئے غربا میں اب انجمن ہائے امداد باہمی کی تحریک ترقی کررہی ہی جس سے غربا کا طبقہ ایک خودوارانہ زندگی بسر کرسکتا ہی اور وہ عوام الناس کے لیئے رحمت ثابت ہو رہا ہی مگر اُس کا دارومدار تجارتی سود پر ہی۔ غور طلب امر یہ ہی کہ آیا یہ سود جو عام طور پر بنی نوع انسان اور خاص کر غربا کے لیئے سراسر مفید ثابت ہوا ہی اُس ربوٰا کے تحت میں آتا ہی جس کی نسبت خداوند تعالےٰ نے اپنے عاجز بندوں کو ان الفاظ میں لڑائی کا چیلنج دیا ہی فَاذَنُوا

بحربٍ مِّنَ اللہِ وَرَسُولِہٖ"؟

۱۶۔ خداوند تعالےٰ کے ساتھ لڑائی اور دوسری تعزیرات کے خوف سے مسلمان، ربوا اور تجارتی سود اور ہر قسم کے سود سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں "تاہم وہ اُن لوگوں کے مقابلہ میں جو تجارتی سود سے نہیں بچتے اس دنیا میں زیادہ پریشان حال اور مفلس ہیں۔ مردم شماری کی رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں گداگروں، مجرموں اور کسبیوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ ان میں باہمی نقیض اور تنازعات زیادہ ہیں، باہمی معاملات خراب ہیں۔ کیا ان حالات میں یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ کم سے کم اس دنیا میں خداوند تعالےٰ بمقابلہ دیگر اقوام کے مسلمانوں سے اسی طرح ناراض ہے جیسے کہ کسی زمانہ میں یہودیوں سے ناراض سمجھا جاتا تھا جب کہ وہ دُنیا میں ذلیل و خوار اور برباد تھے اور غیر منقولہ جائداد سے بیدخل ہو کر پریشان حال پھرتے تھے؟

۱۷۔ دُنیا کے دیگر مذاہب رہبانیت کو نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اسلام نے رہبانیت کو مٹا کر مسلمانوں کو حکم دیا "کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ" اور خداوند تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد فرمایا "یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ" یعنی یہ کہ آپ سخت احکام کے بوجھ جو اُن لوگوں کے سروں پر لدے ہوئے تھے اور پھندے جو اُن پر پڑے ہوئے تھے اُن پر سے دور کرتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا "اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ لَمْ

تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ" یعنی تم آسانیاں بڑھانے کے لئے دُنیا میں بھیجے گئے دُشواریاں بڑھانے کے لئے نہیں، برخلاف اس کے اب ہم علانیہ دیکھتے ہیں کہ تجارتی سود کے غلبہ سے مسلمانوں کے لئے تجارت کی، صنعت و حرفت کی، ہر قسم کی معاش کی، حتیٰ کہ زندگی کی تمام راہیں بند ہو رہی ہیں کیا اسلام کی موجودہ شکل میں یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ "اسلام رہبانیت مٹانے والا ہے یا یہ کہ وہ سہل ہے، اور سخت احکام کے بوجھ سے وہ انسانوں کو ہلکا کرتا ہے اور اُن کی گردنوں سے پھندے نکالتا ہے، یا یہ کہ وہ آسانیاں بڑھاتا ہے اور دشواریاں نہیں بڑھاتا؟"

۱۵۔ اہل یورپ کے نزدیک ربوٰا ایسا ہی بُرا سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے نزدیک۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ روپیہ غیر نفع آور کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ جب سے یورپ میں روپیہ نفع آور کاموں میں کثرت سے لگنے لگا اور اس سے ایک جدید چیز انٹرسٹ یا تجارتی سود کے نام سے پیدا ہو کر انسان کے لئے سراسر مفید ثابت ہوئی تب سے مذہب عیسوی اور یورپ کے ملکی قوانین نے اُسے ربوٰا سے جدا گانہ سمجھ کر جائز قرار دے لیا اور کچھ عرصہ ہوا کہ مصر اور ٹرکی کے مسلمان علما نے بھی اس کے جائز ہونے کا اعلان کر دیا اب سوال یہ ہے کہ ان ملکوں میں جب کہ تجارت و کاروبار میں مسلمان قدم قدم پر تجارتی سود دے کر نقصان اُٹھا رہے ہیں اور اسی کی وجہ سے تجارت اُن کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے یہ امر کہاں تک درست ہے کہ تجارتی سود کو ربوٰا کے تحت میں لا کر اس کا لینا جائز قرار دیا جائے؟

۱۹۔ حدیث شریف میں آیا ہے "لا ربوا الا فی النسیۃ" یعنی ربا النسیہ کے سوا کوئی ربا نہیں ہے اور ربا النسیہ کی نسبت امام رازی تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ وہ معاملہ ہے جو ایام جاہلیت سے مروج تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ لوگ اس عہد پر کچھ مال دیتے تھے کہ ہر ماہ مال کی ایک معیّن مقدار (بطور سود کے) وصول کرتے رہینگے اور اصل مال پورا کا پورا رہیگا پھر جب قرضہ کی میعاد آجاتی تو قرضدار سے اصل مال کا مطالبہ کرتے تو اگر وہ دینے سے معذور ہوتا تو قرض اور میعاد دونوں کو بڑھا دیتے"۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ربا کا اس زمانہ میں وجود نہیں ہے اسی طرح اعلام الموقعین میں تحریر ہے کہ

"ظاہری ربا ربا النسیہ ہے جو ایام جاہلیت میں مروّج تھا کہ جب قرضدار ادائے قرض میں تاخیر کرتا تو قرض خواہ کے لیئے مال بڑھا دیتا اور جوں جوں تاخیر کرتا اسی طرح مال بڑھتا جاتا یہاں تک کہ ایک سو کی رقم ہزاروں تک پہونچ جاتی اور غالباً اس معاملہ پر وہی لوگ مجبور ہوتے تھے جو نادار اور محتاج ہوتے تھے پس جب قرضخواہ مناسب دیکھتا تو اپنے مطالبہ میں تاخیر کرتا جس کے عوض قرضدار اس کو اس کی نیا دتی ادا کرتا تھا کہ مطالبہ اور حبس کی قید سے خلاصی پاتا رہے"۔

برخلاف اس کے تجارتی سود وہ ہے جو فریقین کے نفع کے لیئے دیا جاتا ہے جیسے ملک کے سیراب کرنے کے لیئے سلطنت اپنی رعایا سے قرض لیتی ہے اور نہر کی آمدنی سے ایک معیّن حصّہ روپیہ والے کو دیدیتی ہے

جس سے ملک سرسبز ہوتا ہی اور قرض دینے والوں کا اثاثہ بڑھتا ہی یا ایک شخص دوسرے کو معین منافع پر تجارت کرنے کے لیئے روپیہ دیتا ہی جس کے نفع سے فریقین مستفید ہوتے ہیں اب سوال یہ ہی کہ ربوا النسیہ کی جو تعریف بیان کی گئی ہی آیا وہ کسی طرح تجارتی سود پر صادق آتی ہی اور آیا تجارتی سود کو کسی طرح ربوا النسیہ قرار دیا جاسکتا ہی؟

۲۰- آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ ربوا باوجودیکہ نص صریح سے حرام قطعی ہی تاہم "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" کی رو سے بعض فقہائے اسلام نے ربوا کے لین دین کو غیر مسلموں کے ساتھ جائز قرار دے دیا؟

۲۱- آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ بعض فقہائے اسلام نے ربوا کے لین دین کو چند حیلوں کے اختیار کرنے کے ذریعہ سے جائز قرار دیا ہی۔ مثلاً یہ کہ اکیسو روپیہ کے نوٹ اُدھار دے کر کچھ عرصہ بعد ایک سو پانچ لے لیئے جائیں یا ایک سو روپیہ کو رومال میں باندھ کر ایک سال کے وعدے پر انھیں ایک سو دس روپیہ میں فروخت کیا جائے؟

۲۲- آیا یہ صحیح نہیں ہی کہ زیور وغیرہ کے لیئے چاندی خریدنی ہو تو اس کی نسبت حکم ہی کہ وہ روپیہ کے ہم وزن لی جائے ورنہ ربوا ہو جاتا ہی ربوا سے بچنے کے لیئے یہ تدبیر بتائی گئی ہی کہ روپیہ کے ساتھ کچھ پیسے شامل کر دیئے جائیں "تاکہ بدلین غیر جنس ہو جائیں اور یہ معاملہ ربوا نہ رہے۔

اگر ربوا فی الواقع انسان کے لیئے نقصان دہ ہی اور اس لیئے مذہباً ممنوع ہی

تو سوال یہ ہے کہ آیا تانبے کے پیسے شامل کر دینے سے اس معاملہ کی واقعی مضرت اور معصیت میں کوئی کمی آجاتی ہے؟

۲۳۔ جب کہ مندرجہ بالا طریقہ سے چاندی خریدنے میں بظاہر ربا کی مضرّت بجنسہ قایم رہتی ہے اور محض پیسے ملانے سے اس کی معصیت دور ہو سکتی ہے اور برخلاف اس کے تجارتی سود کے لین دین میں کوئی خاص مضرت موجود نہیں ہوتی اور وہ سراسر انسانوں کے لیئے مفید ہے تو سوال یہ ہے کہ آیا تجارتی سود کو ربوٰا کے حکم میں سمجھ کر اس کی معصیت کو دور کرنے کے لیئے کوئی ایسا حیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ چاندی اور گوٹہ اور لچکہ خریدنے کے لیئے کیا جا سکتا ہے؟

۲۴۔ مُردہ جانور اور خون اور غیر اللہ کے لیئے نامزد شدہ جانور اور لحم الخنزیر بنص صریح سے قطعی حرام ہیں اسی طرح شراب بھی قطعی حرام ہے اور خانہ کعبہ کے پاس قتل کرنا حرام ہے آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اوّل الذکر اشیأ کا کھانا اضطراری حالت میں جائز ہے اسی طرح مرض کی حالت میں جب طبیب حاذق تجویز کرے شراب کا استعمال جائز ہے اور خانہ کعبہ کے قریب اگر کفار لڑنے آئیں تو انھیں قتل کرنا جائز ہے اگر اس قدر ناپاک اور مضر چیزیں اور ناجائز افعال ضرورت کے وقت جائز ہو سکتے ہیں تو آیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کی اضطراری و مجبوری کی حالت دیکھ کر تجارتی سود کو جس کے لین دین پر اس زمانہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی کا انحصار ہے اور جس میں ربوٰا کی کوئی مضرت نہیں بلکہ سراسر منفعت ہے جائز سمجھا جائے؟

(۴)

ایک مسلمان تحصیلدار اور جوتشی (افسانہ)

مہابن ضلع متھرا کے ایک برہمن کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ اس مقصد کے لیئے اس نے کچھ پانسے خریدے ایک پوتھی بنائی اور یہ سب چیزیں کپڑوں کی ایک پوٹلی میں رکھ کر اور جوتشی بن کے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہندوستان کے لوگ ضعیف العقیدہ ہوتے ہی ہیں اب جدھر جاتا ہی لوگ اس سے اپنی قسمتوں کا حال پوچھتے ہیں۔ حال پوچھنے والے بہت مگر دینے والے کم ہیں تب بھی دو دو چار چار آنے جمع ہو کر کسی کسی دن اُس کے پاس روپے ہو جاتے ہیں مگر روپیہ ملیں یا آنے اُس کا خرچ تین آنے روزانہ سے بڑھنے نہیں پاتا۔ ٹھہرنے کو ہر جگہ دھرم سالے سبھائیں موجود ہیں۔ کچھ بے حیائی اختیار کرلے تو مہینہ بھر میں بیس نہیں تو پندرہ دن ضرور مفت کھا سکتا تھا کیونکہ اکثر دھرم سالوں اور مندروں میں سدا برت جاری رہتا ہی مگر کمانے والے کے لیئے پُن کا بھوجن بھرشٹ ہی اس لیے وہ پاؤ بھر آٹا لیکر خود پکا لیتا ہی اور پکانے کا وقت نہ ہو تو کچے کھانے کی دوکان سے ایک آنہ میں روٹی اور ترکاری لے کر پیٹ بھر لیتا ہی اور ہر مہینے بال بچوں کے لیئے پندرہ بیس روپے گھر بھیجتا رہتا ہی۔ تجربہ سے اُسے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں کے مقابلہ میں تحصیل تھانہ میں اس کی زیادہ تر

پوچھا ہی کیونکہ ان لوگوں کو زیادہ آمدنی کے ساتھ زیادہ ہوس اور زیادہ خطرہ رہتا ہی اور پھر مسلمان اہلکاروں میں اور بھی زیادہ قدر ہی جن کے پاس کھانے پینے کے بعد کچھ بچتا ہی نہیں اور وہ ہر وقت اس کے متمنی رہتے ہیں کہ پردۂ غیب سے اُن کی مدد ہو۔ بس مسلمانوں کی اس کمزوری کو دیکھ کر وہ ہر تحصیل اور تھانہ میں سیدھا مسلمان اہلکاروں کی طرف رُخ کرتا ہی۔

اتفاق سے وہ ایک دن پھرتا پھراتا جسونت نگر کی تحصیل میں جا نکلا جہاں مرزا شاہرخ بیگ صاحب تحصیلدار تھے بڑے خاندانی اور پشتینی امیر تھے مگر جائداد سب زیر بار قرضہ تھی تب بھی تحصیلداری کی آمدنی کیا کم تھی بال بچے ساتھ تھے اور بڑے عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے تھے جب یہہ جوتشی پہونچا تو تحصیلدار صاحب بنگلہ میں بیٹھے ڈاک دیکھ رہے تھے اور اہلکار اپنے صیغہ کے احکام لیتے جاتے تھے جوتشی کی ہمّت وہاں جانے کی نہ ہوتی تھی اور جب احاطہ کمرہ کے آگے بڑھتا تو اردلی ڈانٹ کر اُسے پیچھے ہٹا دیتا۔ خوش قسمتی سے تحصیلدار صاحب کی نظر اُس پر جا پڑی نظر کیا تھی کیمیا اثر تھی اُسی وقت اُنھوں نے اُسے بلایا اور ڈاک سے فارغ ہوکر اس سے پوچھ گچھ شروع کی۔ جوتشی اب جو پانسہ ڈالتا ہی کیسی ہیں نکلتا ہی تحصیلدار صاحب سال بھر میں ڈپٹی کلکٹر ہو جائیں گے۔ ایک حساب سے بڑا بیٹا جو دو سال نویں میں فیل ہو چکا سولیفٹن ہوکر رہے گا اُدھر سے اسکول کے وقت میں شکار کھیل کر دوسرا لڑکا آرہا ہی اس کی قسمت میں فوج کی کپتانی لکھی ہی۔ غرض کہ تحصیلدار صاحب سے لیکر دو برس کے

بچے تک کو بڑے بڑے عہدے تقسیم ہو رہے ہیں اور تحصیلدار صاحب ہیں کہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ فوراً دس روپیہ نکال کر جوتشی کو دیتے ہیں۔ جوتشی انھیں دعائیں دیتا ہے اور کچھ اور دل خوش کن پیشین گوئیاں کرتا ہے اُس پر ایک اہلکار کو اشارہ ہوتا ہے کہ اُسے عملہ میں کچھ کرادیا جائے اور دو چار رئیسوں کے پاس بھیجدیا جائے۔ اب برابر ایک ہفتہ تک جوتشی کا دَور دَورہ رہتا ہے اور وہ تحصیل سے پانچسو روپیہ لیکر دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوتا ہے خیالی ترقیوں اور عہدوں کے بدلے میں اب اُسے جو رقم ملی ہے اُسے لیکر سیدھا گھر پہونچتا ہے کسی مسلمان کو اتنی رقم ملی ہوتی تو اوّل تو احباب کی دعوتیں ہوتیں۔ حلوے کباب اُڑتے۔ اپنے اور بیوی بچوں کے لیئے پر تکلف کپڑے سلوائے جاتے میاں کفایت شعار ہوتے تو لڑکی کی شادی کے لیئے زیور اور جہیز کی تیاری میں روپیہ لگاتے اور اگر چوروں اور نقب زنوں سے بچا رہتا تو لڑکی کی رخصت کے دن میاں کی عزت آبرو برادری میں بڑھتی۔ مگر پنڈت جی حالاں کہ بنئے نہیں ہیں تاہم بنیوں کے داؤگھات سے کچھ نہ کچھ واقف ہیں۔ گھر پہونچکر محلہ کے جولاہوں میں روپیہ تقسیم کرتے ہیں۔ دس روپیہ دینا کرکے بارہ مہینوں میں ایک ایک روپیہ لیکر بارہ روپیہ وصول کریں گے اور دیتے وقت دس روپیہ کی جگہ نو روپیہ بارہ آنے دیتے ہیں۔ چار آنے تحریر کے کاٹ لیتے ہیں۔ مہینے پر روپیہ وصول نہ ہوگا تو پیسے روپیہ کا سود لگے گا۔ اب جولاہے ہیں کہ اس کمی سود کو دیکھ کر لوٹے پڑتے ہیں۔ کیوں کہ بنیوں سے

جب لاتے ہیں تو وہ دس روپیہ کے ساڑھے نو دیتا ہی اور ایک پیسہ کی جگہ تین پیسے کا سود لگاتا ہی۔ پھر یہ بھی شرط کرتا ہی کہ چھ مہینے قسط نہ ملے گی تو مال بھی اس کے ہاتھ بیچنا پڑے گا۔ اور مال کی قیمت لگاتے وقت خوب کستا ہی بنیوں کی ان شرطوں سے پریشان ہو کر جولاہے پنڈت جی کے پاس خوشی خوشی آتے ہیں۔ پہلی دفعہ پنڈت جی نے چار سو روپیہ چالیس جولاہوں میں تقسیم کر دیئے اور سو روپیہ گھر کے خرچ کے لیئے رکھ لیئے۔ اب چالیس جولاہے ایک روپیہ فی کس کے حساب سے ہر مہینے کے شروع میں چالیس روپیہ پنڈت جی کو دے جاتے ہیں۔ جو دس روپیہ فی کس کے حساب چار نئے جولاہوں کو دے دیئے جاتے ہیں۔ اگلے مہینہ چوالیس روپیہ آتے ہیں اور ہر مہینے اسی طرح تقسیم ہوتے اور بڑھتے جاتے ہیں۔ پنڈت جی صرف مہاجن کے آس پاس گشت لگاتے ہیں گھر سے دور نہیں جاتے کچھ تو جوتش کا کام کرتے ہیں جس سے گھر کے خرچ میں مدد ملے مگر زیادہ تر قسطوں کا کام کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ مالی حالت بہتر ہوتی جاتی ہی اور آٹھ دس برس میں منڈی میں بڑی بڑی رقموں کا لین دین شروع ہو جاتا ہی جس کی وجہ سے مہاجن ہی پابندی کے ساتھ ٹھہرنے سے استغنا ہو جاتا ہی۔ اب جی چاہتا ہی کہ جس ذات کی بدولت یہ فارغ البالی حاصل ہوئی اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔

پنڈت جی کی حیثیت تو اب پچاس ہزار کی ہی مگر وضع قطع وہی ہی چنانچہ انہی جوتشی کے سیدھے سادے لباس میں وہ تحصیلدار صاحب کی جستجو میں گھر سے نکلتے ہیں کسی نے غلطی سے پنڈت جی سے کہدیا کہ وہ ابھی جسونت نگر

کی تحصیل میں ہیں۔ سرکار نے اُن کی خاص خدمات کے صلہ میں وہاں سے بدلہ نہیں۔ مگر جا کر معلوم ہوتا ہے کہ پارسال اُن کا انتقال وہیں ہو گیا۔ اور جن کے چشم ابرو کے اشارے پر پنڈت جی نہال ہو گئے تھے۔ خود جب اُن کا انتقال ہوتا ہے تو بال بچوں کو جسبونت نگر سے جانا مشکل ہو جاتا ہے بازار میں ہر طرف قرض تھا بڑا لڑکا اس قابل نہ ہوا کہ چار پیسے کما تا بچپن سے سیکڑوں روپیہ خرچ کرنے سیکھے تھے اور روپیہ بچا کر بڑھانے کی کوئی تعلیم نہ ہوئی تھی البتہ ایک لڑکا گورکھپور میں کلرک ہو گیا تھا وہ اس قابل نہ تھا کہ اتنے بڑے کنبے کا بار اُٹھاتا۔ بچوں میں سے کسی کا تعلیمی بیمہ نہ ہوا تھا جس سے اسکول میں پڑھنے والوں کی تعلیم جاری رہتی نہ تحصیلدار صاحب کی زندگی کا بیمہ ہوا تھا جس سے بیوی کو کچھ مل رہتا۔ غرض کہ لوگوں کے شرم و لحاظ سے اور تحصیلدار صاحب مرحوم کے حسن اخلاق کی وجہ سے بمشکل تمام قرض خواہوں سے وعدہ وعید ہو کر پیچھا چھٹا اور بال بچے گھر پہونچ گئے۔ یہ حال سن کر جوتشی زار وقطار روتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ تحصیلدار صاحب کی قسمت میں جتنی کمائی لکھی تھی بھگوان نے اُس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی دی۔ مگر وہ اس کا رکھنا اور بڑھانا نہ جانیں تو اس کا کیا علاج ہے میاں لوگ تو اپنی قسمت سے لڑتے ہیں اور اپنے ہر اکر چھوڑتے ہیں۔ مجھے تو تحصیلدار صاحب کی کرپا سے ایک ہی رقم مل گئی تھی اس کی بدولت اب کئی پشتوں تک کا سہارا ہو گیا پاس ایک مسلمان اہلکار کھڑے سن رہے تھے جو اس جوتشی کو اُن دنوں سے جانتے تھے

جب تحصیل میں اس کے واسطے روپیہ جمع کرا دیا تھا۔ بے اختیار کہنے لگے۔

"مگر شیطان تو نے سود لیکر بڑھایا ایسے روپیہ بڑھانے پر لعنت!"

جو تشی "سرکار! جس کام پر لعنت ہوتی ہے وہ کام میں نے نہیں کیا۔ آخر ہماری بھی منو سمرتی میں لکھا ہے کہ سود کھانے والے کا اناج پاخانہ ہے میں بنیوں والا سود نہیں کھاتا ہوں کہ غریبوں کا خون چوستے ہیں تو صرف کاریگروں کو اتنے سود پر روپیہ دیتا تھا جس سے اُن کا کاروبار چلتا رہے کبھی کسی کو نہیں ستایا۔ کسی کا مال نہیں لیا۔ اب جب سے میں نے غلہ کی تجارت کرنے والوں کو منڈی میں سود پر روپیہ دیا ہے تب سے جولاہے روتے ہیں اور میری خوشامد کرتے ہیں۔ کیوں کہ تم انھیں بنئے ستاتے ہیں میاں صاحب ایسے سود کی جیسا میں تجارت کرنے والوں سے لے رہا ہوں۔ جو سو روپیہ سے بیس روپیہ پیدا کر کے دس روپیہ مجھے دیتے ہیں اور دس خود رکھتے ہیں اس کی مناہی تو اللہ نے تمھیں بھی نہ کی ہو گی اور اگر کی بھی ہو گی تو ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں میرا سود کا روپیہ اس روپیہ سے تو بُرا نہ ہو گا جو حضور لوگ تحصیل میں حق کے نام سے لیتے ہیں۔ اس پر میاں صاحب بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے اور پنڈت جی کو کچھ جواب نہیں دیا۔ پاس والوں نے سُنا کہ وہ یہ کہتے جا رہے تھے

"کہیں اس شیطان نے رسالہ جواز سود مع فتاویٰ کا مضمون تو نہیں سُن لیا جو ہمیں قائل معقول کرتا ہے۔"

(۵)

تعلیمی بیمہ

اس زمانہ میں کم و بیش ہر شخص کی خواہش یہ ہی کہ اس کی اولاد تعلیم یافتہ ہو بالخصوص اس وجہ سے کہ آجکل معاش کا دار و مدار تعلیم پر ہی۔ ہندوستان میں تعلیم ہمیشہ سے مفت تھی۔ امیر غریب کسی کو بھی تعلیم کے لیئے روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی نہ صرف یہ کہ تعلیم کی فیس نہ لی جاتی تھی بلکہ درسگاہوں کی طرف سے طلبا کو کتابیں اور کھانا اور مکان ملتے تھے اب امیر ہو یا غریب ہر شخص کو ان سب چیزوں کے لیئے روپیہ بہم پہونچانا پڑتا ہی۔ خواہ وہ اپنے پاس سے کرے، یا قرض لے یا بھیک مانگے۔ ظاہر ہی کہ غربا کے لیئے اس قسم کے اخراجات بہم پہونچانے نہایت مشکل ہیں مگر اسی کے ساتھ خوش حال لوگوں کو بھی چوں کہ اس قسم کے اصراف کی عادت نہیں اس لیئے وہ ناگوار ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ بالخصوص دیگر ممالک کو تعلیم کے لیئے بچوں کو بھیجنے میں جو غیر معمولی اخراجات پڑتے ہیں اُن کا تحمل ہونا ہر شخص کا کام نہیں۔

طلبا کی اس قسم کی مشکلات دیکھ کر بعض انجمنوں نے یہ انتظام کیا ہی کہ طلبا کو تعلیم کے لیئے قرض حسنہ یا وظیفہ دیتی ہیں مگر چند انجمنیں ہزاروں ضرورتمند طلبا کی جملہ ضروریات کی کہاں تک کفیل ہو سکتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہی کہ ہزاروں لڑکے تعلیم کے لیئے پریشان پھرتے ہیں۔ ہمیں یہ خیال ہوا کہ

جس طریقے سے انسان کی زندگی کا بیمہ ہوتا ہے اسی طرح سے بچوں کی تعلیم کا بیمہ بھی عجب نہیں کہ ہوتا ہو۔ چنانچہ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چند کمپنیوں نے اس کا انتظام کیا ہے۔

بعض اصحاب ممکن ہے کہ بیمہ کو جوا سمجھتے ہوں مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اول تو بیمہ بجائے خود مسلمانوں کی ایجاد ہے جب کہ وہ اسپین میں تجارت کرتے تھے اس کے علاوہ جوا وہ ہے جو غیر یقینی ہو۔ حالانکہ انسان کی انفرادی زندگی جس قدر غیر یقینی ہے ویسے ہی اس کی اجتماعی زندگی یقینی ہے۔ مثلاً یہ کہ صدیوں کی اموات کا حساب لگانے سے معلوم ہوا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے دس ہزار اشخاص میں سے ایک سو آدمیوں کے قریب ایک سال کے اندر مرتے ہیں اس حساب سے دس ہزار آدمی ایک ایک سو روپیہ کا بیمہ کرائیں تو ہر ایک کو ایک ایک روپیہ دینا چاہیئے تاکہ اس سال مرنے والے ایک سو آدمیوں کے ورثار کو سو سو روپیہ مل جائیں۔ اسی اصول پر تعلیمی بیمہ رکھا گیا ہے جس کی بنا پر بیمہ کرنے والے اور بیمہ کرانے والے کو فائدہ رہتا ہے۔

مثلاً ایک شخص جس کی عمر پینتیس سال ہے چاہتا ہے کہ اس کے ایک سالہ بچے کو سولہ سال کی عمر ہونے پر کالج کی تعلیم کے لیئے کافی روپیہ ملتا رہے اس کی تدبیر یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کا دو ہزار کا بیمہ کرائے اس کے لیئے اسے چھیانوے روپیہ سال یا صرف آٹھ روپیہ مہینہ کے حساب سے دینے پڑینگے اس قدر دینے پر اس کے بچے کو پانچ سال تک چار سو روپیہ سال یعنی بتیس روپیہ

ماہوار ملیں گے جو کالج کی تعلیم کے لیے بالکل کافی ہیں۔ اس طریقہ میں ۱۰ سال میں کل ساڑھے پندرہ سو روپیہ کے قریب دیے جائیں گے اور دو ہزار روپے بچے کو ملیں گے اور اگر بیمہ کرانے والا ایک یا چند اقساط دینے کے بعد مر جائے تب بھی لڑکے کو اسی قدر روپیہ ملے گا اور اگر بچہ مر جائے تو ایک قسط منہا کرنے کے بعد کل روپیہ سرپرست کو مل جائے گا یا کسی دوسرے بچے کے نام منتقل ہو جائے گا۔

اکثر خوش حال لوگ سمجھتے ہیں کہ انھیں اپنے بچوں کا بیمہ کرانے کی ضرورت نہیں۔ مگر اکثر دیکھا گیا ہے کہ خوش حال لوگوں کے انتقال کے بعد ایسی پیچیدگیاں پڑ جاتی ہیں کہ اُن کے بچوں کی تعلیم رک جاتی ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ نقد روپیہ کسی ایک وارث کے قبضے میں آ جاتا ہے کبھی جائداد کو کوئی شخص دبا بیٹھتا ہے اور بچوں کو اُن کا حصہ نہیں مل سکتا۔ مگر جن بچوں کا تعلیمی بیمہ ہو جاتا ہے انھیں اس کی کوئی پروا نہیں رہتی کہ اُن کا ولی انھیں خرچ دے تب ہی اُن کی تعلیم جاری رہے ان حالات میں ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنے بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائے۔ آئندہ کسی اشاعت میں تعلیمی بیمہ کی زیادہ تفصیل بیان کی جائے گی۔

جون ۱۹۲۵ء

(۶)

بنک سے سود وصول کرنا

ہدم ارکانِ شریعت ہے

جمعیۃ العلماء ہند کے مقتدر اخبار جمعیۃ دہلی کے ۲ر مئی ۱۹۲۵ء کے نمبر میں بنک کے سود کے بارہ میں معزز ایڈیٹر صاحب کا حسب ذیل نوٹ تحریر ہے:۔

۱۸ر مارچ کو کونسل آف اسٹیٹ میں سیٹھ ہارون جعفر صاحب نے ایک رزولیوشن پیش کیا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ سیونگ بنکوں اور حکومت کی ضمانتوں کے سرمایہ کا جتنا سود جمع ہوتا ہی اس کو کسی اور مصرف میں صرف کرنے کے بجائے مسلمان طلبا کو تعلیمی وظائف دے کر انھیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھیجدیا جائے۔ حکومت نے اس مطالبہ کو اصولاً تسلیم کرلیا، مگر مصرف کے متعلق جواب دیا کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت اس خیال کی حمایت کرے گی تو اس روپیہ کو اسی کام میں صرف کردیا جائے گا چنانچہ سیٹھ صاحب کی تجویز کو کونسل کے آئندہ گرمائی اجلاس کے لئے ملتوی کردیا گیا تاکہ اس وقت تک اسلامی رائے عامہ کی کافی تحقیق ہوجائے۔

جب سے ہندوستان میں بنک قایم ہوئے ہیں یہ مسئلہ علمائے اسلام

کے زیر غور ہے کہ آیا بنک کا سود ربوا کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ علمائے مصر نے اس کو جائز ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن علما کی اکثریت بلکہ سواد اعظم کا مسلک ابھی تک یہی ہے کہ بنک کا سود ربوا ہے اور اس کا لینا حرام۔

اس فتوے کی بنا پر اکثر دیندار مسلمان بنک سے سود نہیں لیتے اور خصوصاً اسلامی اوقاف کا جتنا روپیہ بنکوں میں داخل کیا جاتا ہے اس پر کوئی سود نہیں لیا جاتا لیکن اس میں ایک اور قباحت ہے جو سود لینے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ قواعد کی رو سے ہر بنک مجبور ہے کہ وہ تمام جمع شدہ سرمایہ پر ایک خاص شرح کے مطابق سود الگ کر دیا کرے اور اگر صاحب سرمایہ اس کو لینے سے انکار کردے اور اس کا کوئی اور مصرف نہ بتائے تو اس وضع کردہ رقم کو سالویشن آرمی (نکتی فوج) کے فنڈ میں داخل کر دے۔ اس قاعدے کے مطابق مسلمانوں کے سرمایہ کا منافع ایک کثیر مقدار میں ہر سال اس جماعت کو مل جاتا ہے اور وہ اس سے مسیحیت کی تبلیغ کرتی ہے۔

ایسی حالت میں شریعت اسلامی کا فتوئے یہ ہے کہ اگر بنکوں میں سرمایہ جمع کرانا ناگزیر ہی ہو تو اس کا سود وصول کر لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ سود لینے سے بدرجہا بڑی بات یہ ہے کہ ہم اپنے روپیہ سے کفر کی اشاعت میں مدد دیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس روپیہ کو اپنی ذات پر صرف نہ کیا جائے۔ بلکہ اسے صدقہ کر دیا جائے

اس بات میں فقہا کی صاف تصریح ہو کہ ان الخبیث واجب التصدق فلا یاخذ الا من یجوز له اخذ الصدقة۔ یعنی مال حرام کو صدقہ کردینا ضروری ہے

اور وہ صرف ایسے ہی شخص کو دینا چاہیے جس کے لیئے صدقہ لینا جائز ہو۔ پس اس تصریح کے مطابق تمام وہ امور خیر جن میں صدقہ صرف کیا جا سکتا ہی۔ بنک کے سود کے مصرف صحیح بن سکتے ہیں۔ مثلاً فقرا و مساکین کی اعانت، یتامی کی پرورش، نادار طلبا کی امداد اور تبلیغ و حفاظت اسلام وغیرہ۔

سیٹھ ہارون جعفر صاحب کا رزولیوشن بھی شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل درست ہی اور طلبا کی امداد و اعانت اس صدقہ کا بہترین مصرف ہی۔ لیکن اس کے لیئے صرف علی گڑھ یونیورسٹی کی تخصیص کرنے سے بہتر صورت یہ ہی کہ اس روپیہ کو تمام صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ادبی تعلیم پر صرف کرنے کے بجائے مختلف قسم کی صنعتی تعلیموں پر صرف کیا جائے مثال کے طور پر جب یہ معلوم ہو جائے کہ ہر سال کتنی رقم اس مد میں جمع ہوتی ہی تو اس کے بعد ایک خاص تعداد مقرر کر دی جائے کہ اتنے طلبا کو فن زراعت کی تعلیم دی جائے گی، اتنے طلبا انجینیرنگ کے مختلف شعبوں میں بھیجے جائیں گے اور اتنے اقتصادیات یا سائنس کی تعلیم پر

مگر اس تجویز سے صرف اسی روپیہ کی حفاظت ہوتی ہی جو سیونگ بنکوں میں جمع ہوتا ہی اور دوسرے چارٹرڈ بنکوں پر یہ قانون نافذ العمل نہیں ہوتا

ہمارے خیال میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کے تحفظ کی بھی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ اور اگر اس کا کوئی باقاعدہ انتظام ممکن نہ ہو تو ہر شخص احکام شریعت کے مطابق خود ہی انفرادی طور پر جمع کردہ سرمایہ کا سود وصول کرکے اسے تبلیغ و امداد یتامیٰ وغیرہ اسلامی امور خیر پر صرف کر دیا کرے۔ کیونکہ اس باب میں تساہل سے کام لینا ہدم ارکان شریعت میں حصہ لینے کا ہم معنی ہے اور اس سرمایہ سے تبلیغ مسیحیت اور ارتداد مسلمین کا جتنا فتنہ برپا ہوتا ہے اس کا سارا وبال مسلمانوں کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔"

(سود مند) جس اہم امر کی طرف اخبار جمعیۃ نے توجہ دلائی ہے امید ہے کہ دیگر معزز معاصرین بھی مسلمانوں کو آمادہ کریں گے کہ وہ کم سے کم مقامی درسگاہوں اور اوقاف کا روپیہ سرکاری پرامیسری نوٹوں میں داخل کرکے روپیہ کو محفوظ اور ذرائع آمدنی کو مستقل کرلیں۔

جولائی ۱۹۲۵ء

(۷)

اقتصادی

ثواب	گناہ
۱۔ جس قدر روپیہ زمین میں دفن ہو اُسے وہاں سے نکال کر معتبر بنکوں میں داخل کرنا۔ اس کے کیش سرٹیفکیٹ	۱۔ روپیہ کو زمین میں دفن رکھکر یا بکسوں میں محفوظ رکھ کر اُسے بیکار پڑا رہنے دینا۔

گناہ	ثواب
	خرید نا معتبر کارخانوں میں لگانا غریب کاریگروں اور دکانداروں کو معیّن اور غیر معین منافع پر دیے کہ اُن کے کاروبار کو ترقی دینا اور ریلوں نہروں اور ملک کی ترقی کے کاموں میں لگانا۔
(۲) روپیہ کو زیور میں منتقل کر کے اُس کی حفاظت کی فکروں میں پریشان رہنا اور اپنے خاندان کی جان اور آبرو خطرہ میں ڈالنا۔	(۲) مستورات کو آمادہ کرنا کہ وہ اپنی خوشی سے قیمتی زیور روپیہ میں منتقل کر کے مندرجہ بالا کاموں میں لگائیں۔
(۳) روپیہ کو ایسے قیمتی کپڑوں پر صرف کرنا جو اہل ہند کی عام حالت سے بالاتر ہوں۔	(۳) جو سالانہ رقم عمدہ کپڑوں پر صرف ہوتی ہے اُس کا تخمینہ کر کے اور سادہ کپڑوں کی قیمت منہا کر کے باقیماندہ رقم مندرجہ بالا کاموں میں سال بسال لگانا۔
(۴) روپیہ کو ایسے قیمتی کھانوں میں صرف کرنا جو اہل ہند کی عام حالت سے بالاتر ہونے کے ساتھ	(۴) سادہ سے سادہ کھانا کھا کر اپنی صحت اور مالی حالت کو درست کرنا۔

گناہ

بطی الہضم اور مضر صحت ہوں۔

(۵) اپنے بچوں کو چاٹ کے لیے پیسے دے کر انھیں مسرف اور چٹورا بنانا۔

(۶) اپنی اہلیہ کے لیئے جان بیمہ نہ کرانا اور اپنے بچوں کو تعلیمی بیمہ سے محروم رکھنا جس کے بغیر پسماندگان برباد اور تباہ ہو جاتے ہیں اور بعض وقت گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔

ثواب

(۵) اپنے بچوں کو روپیہ بچانے پر انعامات دے کر انھیں کفایت شعار بنانا۔

(۶) اپنی اہلیہ کے لیئے اپنا جان بیمہ کرانا اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا۔

طفیل احمد

جولائی سنہ ۱۹۲۵ء

(۸)

انہدام سرمایہ داری

نظام سوویٹ کی تشریح

دنیا میں ہمیشہ سے کام لینے والوں اور کام کرنے والوں کے درمیان کشمکش رہی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں جب دو قوموں میں لڑائی ہوتی تو وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اس بے رحمانہ طریقہ کی یہ اصلاح ہوئی کہ قیدیوں کو زندہ رکھ کر اُن سے کام لیتے تھے۔

کاشتکاری کراتے تھے اور اُن کی پیدا کی ہوئی دولت سے عیش کرتے تھے
پھر تجربہ سے معلوم ہوا کہ قیدی خوش دلی سے کام نہیں کرتے جس سے
کام عمدہ نہیں ہوتا اس لیئے غلاموں کو آزاد کر دیا گیا اور انھیں اُجرت
دیکر اُن سے بڑے بڑے کارخانوں میں کام لینے کا سلسلہ قایم
ہوا۔ اُجرت دیکر کام لینے والے بڑے بڑے سرمایہ دار ہوتے ہیں
جو جاہل کاریگروں کی بے عقلی سے نفع اُٹھا کر انھیں مزدوری کم
سے کم دیتے ہیں اور اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت
کرکے اُس سے زندگی کے لطف اُٹھاتے ہیں کاریگروں کی یہ حالت اُن
قیدیوں سے جو قتل کر دیئے جاتے تھے یا بعد کے زمانہ میں غلام بنائے جاتے
تھے ہزار درجہ بہتر ہے کیونکہ اب اُنھیں بالعموم کئی کئی روپیہ روزانہ ملتے
ہیں جن سے وہ نسبتاً اچھی زندگی بسر کرتے ہیں۔ تاہم اُمرا کے مقابلہ میں
چونکہ اُن کی حالت پست ہے اس لیئے بنی نوع انسان کے ہمدرد اصحاب
ان پر رحم کرکے ان کی بہتری کے لیئے مختلف تدابیر سوچتے ہیں اور
کوشش کرتے ہیں کہ اعلیٰ طبقوں میں کثیر دولت جمع ہو کر غربا کی بربادی
اور اُن کی غلامی کی موجب نہ ہو۔ اس کے لیئے ہڑتالیں ہوتی ہیں شرح
اُجرت بڑھائی جاتی ہے۔ کام کرنے کے گھنٹے کم کیئے جاتے ہیں۔ کاریگروں
کا حصہ کارخانوں کے منافعہ میں مقرر کیا جاتا ہے اور ہزاروں قسم کی مختلف
تدبیریں غربا کو ابھارنے کی اختیار کی جاتی ہیں۔ بعض دردمند اہلِ قوم
انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعہ ادنیٰ طبقہ کو ابھار کر انھیں اتنا خوشحال

بنانا چاہتے ہیں کہ وہ بڑے سرمایہ داروں کی غلامی سے نکل جائیں اور ایک جماعت غربا کے خیر خواہوں کی وہ ہی جس کی یہ کوشش ہی کہ سرمایہ داری کو کلیتاً توڑ کر جملہ انسانوں کو مساوی حالت پر کر دیا جائے اور جو دولت سب مل کر پیدا کریں اُسے قوم کے ہر ہر فرد میں یکساں تقسیم کر دیا جائے ان خیالات کا عملی ظہور گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں روس میں ہوا جبکہ بالشویکوں نے وہاں کی شخصی سلطنت اور سرمایہ داری کو توڑ کر سوویٹ گورنمنٹ کے نام سے ایک جداگانہ سلطنت قایم کی۔ اس گورنمنٹ نے تمام ذاتی جائدادوں اور سرمایہ اور دولت کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ وہ شخص جو کھیت میں کام کرتا ہی، وہ جو نجاری اور آہن گری کا کام کرتا ہی، وہ شخص جو وزارت کا کام کرتا ہی سب مثل سلطنت کے ملازم کے ہیں ہر ایک کو سلطنت کی طرف سے کھانے اور کپڑے اور دیگر ضروریات کا ٹکٹ مل جاتا ہی۔ جسے دکھا کر وہ سرکاری گودام سے اپنا کھانا اور دوسری ضروریات لے آتے ہیں۔ سب کا طرزِ معاشرت اور تمدن ایک ہی۔ سب کے بچوں کی پرورش اور تعلیم سلطنت کی طرف سے ہوتی ہی۔ اس طریقہ کے جاری کرنے کے چند روز بعد ملک میں سخت قحط پڑے وبائیں پھیلیں۔ لاکھوں آدمی ہلاک ہوگئے۔ ملک بھوکا ہوگیا۔ تمام کاروبار بند ہوگئے حتیٰ کہ بالشیوکوں نے مجبور ہوکر اہل یورپ کے سرمایہ داروں سے رجوع کیا اور خوشامد کر کے اپنے ملک میں لگانے کے لیئے سرمایہ حاصل کیا۔ اور اس طرح وہاں کا کام چلتا ہوا۔

اب کچھ عرصہ ہوا انگلستان کے ایوان تجارت نے سات آدمیوں کا ایک کمیشن تحقیقات کی غرض سے ملک روس میں بھیجا تھا۔ اس کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ اخبارات میں شایع ہو رہا ہی۔ اس رپورٹ کی نسبت اخبار لیڈر الہ آباد کے ایک نوٹ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہی جس میں بالشوزم کا تاریک پہلو دکھایا گیا ہی۔

روسی بالشویزم کا تاریک پہلو

جمہوریت روسیہ نے عوام الناس کی فارغ البالی اور مرفہ الحالی کے لیے ایک نیا دور پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اب سوال یہ ہی کہ کیا وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ بالشویکی تجربہ سے ایسے نتایج برآمد ہوئے ہیں جن سے دوسرے ملک والوں کو اپنے یہاں اسی قسم کا نظام حکومت قایم کرنے کی ترغیب و تحریص پیدا ہو گئی ہی؟ کیا وہاں کی حکومت کو مختار کل کے اختیارات دیدینے سے ملک کی پیداوار آزادی اور شایستگی میں اضافہ ہو گیا ہی؟

ان سوالات کا جواب یقیناً نفی میں دیا جائے گا۔

جمہوریت کی تائید اور مالداروں کے خلاف جو تحریک روس میں پھیلائی گئی ہی اس کی بابت ممبران کمیٹی تحقیقات کو معلوم ہوا کہ زمانہ قبل از جنگ کے مقابلہ میں آج کل روس کی چند مشہور و معروف مصنوعات کی تیاری کی مقدار بہت کم ہی۔ وہاں کی ریلیں برباد ہو گئی ہیں روس کے مزدوروں کی حالت ہر ایک یورپین ملک کے مزدوروں سے

بہت ادنیٰ درجہ کی ہے اور وہاں کے کسانوں کی جسمانی صفائی اور اور اخلاقی حالت یورپ کے ادنیٰ ترین طبقہ سے بھی گری ہوئی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اُن کی حالت ہندوستانی قلی سے بھی بدتر ہے۔ وہاں کی موجودہ تمدنی حالت خاندانی زندگی کے حق میں تباہ کن ہے اخبارات کو جمہوری جماعت کے کسی فرد پر حملہ کرنے کی ممانعت ہے اور وہاں پر انفرادی سیاسی آزادی بمنزلہ نفی کے ہے۔

تجارتی اتحاد کی پالیسی کو منسوخ کرانے کے لیئے روس میں بار بار ہڑتالیں ہوتی رہتی ہیں۔ پیچیدہ معاہدوں سے موجودہ جمہوریہ کا نظام ایسی حالت پر پہونچ گیا ہے جس کو جمہوریت نہیں بلکہ سرکاری برادری یا سرکاری سرمایہ داری کہنا چاہیئے۔ اس وفد نے روس کی موجودہ حالت کی مکمل تحقیقات کر کے یہ مایوس کن نتائج اخذ کیئے ہیں۔

روس کے موجودہ نظام حکومت میں کوئی شخص اپنے ورثا کے لیئے ایک ہزار پونڈ یعنی پندرہ ہزار روپیہ سے زیادہ نہیں چھوڑ سکتا ہے اس لیئے وہاں پر کوئی شخص مالدار نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص کوشش کر کے کچھ روپیہ پس انداز کرے تو اس کے انتقال کے بعد وہ روپیہ وہاں کی گورنمنٹ کو مل جاتا ہے۔

زمانہ ماقبل جنگ کے مقابلہ میں آج کل روس میں کوئلہ کی

پیداوار ۲۲ فی صد، سوت کی ۱۳ فی صد ڈھلے ہوئے لوہے کی ۶ء۱۶ فی صد، فلزات کی ۲۵ فی صد اور اونی کپڑے کی ۳۹ فی صد ہے اور دیگر اقسام کی پیداوار کی حالت بھی اسی طرح کی ہے۔ حامیان گورنمنٹ مدعی ہیں کہ جملہ مصنوعات پر گورنمنٹ کا قبضہ ہو جانے سے اُن کی پیداوار میں بیحد اضافہ ہو جائے گا لیکن روس کا تجربہ اس دلیل کی تائید نہیں کرتا۔ روس کے نظام حکومت کی خرابیوں کا اقبال کرنے پر وفد مانہ گور کو اس طرز حکومت میں چند خوبیاں بھی نظر آئی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

اوّل یہ کہ سرکاری نظام تمدن پر وہاں کی گورنمنٹ مبنی ہے جس کے عملی طور پر بہت سے مزدور اور کسان معاون ہیں دوسرے وہ اتحادی نظام پر مبنی ہے جس نے کم تعداد قوموں کو پوری مذہبی اخلاقی اور سیاسی آزادی عطا کر دی ہے۔

اگرچہ روسی گورنمنٹ کی مشینری (کل) دوسری سلطنتوں سے قطعاً مختلف قسم کی ہے تاہم وہ اچھی طرح چل رہی ہے اور اگرچہ اس نے روس کی حالت کچھ بہتر نہیں کی لیکن اُس نے وہ کام کر دکھایا جس کو انجام دینے میں دنیا کا قدیم طرز حکومت قطعی ناکام رہا۔

ان عمدہ نتائج نے سب لوگوں کو بجز ایک مختصر جماعت کے اپنے حق مخالفت سے دست بردار ہونے پر آمادہ کر دیا ہے جو دیگر مقامات پر سیاسی آزادی کے لئے ایک ضروری حق مانا جاتا ہے۔

روس کے اس سارے نظام حکومت میں ایک نہایت دلچسپ

جدت ہی جس کا مطالعہ کرنا غیر ملکیوں کے لیئے ضروری امر ہی۔
اصل سوال یہ ہی کہ جمہوریت نے جو وعدے کیئے تھے کیا وہ پورے ہو گیئے اور اس امر کے ثبوت کی کونسی معتبر شہادت ہی کہ مزدوروں اور کسانوں کی غالب تعداد سوویٹ حکومت کی دل سے ممد و معاون ہے۔
وفد نے یہ بھی بیان کیا ہی کہ گورنمنٹ کو نہ صرف اخبارات۔ عام جلسوں اور سیاسی مشینری پر پورا اختیار اور قابو حاصل ہی بلکہ اسکول یونیورسٹیاں اور فوج بھی بالکل اُسی کے قبضہ میں ہیں۔ گورنمنٹ کو سرمایہ غیر ملکی قرضہ۔ تجارت اور مراعات پر بھی پورا اقتدار حاصل ہی۔ اس صورت میں رعایا کے حقیقی جذبات سے آگاہی حاصل کرنا بے حد دشوار امر ہی۔
اخبار لیڈر کی اس رائے کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہی کہ مسلمانوں میں سے بعض اصحاب اپنی قوم کے عام افلاس کے مرض کو مایوس العلاج سمجھ کر یہ اُمید لگائے بیٹھے تھے کہ دولت مند طبقہ کے خلاف مثل روس کے کوئی ایسا زبردست انقلاب ہوگا جو دنیا سے سرمایہ داری کو نیست و نابود کر کے سب کو یکساں حالت میں کر دے گا۔ مگر جب کہ خود روس میں بعض لوگوں کے نزدیک یہ تجربہ ناکام رہا اور وہاں کی سلطنت سرمایہ داروں کی امداد لینے پر مجبور ہوئی یا خود سلطنت سرمایہ دار بنکر وہاں کی رعایا سے مثل غلاموں کے کام لینے لگی تو اس امر کی کیا اُمید ہی کہ

اس زمانہ میں کوئی قوم بغیر سرمایہ کے زندہ رہ سکتی ہے خواہ وہ چند افراد کا سرمایہ ہو یا سلطنت کا۔

روسی بالشویزم کا روشن پہلو اگرچہ اخبار لیڈر نے روسی بالشویزم کا زیادہ تر تاریک پہلو دکھایا ہے تاہم یہ ناانصافی ہوگی اگر اس تحریک کا روشن پہلو نہ دکھایا جائے۔ اس کے لیئے ہمیں اصل رپورٹ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس میں تحریر ہے کہ "وہاں کاریگر کو جو مزدوری دی جاتی ہے وہ ایسی ضروریات کے لیئے ہوتی ہے جو نقد روپیہ سے فراہم کی جاتی ہیں۔ باقیماندہ ضروریات مثل تفریح، سفر، علاج، بیمہ حیات، کرایہ مکان اور بچوں کی پرورش کے یہ سب چیزیں سلطنت کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں"۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی طرف سے وہاں کے مزدوروں کو ضروریات زندگی کے لیئے نقد ملتا ہے اس کے علاوہ بہت سے تفریح کے سامان فراہم کیئے جاتے ہیں، اُنھیں تعطیلوں میں سفر کرنے کا خرچ دیا جاتا ہے اُن کی زندگی کا بیمہ کرایا جاتا ہے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے اور ان سب اخراجات کی کفیل سلطنت ہوتی ہے اور سلطنت اہل یورپ سے سرمایہ قرض لے کر روپیہ پیدا کرتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے وہ کونسی تجویز ہے جس کے ذریعہ وہ افراد قوم کو اس قابل کردیں کہ وہ اپنے کھانے پینے کے سامان بچوں کی پرداخت اور تعلیم بیماری کے علاج، اور مرنے کے بعد بیمہ کے

ذریعہ اپنے پسماندگان کی پرورش کے افکار سے مستغنی ہو جائیں۔ واقعہ یہ ہی کہ جس قدر تحریکیں دُنیا میں جاری ہیں اُن کی انتہائی غایت یہی ہی کہ جملہ طبقات قوم کم و بیش یکساں خوشحال ہوں۔ نہ کہ مثل مسلمانوں کے غریب سے لیکر امیر تک، کاریگر سے لیکر کارخانہ دار تک، بساطی سے لیکر ملک التجار تک اور ادنیٰ زمینداری سے لیکر بڑی سے بڑی سلطنت تک سب مقروض اور دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام اور پریشان حال ہوں۔ فی الحال ہم نہ سرمایہ داری کے دلدادہ ہیں اور نہ بالشویزم کے مخالف۔ ہمارا مقصود تو صرف مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی خندق سے نکالنا ہی اور اُس کی تدبیر یہ ہی کہ ہر فرد روپیہ کو بچانا اور بڑھانا سیکھے، انجمہائے امداد باہمی میں شریک ہو، ملک کے کاروبار اور صنعت و تجارت میں حصہ لیکر ایک خوددارانہ زندگی بسر کرنے کے قابل بنے اور بس

(۹)

ہندوستان میں بہت سے بنکوں کی ضرورت

لاہور میں (People's Bank of Northern India)

یعنی بنک باشندگان شمالی ہند کے افتتاح کی رسم ادا کرنے کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ہر طبقہ کے ہندو مسلمان اور سکھ شریک تھے اس جلسہ میں آنریبل لالہ ہرکشن لال صاحب نے ایک معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہی:۔

بنگال، بمبئی اور مدراس کے تین پریذیڈینسی بنکوں کو ملا کر ۱۹۲۱ء میں امپیریل بنک قایم کیا گیا۔ امپیریل بنک کے علاوہ اس ملک میں اٹھارہ اکسچینج یعنی تبادلہ کے بنک کام کر رہے ہیں جن کے دفاتر ہندوستان سے باہر ہیں اور ان کے علاوہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کے مشترکہ سرمایہ کے چھبیس بنک درجہ الف کے اور بیالیس بنک درجہ (ب) کے ہیں۔ الف اور ب کلاس کے بنکوں میں مستقل اور محفوظ سرمایہ کی مقدار کا فرق ہے جو علی الترتیب پانچ لاکھ اور ایک لاکھ ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کے اور بہت سے بنک ہیں لیکن وہ ایسی معمولی حیثیت کے ہیں کہ سرکاری طور پر قابل تذکرہ یا قابل شمار نہیں ہو سکتے۔ ان بنکوں پر پبلک کے اعتماد کا اندازہ ان رقموں سے ہو سکتا ہے جو ان میں جمع کی جاتی ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ پریسیڈینسی بنک کی ۱۴۰ شاخیں ہیں اور اس میں ۷۰ کروڑ روپیہ ہے تبادلہ کے بنکوں میں ۵ء۶۸ کروڑ ہندوستانی مشترکہ سرمایہ کے الف کلاس کے بنکوں میں ۵ء۴۴ کروڑ اور درجہ ب کے بنکوں میں ۲۵ء۳ کروڑ روپیہ ہر سال جمع کیا جاتا ہے۔

درجہ ب کے بنکوں کے مالک اور منتظم صرف ہندوستانی ہیں لیکن درجہ الف کے بنکوں کا انتظام یورپین اور ہندوستانیوں دونوں کے ہاتھوں میں مشترکہ طور پر ہے۔ ان بنکوں میں منجملہ دو ارب روپیہ کے خالص ہندوستانی سرمایہ ۲۶ کروڑ روپیہ ہے۔ یہ دو ارب کا سرمایہ بھی زمانہ حال کے یورپین اور نو آبادیوں کے بنکوں کے سرمایہ سے کے

مقابلہ میں بہت حقیر رقم ہی۔

مصدقہ اعداد سے معلوم ہوا ہی کہ دیگر ملکوں میں ایک ایک بنک کی سولہ سولہ شاخیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا مستقل سرمایہ علاوہ دیگر آمدنیوں کے ساٹھ کروڑ پونڈ یعنی نو ارب روپیہ ہی۔

ہندوستان میں پینتیس ہزار میل ریلوے ہی۔ کئی ہزار میل بحری راستہ ہی اور ۳۰ کروڑ کی آبادی ہی اس لحاظ سے یہاں پر بنک برائے نام ہیں ۱۹۲۵ء نہایت خوش اقبالی کا سال ہی جب کہ ہم درخواست کرتے ہیں کہ بنکوں کی تعداد میں ایک اور بنک کا اضافہ فرما دیا جائے۔

لالہ ہرکشن لال صاحب کی مرقومہ بالا تقریر کی طرف ہم مسلمانوں کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اسلامی بنک زیادہ تعداد میں کھولنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ آج کل دنیا کی تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کا انحصار صرف بنکوں ہی کے قیام پر ہی اور اس وقت بھی ہندوستان میں جو تھوڑی بہت تجارت اور صنعت و حرفت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی اس سے حقیقی نفع وہ اسی وقت اٹھا سکتے ہیں جب وہ دیگر قوم کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی حاصل کریں اور یہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہی جب کہ زیادہ تعداد میں مسلمان اپنے بنک قایم کریں۔

جولائی ۱۹۲۵ء

(۱۰)

امانت میں خیانت

قصبہ فیض نگر میں حافظ محمد امین ایک بڑے متقی، پرہیزگار، تہجد گزار بزرگ رہتے ہیں، بادشاہی زمانہ سے ان کے خاندان کی بڑی آبرو ہے، ان کی ایمانداری اور دیانت داری کی دھاک آس پاس کے قصبات اور دیہات میں بیٹھی ہے۔ غریب غربا کے پاس چار پیسے بچ جاتے ہیں تو انھیں کپڑے کی پوٹلی میں باندھ کر حافظ جی کے پاس رکھ جاتے ہیں تاکہ بچوں کی شادی بیاہ میں کام آئیں اور یہ پوٹلیاں برسوں بجنسہ رکھی رہتی ہیں مجال نہیں کہ انھیں کوئی چھو بھی سکے۔ حافظ صاحب کی ذات سے قصبہ والوں کو بڑا آرام ہے۔ غریب آدمی کے گھر میں روپیہ رکھا ہو تو چور چکار چھپنوں پر چڑھے چڑھے پھرتے ہیں۔ کونل لگاتے ہیں۔ راتوں کو سونے نہیں دیتے حافظ جی امیر آدمی ہیں اُن کے ہاں پہرہ کا انتظام ہے اور سب کو اُن پر اطمینان ہے۔

اُن کا بیٹا محمد مبین بھی نیک اور لائق ہے۔ اُسے تجارت کا شوق ہے۔ فصل پر غلہ بھر لیتا ہے اور لوگوں کے ہاتھ بیچتا رہتا ہے۔ مگر بازار میں غلہ کی کمی ہو تو روک کر نہیں رکھتا کیونکہ حافظ جی نے غلہ کی تجارت کی اسی شرط پر اجازت دی ہے کہ اُسے روک کر نہ رکھا جائے بلکہ بازار کے بھاؤ پر بیچتا رہے۔ حافظ جی کو بھی اُس کی دیانت پر اطمینان ہے اور جب سے وہ ضعیف ہوگئے ہیں امانت کے صندوق کی کنجی بھی اُسی کے سپرد کردی ہے۔ محمد مبین بڑا

متواضع اور ملنسار ہی۔ اُس کے احباب کا دائرہ وسیع ہی۔ قصبہ کی عربی مدرسہ کی امانت بھی اُسی کے پاس ہی اور علما کا ذاتی روپیہ بھی یہیں رکھا جاتا ہی جس کی وجہ سے علمار کرام کی آمد ورفت رہتی ہی۔

اب محمد مبین کی تجارت کا کام پھیلتا جاتا ہی روپیہ کی قلت ہی۔ محمد مبین اپنے پدر بزرگوار سے کہتے ہیں کہ امانت کا روپیہ تجارت میں لگانے کی اجازت دیدیں۔ اُس میں بھی وہ محفوظ رہے گا۔ خدانخواستہ اُس میں نقصان ہو تو لاکھوں روپیہ کی جائداد موجود ہی مگر حافظ جی ہیں کہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور امانت کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتے۔ بالآخر محمد مبین سند لاتے ہیں کہ وہاں کے عربی مدرسہ کا روپیہ بھی ایک سوداگر کے ہاں تجارت میں لگا ہوا ہی۔ ضعیف باپ بالآخر مجبور ہو کر بادل ناخواستہ اجازت دیدیتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں بار بار اُٹھنے اور روپیہ کی دیکھ بھال کرنے کی قوت نہیں رہی بہرحال امانت کا روپیہ تجارت میں لگتا ہی۔ محمد مبین کے کاروبار کو خوب ترقی ہوتی ہی وہ مہینے دو مہینے میں دعوتیں بھی کرتے رہتے ہیں جن میں معززین اہلِ شہر شریک ہوتے ہیں۔ بالآخر غلہ کا کام زیادہ پھیل کر بے قابو ہو جاتا ہی۔ محمد مبین کی توجہ زیادہ تر میل جول اور حکام رسی کی طرف ہو گئی ہی۔ آنریری مجسٹریٹی کا شوق دامنگیر ہی گیہوں کی فصل اچھی ہوئی تھی پھر برسات وقت پر ہوئی غلہ کا نرخ گر گیا اور کاروبار میں کچھ تزلزل ہوا جس کا پتہ کچھ مدرسہ میں چل گیا مہتمم صاحب نے علاوہ ماہواری خرچ کے امانت میں سے دو ہزار روپیہ منگا بھیجا۔ اُس کے

پہونچنے میں کچھ دیر ہوئی۔ اس کی شہرت تمام قصبہ میں ہوگئی۔ اب کیا تھا ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ اب حافظ محمد امین کے دروازے پر ایک بھیڑ لگ گئی ہو حافظ جی تو علیحدہ ایک صحن میں پڑے رہتے ہیں۔ یہ خبر سُنکر پھر پلنگ سے اُٹھے نہیں اور ہفتہ بھر بعد جب اُن کا جنازہ نکلا تب لوگوں نے اُنھیں دیکھ پایا۔ محمد مبین البتہ لوگوں کو دم دلاسہ دیتے ہیں مگر جن کے پسینے کی کمائی کا روپیہ جاتا رہے اُنھیں کیسے تسلی ہو۔ جو کھاتے پیتے اور کماؤ ہیں خیر وہ چُپ ہو رہیں تو مضائقہ نہیں مگر وہ ضعیف بیوہ عورتیں جنھوں نے چکی پیس پیس کر پیسہ پیسہ جمع کیا تھا اور اس کے روپیہ بنا کر حافظ جی کے بھروسہ پر اُن کے بیٹے کے سپرد کیئے تھے، کیا کریں اُن میں سے کوئی سینہ کوبی کرتی ہی، کوئی روتی اور محمد مبین کو کوستی جاتی ہی جو زیادہ سمجھدار لوگ ہیں وہ زیادہ اونچی باتیں کرتے ہیں اور اپنی غلطی پر کہ اُنھوں نے اپنا روپیہ ڈاکخانہ میں کیوں جمع نہیں کیا نادم ہوتے ہیں بہت سے بے تعلق لوگ بھی کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہیں جن میں سے ایک سن رسیدہ شخص دوسرے سے کہتا ہی۔

ان باتوں میں تو ہمارے مقابلہ میں ہندو ہی کھرے ہیں۔ ہمارے محلہ میں ایک بے حیثیت بنیہ رہتا ہی۔ ایک روز دیکھتا کیا ہوں کہ تھیں ایک دستاویز لیئے کچہری کی طرف چلا جا رہا ہی۔ میں نے کہا آج کسے گانٹھا ہی بولا آج تو میں ہی دستاویز لکھ رہا ہوں۔ میں نے تعجب سے پوچھا تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہی کہ تو آج دستاویز لکھ رہا ہی۔ آبدیدہ ہو کر کہنے لگا

کہ میرا بڑا بھائی مول راج مر گیا ہی۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں۔
کل دس ہزار روپیہ میرے پاس امانت ہی۔ اب اس روپیہ کو میں کچھ
تو اپنی دکان میں لگاؤں گا اور باقی قرض پر دونگا۔ یہ دس ہزار
روپیہ کی دستاویز میں نے بچوں کے نام لکھدی ہی۔ جب یہ بالغ ہوں
مجھسے مع سود کے روپیہ لے لیں۔ بنیہ نے یہ کہکر دستاویز میرے ہاتھ میں
دیدی۔ کھان صاحب! (خان صاحب) تم بھی اس پر گواہی کر دو۔ اب
میں جو دستاویز پڑھتا ہوں تو اس میں ایک روپیہ سیکڑہ کا سود لکھا ہی۔
میں نے پوچھا یہ روپیہ سیکڑہ سود تو کیسے دے گا ہم لوگ تو بارہ آنے
اور دس آنے کا سود نہیں ادا کر سکتے اور جب ایک بار دستاویز لکھدیتے
ہیں تو سمجھتے ہیں کہ وہ سب گھر بار جائداد لے ڈوبے گی۔ بنیہ بولا۔
کھان صاحب تم بڑے آدمی ہو۔ تمھارے بڑے کھرچ ہیں۔ ہم گریب
آدمی ہیں پیسہ سے پیسہ پیدا کرتے ہیں۔ کھان صاحب! اس دستاویز
میں بھی مجھے نکسان (نقصان) نہیں بلکہ نپھا (نفع) ہی آپ نے یہ نہیں
دیکھا کہ میں نے روپیہ سیکڑہ کا سود تو لکھا ہی مگر سود در سود نہیں
لکھا۔ میں آپ ہی لوگوں کو ڈیڑھ اور دو روپیہ سیکڑہ سود در سود
پر دونگا اور اگر پورے روپیہ سیکڑہ پر بھی سود در سود کے حساب سے
دوں تب بھی نپھا ہی۔ اور زیادہ ایمانداری کی کمائی کرنا
چاہوں تو منڈی میں آڑھتیوں کو اور بیوپاریوں کو صبح کو دیدوں اور
شام تک اُن سے اچھا کھاسا (خاصہ) منا پھا (منافع) کما لوں۔ یہ

سُن کر میں ششدر رہ گیا اور مسلمانوں کی بے بسی پر افسوس کرنے لگا"
غرض کہ محمد مبین کے دروازے کے سامنے اس قسم کی مختلف باتیں ہو رہی تھیں۔ اس اثنا میں اخبار بیچنے والا آگیا اور ایک شخص نے لکھنؤ کا اخبار ہمدم خریدا۔ پہلا صفحہ کھولا تو اس میں حسب ذیل عنوان پر ایک مضمون تھا جس کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے اور جو اس وقت مجمع کو پڑھ کر سنایا گیا۔

مسلمانوں کے قومی کام کیوں برباد ہیں

یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی درسگاہیں یتیم خانے اور انجمنیں ہمیشہ روپیہ کی کمی سے خراب حالت میں رہتی ہیں اور آئے دن ان کے لیئے فراہمی سرمایہ کی اپیلیں اور عرضداشتیں شایع ہوتی رہتی ہیں وفود جاتے ہیں اور پھر بھی ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ برخلاف اس کے دیگر اقوام کے خیراتی کاموں کی تعداد اور مالی حالت میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔
اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان نسبتاً مفلس ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو کچھ انھیں ملتا ہے اسے چونکہ بنک میں رکھ کر اس کے منافع کو استعمال نہیں کر سکتے۔ اس لیئے انجام کار وہ خرچ ہو کر رہتا ہے۔ بنک کا سود نہ لینے سے بڑے تاجروں کی جو بربادی ہو رہی ہے اسے یہ سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ وہ بڑے تاجر نہ رہیں گے تو بساط خانہ کی دکان کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال لیں گے مگر قومی انجمنوں اور درسگاہوں کی بربادی کے یہ معنی ہیں کہ آئندہ کے لیئے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت سے بالکل ہاتھ دھو لیئے جائیں۔
اس سلسلہ میں سکھوں کی قوم کی مثال پیش کی جاتی ہے جن کی نسبت سنا ہے کہ

جس مقام پر ان کی کانفرنس ہوتی ہے وہاں عام چندہ سے ایک اسکول قایم کر دیا جاتا ہے۔ فرض کیجیے کہ ہر مقام کے لیئے دو لاکھ چندہ جمع ہوتا ہے جس میں سے کچھ روپیہ عمارت پر صرف ہو جاتا ہے۔ اور باقیماندہ بطور مستقل سرمایہ کے بنک میں رکھ کر اس کی آمدنی سے سالانہ خرچ چلایا جاتا ہے اس طرح ایک بار ایک مدرسہ کے لیئے سرمایہ فراہم کر دینے کے بعد پھر اس پر قوت صرف کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس طریقہ پر اگر سلسلہ جاری رہے تو لا تعداد مدرسے مستقل طور پر قایم ہو سکتے ہیں۔ بر خلاف اس کے اگر مسلمانوں کو بھی خدا توفیق دے کہ وہ ہر مقام پر ہر سال ایک مدرسہ کے لیئے دو لاکھ روپیہ جمع کر دیں۔ تو اس سے پچاس ہزار عمارت میں لگانے کے بعد اگر ڈیڑھ لاکھ کو بنک میں رکھدیں تو پانچ فی صدی سالانہ کے حساب سے ساڑھے سات ہزار روپیہ سالانہ یا ۶۲۵ روپیہ ماہوار مستقل آمدنی ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لیئے ہوگی لیکن اگر اس سرمایہ کو سال بسال صرف کرتے رہیں تو صرف بیس سال میں یہ روپیہ خرچ ہو جائے گا۔ اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اگر مسلمان سال بسال دو لاکھ روپیہ مدارس کے لیئے جمع کرتے رہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے تو ان کے قومی مدرسے تعداد میں بیس سے زیادہ نہیں بڑھ سکتے کیونکہ ہر بیس سال بعد جس مدرسہ کا سرمایہ ختم ہو چکا ہوگا پھر اس کے لیئے روپیہ جمع کرنا پڑے گا۔ حالانکہ دیگر اقوام کے مدرسے ہزاروں لاکھوں تک پہونچ سکتے ہیں۔ اس نقص کی وجہ سے مسلمان چند مدارس اور انجمنوں کے دائرہ میں تیلی کو لھو کے بیل کے

چکر لگاتے رہتے ہیں اور ان کے مہتمموں کے ہاتھوں میں ہمہ وقت
کاسئہ گدائی رہتا ہے جو نہ صرف مقامی لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے
بلکہ تمام ملک میں شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک گشت
لگاتار ہتا ہے۔ اور چونکہ قوم میں عام طور پر افلاس ہے اس لیئے بالعموم مدرسہ
یا قومی کام جاری ہوتا ہے تو اس کے منتظم سیدھے کسی ریاست کا یا بمبئی کلکتہ
اور رنگون کا رُخ کرتے ہیں مگر چونکہ بنک کا سود نہ لینے کی وجہ سے اب ہال
بھی مسلمانوں کی تجارت گر رہی ہے۔ اس لیئے خدا نہ کرے یہ دروازہ بھی
بند ہونے کا سامان ہو رہا ہے۔

خیر تاجروں کو برباد ہونے دیجئیے مگر درسگاہوں کی مفلوک الحالی
دور کرنے کی کوئی تدبیر کرنی ضروری ہے صرف ناجائز کا حکم لگا دینے سے
اس وقت کام نہیں چلتا۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے۔ اس کے خلاف
یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو روپیہ چندہ میں آئے اس سے ہم جائداد خرید سکتے ہیں
مگر تھوڑے روپیہ سے جو چندہ میں آتا ہے اس سے موقع کی جائداد
ہر وقت یکجائی نہیں خریدی جاسکتی اور خریدی بھی جائے تو بالعموم وہ پانچ
چھ فی صدی منافع سے کم پر نہیں ملتی جو بنک کا سود ہے۔ اور بنک سے بغیر کسی
مزید صرفہ کے ہر ششماہی پر روپیہ وصول ہو جاتا ہے۔ اور جائداد کے منافع
کی وصولی کے لیئے کارندے رکھنے پڑتے ہیں۔ نالشیں کرنی پڑتی ہیں
جس کی وجہ سے آدھا منافع بھی پلے نہیں پڑتا۔ اگر جائدادوں سے وصول
ہو سکتا تو آج مسلمانوں کو قانون اوقاف کے نفاذ کے لیئے کیوں کوشش کرنی

پڑتی۔ موقوفہ جائدادوں کی جو حالت ہی وہ قوم پر ظاہر ہی۔
قومی انجمنوں اور درسگاہوں کو اب تک یہی دقت ہی کہ جو کچھ چندہ آتا ہی وہ سب صرف ہو جاتا ہی اور پس انداز روپیہ کی حفاظت کی مصیبت سر پر رہتی ہی اگر سوداگروں کے ہاں امانت رکھاتے ہیں تو نفع سوداگر اُٹھاتے ہیں۔ اور دیوالہ نکل جائے تو ٹوٹا انجمنوں۔ مدرسوں اور مساجد کے حصہ میں آتا ہی بنک میں بلا منافع کے رکھاتے ہیں۔ تو اس کے نفع سے عیسائیوں کی پرورش اور مسلمانوں کا ارتداد اور گرجوں کی تعمیریں ہوتی ہیں ان تمام مشکلات کو مولوی مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی کے فتوے نے جو ممبئی کی جامع مسجد کے سرمایہ کے سلسلہ میں اخبار الامان اور خلافت میں شایع ہوا ہی حل کر دیا جس کا منشا یہ ہی کہ بنک کا سوُد نیک کاموں میں صرف ہو سکتا ہی۔ پس اب ضرورت ہی کہ جلد سے جلد اس کا نفاذ کیا جائے اُس فتوے کے بعد جن جماعتوں کو اپنا سرمایہ بنکوں میں جمع کر کے منافع لینے میں تامل ہوگا۔ وہ قومی نقصان کے باعث ہوں گے اور جو اپنے روپیہ کو کسی سوداگر کے پاس یا اپنے پاس رکھیں گے ان کی نسبت مخالفین کو یہ بدگمانی کرنے کا موقع ملے گا کہ وہ اس روپیہ سے ذاتی نفع اُٹھاتے ہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔
یہ مضمون سُن کر عام طور پر مسلمانوں پر اثر ہوا اور اکثر دلی نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنا روپیہ ڈاکخانہ یا کسی معتبر بنک میں جمع کرا کر

اُن کا منافعہ لیں گے اور کیش سرٹیفکٹ خرید یں گے۔ بعض جو محتاط تھے اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کر کے اُس کا منافع عربی مدرسہ یا یتیم خانے میں دیدیں گے۔ جولائی ۱۹۲۵ء

---

(۱۱)

دارالسلطنت ہند میں مسلمانوں کی حالت

دہلی صدہا برس تک مسلمانوں کا دارالسلطنت رہا ہے اور آج وہ انگریزی گورنمنٹ کا بھی دارالسلطنت ہے وہ تجارت کا مرکز ہے وہاں مسلمان تاجروں کی کمی نہیں ہے۔ کثرت سے مسلمان کارگیر ہیں جن کا حصہ دولت پیدا کرنے میں کم نہیں۔ تاہم مسلمانوں کی جو حالت وہاں ہے اُس کا اندازہ جناب مولانا بشیر الخیری صاحب کی ایک چیٹھی سے ہوگا جو ۲۴ مئی کے ہمدم میں شایع ہوئی ہے۔ اور جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:-

جناب من غدر ۱۸۵۷ء نے مسلمانان ہند کی حالت میں بالعموم اور مسلمانان دہلی کی بالخصوص جو تغیر پیدا کیا اگر چشم بینا اسے غور سے دیکھے تو خون کے آنسو گریں گے۔ اخوت اسلامی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمان جو اس وقت فکر معاش سے سبکدوش ہیں اپنا پیٹ بھرنے کے بعد

اُن مسلمانوں کو دیکھنے جو دو دو دانوں کو محتاج ہیں۔ اُن بن باپ کے بچوں کو جو بھوکے مر رہے ہیں کبھی کبھی روٹی میں سے ایک ٹکڑا دیدیتے ان پردہ نشین رانڈوں کا جن کے سر سے وارث اُٹھ گئے اور جن کو ہر شام فاقہ کا پیغام ملتا ہی ہی پیٹ بھر دیتے۔ لیکن ایسا ہوتا تو آج مسلمانوں پر یہ وقت نہ آتا کہ کلمۂ توحید پڑھنے والیاں آغوش اسلام سے نکل کر ارتداد کے پھندے میں پھنستیں اور تانبے کے چند سکوں پر مذہب قربان کر عصمت برباد کر دیتیں"

اس کے بعد ایک نہایت قدیم اور علما کے خاندان کا واقعہ لکھا ہے کہ فاقوں سے تنگ آکر ایک ضعیف بیوہ نے اپنی بچیوں کو مشنریوں کی سپردگی میں دیدینا طے کر لیا تھا جسے مولانا موصوف نے بچا لیا۔

مندرجہ بالا تحریر سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں :-

(۱) مسلمان غدر ۱۸۵۷ء میں بُری طرح برباد ہوئے بربادی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

(۲) اگر خوش حال لوگ پردہ نشین رانڈوں اور یتیموں کو پیٹ بھر روٹی دیتے تو کلمۂ توحید پڑھنے والیاں آغوش اسلام سے نکل کر ارتداد کے پھندے میں نہ پھنستیں۔

(۳) گویا فارغ البال لوگوں کی غفلت سے غریب بیوہ عورتیں اپنا مذہب قربان اور عصمت برباد کر دیتی ہیں۔

یہ سب کچھ کیوں ہے؟ یہ اس لیئے کہ باوجودیکہ مسلمان تجارت

کرتے ہیں صنعت و حرفت میں جان کھپا کر خوب کماتے ہیں مگر ان کے نزدیک روپیہ کا مصرف بجز اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ اچھا کھانا کھائیں، عمدہ کپڑے پہنیں اور عیش پرستی کریں۔ بڑے شہروں میں جا کر دیکھئے کہ صبح صبح حلوائیوں اور پراٹھے بیچنے والوں کی دکانوں پر لوگ گرتے ہیں؟ یہی مسلمان، شام کو کباب فیرینی کھانے والے غول کے غول کس قوم کے لوگ ہوتے ہیں؟ غریب مسلمانوں کے، برف کی قفلیاں کھانے والے اور تمام دن شربت اور برف کے گلاس پینے والے کس امت کے لوگ ہوتے ہیں؟ اوسی امتِ محمدی کے جس کے رہبر نے پیٹ پر پتھر باندھ کر پھاوڑے سے خندق کھودی تھی اور جو کی روٹی پر بسر کی تھی اور صحیح طور پر اپنی قوم کو سادگی کا سبق دے کر اسے دنیا کی سب سے زبردست حکمراں قوم بنا دیا تھا۔ اب اسی امت کے برف پینے والوں اور قفلیاں و فیرینی اور کباب کھانے والوں کی مائیں بہنیں آئے دن، افلاس سے تنگ آ کر تبدیل مذہب پر مجبور ہوتی ہیں۔

مگر میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ ان مفلس عورتوں کو اگر کچھ مل جاتا ہے تو وہ کبھی پراٹھے کباب اور حلوے کھاتی ہیں خود اپنے شوہروں کی زندگی میں باوجود صدہا روپیہ کی آمدنی کے وہ ادنی ضرورتوں کے لیے قرض لینے کی عادی تھیں۔ آج شوق سے ایک زیور بنوایا ہے۔ آموں کی فصل آگئی، سو روپیہ کی چیز کو تین روپیہ ڈھائی آنے سیکڑہ سود پر پچاس روپیہ میں رہن رکھ کر اس سے خوب گلچھرے اڑائے اور وہ زیور چھڑانے کی

مدّت العمر نوبت نہ آئی۔ دوسری قوموں کی ہمسایہ عورتوں کو سو سوا اس روپیہ مل جاتے ہیں تو انھیں مسلمان بیبیوں کو سود پر دے کر وہ اپنی زندگی عزت و آبرو سے گذار دیتی ہیں۔ عزت و آبرو عمدہ کپڑوں اور زیور اور اچھے کھانوں کی نہیں بلکہ اس بات کی کہ مدّت العمر کسی سے قرض نہیں مانگا اور دست سوال دراز نہیں کیا اور مرتے وقت کوئی دھرم سالہ یا کنواں بنوا دیا۔ آدمیوں کے لیے پیاؤ لگوا دی۔ مویشیوں کے پانی پینے کا حوض بنوا دیا۔ ایسی قوم کے لوگوں پر اگر سو بار ۱۸۵۷ء کا حادثہ گزر جائے تب بھی وہ گداگر نہیں بن سکتے کیونکہ وہ اپنے جذبات پر قادر ہیں۔ وہ دنیا میں رہنے کے طریقے جانتے ہیں۔ وہ روپیہ کے رکھنے اور بڑھانے کے فن سے واقف ہیں۔

جناب مولانا راشد الخیری صاحب نے ازراہ محبت اسلامی جو تربیت گاہ بنات قایم کی ہے جس میں وہ مفلوک الحال بچیوں کو پناہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام قوم کی شکرگزاری اور امداد کے مستحق ہیں مگر بہ ادب ہم اس قدر عرض کرنے کی جرات کرتے ہیں کہ انھیں دیگر تعلیمات کے ساتھ اپنی پناہ گزینوں کو کفایت شعاری اور روپیہ سے روپیہ پیدا کرنے کی تربیت دینی چاہیئے تاکہ قومی ترقی کی عمارت مضبوط بنیادوں پر قایم ہو۔

جولائی ۱۹۲۵ء

(۱۲)

مسلمانان جودھپور سے خطاب

انگریزی علاقہ ہو یا ہندوستانی، مسلمان کم و بیش ہر جگہ پست حالت میں ہیں ہمیں جودھپور کے بعض دردمند اصحاب سے وہاں کے کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں جو بالخصوص ریاست مذکور کے مسلمانوں کے لیئے اور بالعموم مسلمانوں کی واقفیت کے لیئے ذیل میں پیش کیئے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ جو تدابیر اُن کی بہبودی کے لیئے ہمارے نزدیک ہیں وہ بھی عرض کی جائیں گی۔ ذیل کے نقشہ سے مسلمانوں کی نسبتی مردم شماری اور اُن کی تعلیمی حالت کا اندازہ ہوگا۔ کل ریاست مارواڑ میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۷ء۲ فی صدی ہے جو نا قابل توجہ ہے اس لیئے صرف شہر جودھپور کے اعداد درج کیئے جاتے ہیں۔

نام قوم	مردم شماری		خواندہ		انگریزی داں	
	تعداد	فی صدی	تعداد	فی صدی	تعداد	فی صدی
جملہ اقوام	۷۳و۳۸۰	ء۷۶	۱۲و۱۱۵	۸ء۲	۲۳۱۰	۳ء۰
مسلمان	۱۸و۱۲۵	ء۲۴	۱و۵۲۶	۸ء۳	۱۳۶	ء۷

اس نقشہ سے ظاہر ہے کہ خاص شہر جودھپور میں مسلمانوں کی تعداد ۱۸۱۲۵ یعنی دیگر اقوام کے مقابلہ میں ۲۴ء۳ فی صدی یا چہارم سے قدرے کم ہے۔ اب سب سے اول یہ دیکھنا ہے کہ وہاں مسلمان خواندوں کی نسبتی تعداد کس قدر ہے۔ مندرجہ بالا نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اقوام کے اور مسلمانوں کے خواندہ افراد کی تعداد ۲ء۸ فی صدی یا مساوی ہے البتہ مسلمان انگریزی دانوں کی ۱ء اور دیگر اقوام کی تین فی صدی یا مسلمانوں سے چارگونی سے زیادہ ہے۔

اس وقت نہ صرف انگریزی عملداری میں بلکہ ریاستوں میں بھی اعلےٰ عہدوں کے لیئے انگریزی کی اعلیٰ قابلیت ایک لازمی چیز ہے اس لیے مسلمانوں کے انگریزی داں نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ریاست کے عہدوں سے محروم ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے وہاں اسکول ہیں اور ریاست کی طرف سے جو اسکول ہے اس میں بھی مسلمان بچے اپنی نسبتی تعداد کے اعتبار سے کم ہیں۔ انگریزی تعلیم کے بعد دیسی زبان کی واقفیت ہے۔ اس کے لیئے مسلمانوں کے مدارس و مکاتب ہیں مگر مسلمانوں کے مدارس و مکاتب کی عام حالت یہ ہے کہ اُن میں اُن کی عمر کا بڑا حصّہ صرف ہو جاتا ہے لیکن وہاں وہ نہ اپنے دین سے کافی طور پر واقف ہو پاتے ہیں اور نہ دنیا سے۔ دیگر اقوام کے بچّوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ہندی زبان کے ابتدائی مکاتب میں سال بھر رہ کر ہندی لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب سیکھ کر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اگر آئندہ تعلیم جاری نہ رکھیں تب بھی دکان پر

بیٹھ کر اپنا حساب کتاب رکھ سکتے ہیں۔ مگر مسلمان) اپنے مدارس و مکاتب
کی سالہا سال کی تعلیم کے بعد بھی کسی قابل نہیں ہوتے۔ پس جب کہ
مسلمان اپنے آپ کو نہ سرکاری عہدوں کے قابل بناتے ہیں اور نہ
کاروبار کے تو پھر اِن کی کھپت کہاں ہو۔ البتہ اب اُن کے لیے دو شعبے
باقی رہ جاتے ہیں۔ زراعت اور صنعت۔ ظاہر ہے کہ زراعت اس
وقت ادنیٰ درجہ کی مزدوری کی مرادف ہے۔ یہی حال صنعت و حرفت
کا ہے کہ اگر سرمایہ نہ ہو تو وہ کھٹیٹ مزدوری اور سرمایہ داروں کی غلامی
ہے جس میں ہر مقام کے مسلمان مبتلا ہیں۔ چنانچہ جودھ پور کی نسبت بھی
معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے ریل کے کارخانہ میں مسلمان کاریگروں اور مزدوروں
کی کثرت ہے۔ اسی طرح پارچہ بافی، رنگریزی، رنگسازی، آہنگری،
سنگ تراشی اور معماری وغیرہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے
جن میں وہ تمام دن سخت محنتیں کرتے ہیں۔ جو کچھ کماتے ہیں اس کا
ایک حصہ قرضہ اور سود میں مہاجن کو دیدیتے ہیں۔ باقی کھا چاٹ کر
ہمیشہ دوسروں کے دست نگر اور پریشان رہتے ہیں۔

بعض اصحاب کا خیال ہے کہ مسلمان اس لیے مفلس رہتے ہیں
کہ وہ محنت نہیں کرتے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جتنے مشقت اور عرق ریزی
کے کام ہیں وہ سب مسلمان کرتے ہیں۔ چنانچہ دستکاری کے جتنے پیشے
ہیں اور ہتھوڑا بجانے، اور پتھر توڑنے اور اسی قسم کے جتنے سخت کام ہیں
اُن میں مسلمانوں کا غالب حصہ ہے مگر باوجود ان روح فرسا کاموں کے

اختیار کرنے کے اگر وہ دس دن کو بیکار یا بیمار ہو جاتے ہیں تو قرض لینے یا بھیک مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بس جو لوگ ان مصائب سے تنگ آکر دل بہلانے کے لئے تیتر لڑاتے یا پتنگ بازی کرتے تاش و گنجفہ کھیلتے یا قمار بازی اور نشہ بازی کرتے ہیں یا بیٹھکوں میں خالی بیٹھے رہتے ہیں وہ در اصل اُن تھکے اور ماندہ لوگوں کی مانند ہوتے ہیں جو ہمت ہار چکے وہ صریحاً دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ اُن سے بدرجہا کم محنت کر کے آرام سے دکانوں اور کارخانوں میں بیٹھے اپنے روپیہ کے زور سے دوسروں سے مویشیوں کا سا کام لیتے ہیں۔ کام لینے والوں اور کام کرنے والوں دونوں کے ہاتھوں میں روپیہ آتا ہے۔ مگر کام کرنیوالے اُس کا مصرف بجز اس کے نہیں جانتے کہ اُسے کھا جاتے ہیں یا اُس سے اچھے کپڑے یا عورتوں کا زیور بنوا دیں، چاہے پھر زیور دوسرے ہی دن مہاجن کے ہاں کیوں نہ رہن رکھ آئیں۔ بہر حال دُنیا میں رہنے کے طریقوں سے وہ واقف نہیں اس لئے سدا برباد اور تباہ حال رہتے ہیں۔

ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہے دینداری اور فیاضی بھی ہے مگر اپنے جذبات پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے جو کچھ آتا ہے وہ فضول کاموں میں خرچ کر دیتے ہیں اس لئے خیرات کرنے اور قومی کاموں میں صرف کرنے کی ہوس اُن کے دلوں ہی میں رہتی ہے اور کبھی پوری نہیں ہو پاتی۔ دوسری قوم کے لوگوں کو جنھیں وہ خدا ترسی، مذہبی

حمیت اور فیاض دلی میں اپنے سے کمتر جانتے ہیں، صریحًا دیکھتے ہیں کہ وہ جگہ جگہ سائبان بناتے اور راہ گیروں کے لیئے پیاؤ لگاتے ہیں مویشیوں کے لیئے پانی پینے کا انتظام کرتے ہیں، گایوں بھینسوں چرند پرند کو اناج دانا گھاس ڈلواتے ہیں تالابوں کے گرد سرسبز درخت لگواتے ہیں اور یہ خود باوجود قوت ایمانی رکھنے کے اپنی مسجدوں، مدرسوں، اور یتیموں تک کو ٹھیک حالت میں نہیں رکھ سکتے جن پر اُن کی انفرادی اور قومی زندگی کا مدار ہی کوئی شخص یہ نہیں مان سکتا کہ مسلمان تنگ دل ہیں، خسیس ہیں اس لیئے وہ خیرات اور قومی بھلائی کے کاموں میں کم دیتے ہیں کیونکہ ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ جب کوئی مذہبی کام پیش آجاتا ہی تو جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہی وہ دے ڈالتے ہیں، عورتیں اپنے زیور اُتار کر دے دیتی ہیں اور اس کی نظیریں موجود ہیں کہ بعض مسلمان اپنے گھر سے نکل کر کھڑے ہوگئے اور چندہ مانگنے والوں سے کہدیا کہ جو کچھ گھر میں سامان ہی وہ سب لے جاکر مکان میں جھاڑو دیدیں۔ اب مسلمانوں کے سامنے سوال یہ ہی کہ خسیس اور بخیل اور تنگ دل اور دُنیادار اور دنیا پرست لوگوں کے قومی اور مذہبی کام کیوں روزافزوں رونق پر ہیں اور دریادل اور فیاض طبع دین دار اور خدا پرست مسلمانوں کے قومی اور مذہبی کام کیوں برباد ہیں؟ کیا اس وجہ سے کہ اُن کے پاس روپیہ ہی اور وہ دیتے نہیں یا سرے سے اُن کے پاس کچھ ہی نہیں۔ اس کے جواب میں میں صاف طور پر عرض کردوں گا کہ اب بہ حیثیت قوم کے مسلمان تہی دست ہیں؟

اُن کے قومی جسم کا خون مدتوں سے بہہ رہا ہے۔ نیا خون پیدا نہیں ہوتا اس لیئے وہ بے دم پڑا ہوا ہے۔ مشرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک ہندوستان کے مشرق اور جنوب سے نہیں بلکہ کرۂ ارض کے قطب شمالی سے لیکر قطب جنوبی تک اور امراء سے لیکر عوام تک اور سلطنتوں سے لیکر افراد تک کے اسلامی جسم کے اعضاء کمی خون کی وجہ سے سوکھتے چلے جاتے ہیں۔ اس مایوس کن حالت سے پریشان ہوکر کوئی تو اُن اعضا کی مالش کرتا ہے، کوئی انہیں سینکتا ہے کوئی انھیں بھاپ سے گرم کرکے اُن میں حرارت پیدا کرنا چاہتا ہے اور جب کچھ فائدہ نہیں ہوتا تو کہا جاتا ہے کہ جب کہ قومی جسم عمر طبعی کو پہونچ چکا تو ان تدابیر سے بوڑھے ہاتھ پاؤں میں کیسے جان پڑ سکتی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی یہ اُس کی نوعمری کا زمانہ ہے کیونکہ اس وقت دُنیا میں جتنے مسلمہ طور پر آسمانی اور قدیم مذاہب ہیں اُن سب میں اسلام نیا ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اُس کے ماننے والے جہاں کہیں بھی ہیں مضمحل ہیں اور جو تدبیر بھی اپنی بہبودی کی اختیار کرتے ہیں وہ راس نہیں آتی؟ اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قومی جسم سے ہر وقت خون جا رہا ہے اس لیئے بہترین غذائیں اور اعلیٰ ترین مقویات جو استعمال کی جاتی ہیں بیکار ثابت ہوتی ہیں اور اسی طرح بیکار ثابت ہوتی رہیں گی جب تک کہ قومی جسم سے بہتا ہوا خون بند نہ ہو۔ وہ خون کیا ہے؟ وہ خون وہ ہے جو سود کی شکل میں مسلمانوں کے جسموں سے بہتا رہتا ہے۔ اور جب تک کہ وہ جاری

رہے گا باوجود تمام تر ترقی کی کوششوں کے ان کی حالت روز بروز کمزور ہوتی چلی جائے گی۔

بعض ہمدردان قوم کا خیال ہے کہ اگر سود کے قانون میں مناسب ترمیمیں ہو جائیں تو مسلمان بربادی سے بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ سے کوشش ہو رہی ہے کہ دام دوپٹ کا قانون جو بعض صوبجات میں رہن۔ وؤں سے مخصوص ہے اُسے کل ملک کی جملہ اقوام کے لیے عام کر دیا جائے۔ دام دوپٹ سے یہ مراد ہے کہ دائن کو اصل رقم سے زیادہ سود نہ دلایا جائے۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ کے رائج ہونے سے مسلمانوں کو جو ایک ایک کے دس دس دینے پڑتے ہیں اس سے نجات مل جائیگی اور اُن کی حالت بہتر ہو جائے گی مگر غور طلب امر یہ ہے کہ جن مقامات میں اُن کے خلاف دوگنی رقم سے زیادہ ڈگری نہیں دی جاتی وہاں اُن کی حالت کیوں خراب ہے۔ مثلاً بعض ریاستوں میں جن میں سے ایک جودھپور ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کی عدالتیں اصل رقم سے ڈیوڑھے یا دوگنے سے زیادہ کی ڈگری نہیں دیتیں تاہم وہاں کے مسلمان غیر اقوام کے سرمایہ داروں کے دست نگر مفلس اور پریشان حال ہیں

مسلمانوں کا ایک یہ بھی خیال ہے کہ وہ بالعموم مسرف ہیں اس لیے مقروض رہتے ہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسراف کی علت بھی یہی ہے کہ وہ روپیہ کا مصرف اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ جب اُن کے ہاتھ میں روپیہ آئے اُسے خرچ کر ڈالیں۔ اس لیے جب

اُن کے پاس نہیں ہوتا تو وہ قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

پس مسلمانوں کے مرض کا حقیقی علاج یہی ہے کہ اُنھیں روپیہ کا بچانا اور بڑھانا سکھایا جائے مگر جب تک کہ روپیہ کا بڑھانا نہ سکھایا جائیگا اُنھیں بچانے کی ہرگز رغبت نہ ہوگی۔ اب بڑھانے کے متعلق سوچنا پڑے گا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ اُس کی صورت یہ ہے کہ پیسوں سے لیکر روپیوں تک جو کچھ بچے اُسے بلا انتظار اس کے کہ کوئی بڑی رقم جمع ہو کسی ڈاکخانہ یا بنک میں جمع کیا جائے۔ نفع آور کاموں میں لگایا جائے مسلمان دکانداروں، کاریگروں کو معین اور غیر معین منافع پر دے کر اُنھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلائی جائے منفرداً اور مشترکہ کاروبار اور روپیہ کے لین دین کی کوٹھیاں کھولی جائیں جو مناسب شرح منافعہ پر کاروبار کرنے والے مسلمانوں کو روپیہ دیں۔

بعض اصحاب ناواقفیت کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ آپس میں مسلمانوں میں معین منافعہ پر روپیہ کا لین دین جاری ہوگا تو اُن کے دل سخت ہوجائینگے وہ بے رحم ہوجائیں گے۔ اُن کے دلوں میں اپنے بھائیوں کا درد باقی نہ رہے گا۔ مگر مسلمان آنکھیں کھول کر دیکھیں تو اُنھیں معلوم ہوگا کہ دنیا کی ہوا بالکل بدل چکی اور بہت سی اخلاقی خوبیاں اُن قوموں میں منتقل ہوگئیں جو روپیہ کا کاروبار کرتی اور تجارتی سود کا لین دین کرتی ہیں۔ اور مسلمان جو اس سے بچتے ہیں اُن میں سے باہمی محبت و اخوت، ہمدردی اور دردمندی سب ہی گئی اُن کے قومی کاموں کی جو حالت ہے وہ اوپر مختصر طور پر عرض کی گئی اور انفرادی

حالت ہر شخص اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں میں دیکھ لے یتیموں اور بیواؤں اور اُن کے مال و جائداد کی حالت تقریباً ویسی ہی مخدوش ہی جیسی کہ اسلام سے قبل تھی کہ جو اُن کا ولی و سرپرست ہوتا تھا وہی یتیموں اور بیواؤں کا مال خرد برد کیا کرتا تھا۔ اب افلاس اور صرفِ قومی تہیدستی نے زن و شوہیں، باپ اور بیٹے میں، بھائی اور بہن میں بے اعتباری پیدا کر دی ہی۔ ایسی قوم سے جس کے افراد میں اس قدر نفسی نفسی کا عالم ہو یہ توقع کرنا کہ وہ مل کر اپنی قوم اور ملک کو بچا سکیں گے ایک خیال خام ہی اپس میں مختصر طور پر اپنے برادران قومی کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ وہ مندرجہ بالا کاروبار جاری کرنے کے علاوہ اپنے خانگی پروگرام میں سب سے اوّل حسب ذیل تدابیر کو جگہ دیں:۔

(۱) ہر شخص اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ پس انداز کر کے اُسے کسی ایسے معتبر بنک میں رکھے یا کام میں لگائے جہاں وہ بڑھتا رہے۔ اگر کسی شخص کو اس کا منافعہ اپنے صرف میں لانے میں تامل ہو تو وہاں سے لیکر کسی کار خیر میں لگا دے جس کی نسبت علمائے کرام میں اختلاف نہیں ہی۔

(۲) اپنے ہر بچہ کے لیئے گھر میں گولک بنا دے۔ بچہ جو پیسے تھیں ایں جمع کرے آس پر انعام دیا جائے۔

(۳) اپنی زندگی کا بیمہ اور اپنے بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائے۔

ان کاموں کی انجام دہی کے لیئے ایک انجمن انجمن فلاح المسلمین قایم کی جائے اور اس کا کام باقاعدہ شروع کیا جائے۔

مسلمانوں کی دوسری ضروری چیز تعلیم ہے جس کی اہمیت سے سب واقف ہیں بالعموم مسلمانوں کو جب تعلیم کی طرف توجہ ہوتی ہے تو وہ اپنے طور پر بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ اپنے مکتب، مدرسے اور اسکول کھولتے ہیں سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ درسگاہیں خراب حالت میں رہتی ہیں اور انجام کار ان میں پڑھنے والے بچے برباد ہوتے ہیں اس کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ جس قدر سرکاری اور دیگر اقوام کے مدرسے ہیں ان سے بلا تکلف مسلمانوں کو نفع اٹھانا چاہیئے اور اپنے بچوں کو ان میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں داخل کرا کر انھیں وہاں پڑھایا جائے اور جو بچے نادار ہیں ان کی فیس اور کتابوں کا انتظام اپنی انجمن سے کرکے انھیں دیا جائے۔ اس صورت سے تھوڑے صرف اور کم وقت میں زیادہ تعداد میں بچے پڑھ جائیں گے۔

اس زمانہ میں تعلیم کا ہر مقام پر اور ہر قوم میں چرچا ہے اس لئے ہندی اور ناگری صرافی اور اپنے دیس کی زبانوں کو لوگ تھوڑے وقت میں سیکھکر حساب کتاب لکھنے اور کتابیں پڑھنے لگتے ہیں۔ اور سال دو سال میں بازار میں بیٹھ کر تجارت کے کام میں ماہر ہو جاتے ہیں مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی علم اور کوئی زبان کیوں نہ ہو اس کے پڑھنے سے عقل میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے جس زبان اور جن حروف کا ان کے دیس میں رواج ہو وہ اپنے بچوں کو ضرور بالضرور پڑھوائیں تاکہ مقامی کاروبار اور ملازمتوں میں حصہ پانے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اس لیے میں مسلمانان جو چھوٹو

کی خدمت میں ملتجی ہوں کہ اگر ریاست کے دفتروں اور بازاروں میں ہندی حروف اور حساب و کتاب کا رواج ہی تو وہ ضرور بالضرور اپنے بچّوں کو ہندی زبان میں تعلیم دلائیں بعض اصحاب کو اندیشہ ہوتا ہی کہ ہندی یا انگریزی زبان پڑھنے سے مذہب میں کچھ خلل آجاتا ہی۔ یہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ جس زمانہ میں مسلمانوں کے تمام مذہبی علوم صرف عربی زبان میں تھے تب مسلمان فارسی پڑھنا ناجائز سمجھتے تھے۔ جب فارسی میں مذہبی علوم آگئے تو سمجھا جاتا تھا کہ مذہبی تعلیم کے لئے فارسی لازمی چیز ہی اب خدا کے فضل سے اُردو میں دینیات کی کتابیں بہ کثرت ہیں اور لاکھوں آدمی نہ عربی جانتے ہیں اور نہ فارسی۔ تاہم اُردو کتابوں کی وجہ سے مذہبی ارکان سے بخوبی واقف ہیں۔ اسی طرح کروڑوں مسلمان چین میں آباد ہیں جو عربی، فارسی اور اُردو میں سے کوئی زبان نہیں جانتے تاہم ہم سے کم پختہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ سُنا گیا ہی کہ وہ بوجہ اقتصادی حالت میں بہتر ہونے کے اسلام کی خوب اشاعت کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک زمانہ وہ تھا کہ انگریزی پڑھنے والا، لامذہب سمجھا جاتا تھا مگر اب بہت سے انگریز مسلمان ہیں اور انگریزی زبان میں مذہب اسلام کے متعلق بکثرت کتابیں اور رسالے اور اخبارات شایع کرتے ہیں۔ بس اسلام کی قوت اس میں نہیں ہی کہ اُسے کسی خاص زبان پر محدود کر دیا جائے بلکہ ضرورت ہی کہ ملک کی مختلف زبانوں کو اسلامی اور مذہبی معلومات سے مالا مال کر دیا جائے۔ جو اصحاب مذہب اسلام کو زندہ رکھ کر اُسے قومی بنانا

چاہتے ہیں وہ انھیں چاہیئے کہ جس زبان اور جن حروف کا اُن کے ہاں رواج ہو وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں اور اُس زبان اور حروف میں اپنی مذہبی اور دینی کتابوں کی بھرمار کر دیں۔

آخر میں مسلمانانِ جودھپور کی خدمت میں ملتجی ہوں کہ وہ مندرجۂ بالا معروضات کو پیشِ نظر رکھ کر خود اپنے لیئے ایک راہ عمل تجویز کریں کسی بیرونی شخص کو مقامی حالات کا صحیح اندازہ ہونا مشکل ہے قوم کے سربرآوردہ اصحاب جمع ہو کر اپنی قوم کی مالی اور تعلیمی حالت کا جائزہ لیں اور باہمی مشورہ سے جو کچھ طے ہو اُس پر مضبوطی سے قایم رہ کر کم از کم پانچ سال تک اُس کا تجربہ کریں۔ اگر مسلمانانِ جودھپور خدا کے فضل و کرم سے اپنی مقامی حالت درست کرنے میں کامیاب ہو گئیے تو وہ دوسری ریاستوں کے مسلمانوں کے لیئے ایک عمدہ نمونہ قایم کریں گے۔

جولائی ۱۹۲۵ء

---

(۱۲)

کیا طفیل احمد واقعی سحر نگار ہے؟

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو

مدت ہوئی ہے دعوتِ مژگاں کیئے ہوئے

"صدائے مسلم" کانپور کے اڈیٹر صاحب نے نہایت دلسوزی

سے میری اقتصادی تحریک کے خلاف ایک زبردست افتتاحیہ لکھا ہی جس سے ان کی مذہبی شگفتگی اور جوش اسلامی کا اندازہ ہوتا ہی۔ اس مضمون میں اڈیٹر صاحب نے نہایت مہربانی سے اس خاکسار کے متعلق یہ خیال ظاہر فرمایا ہی کہ وہ "سحر نگار" ہی۔ میں اس حسن ظن کا شکرگزار ہوں۔ کاش ایسا ہی ہوتا لیکن من آنم کہ من دانم۔

بلکہ میں بغیر کسی شرم و حجاب کے یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ بے شبہ میری یہ تمنا ہی کہ میں سحر نگار ہوتا۔ میری یہ آرزو ہی کہ جادو بیان ہوتا اور کچھ نہیں تو شاعر ہی ہوتا۔ کیوں؟ اس لیئے کہ میری آنکھیں جو الم ناک نظارے اور روح فرسا واقعات دیکھتی ہیں وہ دوسروں کو بھی دکھاتا، اور سناتا اور اس وقت قوم جس کرب و مصیبت میں مبتلا ہی اس کی سچی تصویر کھینچ کر قوم کو دکھاتا خود بھی روتا اور ان کو بھی رلاتا، اور نالہ و شیون کی ایسی صدائیں بلند ہوتیں جو قوم کو خواب غفلت سے بیدار کر دیتیں۔ اے کاش! خدا تعالیٰ نے یا تو قوم کی مصیبت کا احساس نہ دیا ہوتا اور اگر احساس دیا تھا تو بقدر احساس زبان و قلم میں بھی طاقت دی ہوتی تاکہ میں قوم کو بتاتا کہ وہ اس وقت کیسے خطرہ کی حالت میں ہی اور اس کا مستقبل کیسا تاریک و اندوہ ناک ہی، افسوس کہ ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہی لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دُنیا سے کیا کیا ہو جائیگی

غرض واقعہ یہ ہی کہ میں تو سحر نگار نہیں ہوں، لیکن میری غریب قوم، میری مصیبت زدہ قوم ضرور سحر زدہ ہی۔ کاش وہ اس جادو کے قلعہ سے نکلتی اور دیکھتی کہ اغیار کی چیرہ دستیوں نے اب اس کو کس حالت پر پہونچا دیا ہی اور اس پر ستم یہ ہی کہ اب بھی ان کو تھپکیاں دے دے کر سلایا جاتا ہی۔ افریقہ و ترکی کے مسلمانوں کی ترقی و عروج کی داستانیں ہندوستان میں افسانۂ بزم و انجمن ہیں اور بیچارے مسلمان اپنے دل کو اس طرح تسلی دے لیتے ہیں کہ خیر ہم نہ سہی، ہمارے دوسرے بھائی ہی ترقی کر رہے ہیں اور مصر و حجاز میں مسلمانانِ ہند کے جوش ملی اور "حب وطن قومی" کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں اور وہاں کے بہت سے خوش عقیدہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند عالم اسلامی کی رہبری کریں گے اور ان کو مصیبت سے نجات دلائیں گے۔ مگر حقیقت یہ ہی کہ

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

یہ سب کچھ درحقیقت اغیار کا پروپیگنڈا ہی اور سیمیاوی جلوے ہیں جو ہم کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کاش! مسلمان دیکھیں اور غور کریں سوچیں اور سمجھیں اور پھر اس جادو سے نکلنے کی کوشش کریں۔ لیکن اس کے لئے ضرورت ہی۔ عزم و حوصلہ کی ہمت و استقلال کی۔ اگر مسلمان ایک دفعہ یہ عزم کر لیں اور اپنے دل میں یہ ٹھان لیں کہ ہم اگر اس دنیا میں رہیں گے تو عزت و آبرو کے ساتھ رہیں گے تو یقین کیجیے کہ ایسا ہی

ہوگا! ہمارے اندر جو کچھ خرابی ہے وہ ہماری ہی بدولت ہے۔ اب اگر ہم خود ہی اصلاح پر متوجہ ہوں؛ تو ہم کو کون روک سکتا ہے۔ خدا انھیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں ؎

عام ہیں اُس کے تو الطاف شہیدی سب پہ
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

میں نہیں کہہ سکتا کہ قوم میں اپنی مالی اصلاح کا احساس کس حد تک پیدا ہوگیا ہے اور اس میں کتنے ایسے ہیں جو ہماری صدا سے متاثر ہوئے ہیں لیکن اگر قوم میں فی الحقیقت کوئی احساس پیدا ہوگیا ہے تو یہ ہماری سحر نگاری کا نتیجہ نہیں بلکہ واقعات کا اقتضا ہے واقعات و مصائب اس قدر دردناک ہیں کہ اب دامن صبر لوگوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے اور وہ بے چین ہیں کہ اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کریں۔ جن لوگوں کو قوم کی اس درماندگی اور اضطراب کا احساس ہے وہ نیک نیتی سے اپنی اپنی سمجھ کے موافق طرح طرح کی تدبیریں بتاتے ہیں اور قوم حالت از خود رفتگی سراسیمگی میں اُن تدابیر پر عمل کرنے کو جھک پڑتی ہے۔ لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ مایوسی اور ناکامیابی، ناکامی و نامرادی اس لیے قوم دل شکستہ ہو جاتی ہے اور جب امید کی کوئی روشنی اور کامیابی کی کوئی جھلک اس کو نظر نہیں آتی تو قدم ڈگمگا جاتے ہیں، استقلال رخصت ہو جاتا ہے اور وہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتی ہے

اور سمجھ لینی ہو کہ تقدیر برگشتہ ہی، اور زمانہ مخالف۔ اس لئے کوشش
بے سود، اور جد و جہد لاحاصل ہے

عسرت یہ اس مسافر بیکس کی رویئے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

میں نے جب ہوش سنبھالا اور آنکھیں کھولیں تو قوم کی بہ
عبرت انگیز حالت سامنے تھی کم و بیش ایک چوتھائی صدی سوچا اور
غور کیا کہ آخر اس مصیبت کا علاج کیا ہی؟ جو جو علاج بتائے جاتے تھے
سب کو دیکھا، جانچا، آزمایا، مگر نتیجہ ہیچ، آخر کار ایک مدّت کی تلاش
و جستجو کے بعد وہ گوہر گم گشتہ جس کی تلاش تھی ہاتھ آگیا تو میں نے چاہا کہ اس
کو قوم کے سامنے پیش کروں چنانچہ پانچ چھ سال سے بقدر اپنی طاقت و
استطاعت کے اس خدمت میں مصروف ہوں۔ ہماری سب سے بڑی تمنا
اور آرزو یہ ہی کہ افراد قوم فارغ البال ہوں، اُن کے چہرے شگفتہ، اُن کے
ارادے زبردست ہوں، ان کے حوصلے بلند ہوں اور زندگی کا صحت بخش
خون بجلی کی طرح ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہو، اور وہ مال و دولت اور
شان و شوکت میں دنیا کی دوسری ترقی یافتہ اور سربرآوردہ قوموں کے
دوش بدوش نظر آئیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری یہ صدا خواب غفلت
میں سونے والوں کو تلخ و ناگوار ہوگی اور اس کا بار بار اعادہ اور بھی زیادہ
صبر شکن، لیکن آخر چارہ کار کیا ہی؟ ایک خوفناک طوفان کے آثار ہر طرف

نمایاں ہیں۔ کالی کالی کوہ پیکر گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آ رہی ہیں۔ ایسی صریح خطرہ کی حالت میں خاموشی بظاہر مشکل ہے۔ اگر بعض محبان اور بزرگان قوم سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ چیخ پکار ہمارے لئے بے ہنگام ہے تو وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم تو ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

اب سوال یہ ہے کہ وہ خطرہ کیا ہے؟ اور وہ کونسی چیز ہے جس نے اسلام کے زبردست و طاقتور جسم کو نحیف و نزار کر دیا ہے، اور وہ کونسی خوفناک طاقت ہے جس نے شیروں کو لومڑی بنا دیا ہے؟ وہ سود کی خوفناک بلا ہے، وہ سود کا ہیبت ناک نشتر ہے جس کی نوک رگوں سے ٹکراتی ہے اور خون اس کا خیر مقدم کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ لیکن بہت سے بدنصیب ایسے ہیں جن کو اپنے طاقتور جسم کی وجہ سے اس نشتر کی خبر بھی نہیں ہوتی لیکن تاہم کی جب اذیت بڑھتی ہے تو مڑ مڑ کر نگاہ غلط انداز سے دیکھتے اور بے پروائی سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اپنی جسمانی قوت کے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ اور تازہ خون پیدا ہو جائے گا لیکن ان کی یہ امید کبھی پوری نہیں ہوتی بلکہ کمزوری و ناتوانی روز بروز بڑھتی جاتی ہے جو آخر کار ان کو از کار رفتہ کر دیتی ہے، اللہ اللہ! وہ مسلمان جو کبھی تیغ و تفنگ اور تیر و خنجر کے سامنے سینہ سپر ہو کر آتے تھے آج سود خواروں کے غلام ہیں

اور اپنی دولت و عزت، مذہب اور خاندان کی حرمت کو اس طرح برباد کر رہے ہیں اور اپنے بزرگوں کی جائدادوں کو خود اپنے ہاتھوں تباہ کر رہے ہیں،
آہ! کس کو خبر ہے کہ ہماری قوم کے کتنے افراد ایسے ہیں جو سود کے کشتۂ ستم ہیں اور جن کو اسی غم اور مصیبت نے لب گور تک پہونچا دیا۔ وہ اس تکلیف و ذلت کو برداشت نہ کر سکے اور گھل گھل کر فنا ہو گئے اور ان کی اولاد جس کو انھوں نے ناز و نعمت میں پالا تھا آج دُنیا کی کشمکش میں تنہا رہ گئی۔

اے سنسان قبرستانوں کی خاموش قبروں کاش خدا تمھیں لبِ گویا عطا کرتا اور تم ہمیں بتاتیں کہ تمھارے اندر کیسے کیسے جواہر گراں مایہ مخفی ہیں اور قوم کے کیسے کیسے تنومند نوجوان تمھارے اندر محو خواب ہیں جو شیروں سے بھی ہاتھ ملانے میں نہیں ڈرتے تھے لیکن سود کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنی عزت و دولت اور ننگ و ناموس کو برباد کر کے آبادی سے باہر ویرانہ میں آبسے تاکہ حشر تک آرام سے سوئیں۔

بہرحال مرنے والے تو مر گئے لیکن وہ اپنے ویران کھنڈروں، شکستہ در و دیوار، اور مصیبت زدہ کنبے کو چھوڑ گئے ہیں تاکہ زندہ اُن سے عبرت و بصیرت حاصل کریں، اور غور کریں کہ پہلے وہ کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ اور انھوں نے اپنی اولاد کو اس دُنیا کی کشمکش کے لئے کس حد تک تیار کیا ہے؟

اے دوستو! ذرا خدا کے لئے سوچو تو کہ زمانہ کا رُخ کس طرف ہے؟ اور تم کس طرف جا رہے ہو؟ کیا یہ مقام عبرت نہیں ہے کہ جس قوم نے کبھی قیصر و کسریٰ کے سامنے سر نہ جھکایا، آج وہ سرمایہ داروں اور سود خواروں کی اُنگلیوں پر

ناچتی ہے سرمایہ دار جونک کی طرح اُس کا خون چوس رہے ہیں اور وہ اُف نہیں کرتی، برائے خدا ذرا سوچو تو کہ یہ کیا حالت ہے اور کدھر جا رہے ہو اگر تم میں کچھ لوگ اتفاق سے دولتمند ہیں تو یہ نہ سمجھیں کہ یہ دولت اسی طرح ان کے خاندان میں رہے گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج جو تم میں غریب مفلس ہیں وہ سدا کے غریب نہیں کبھی اُن کے باپ دادا کے پاس بھی دولت تھی، جائداد تھی، وہ بھی عزت و آبرو رکھتے تھے لیکن آج محتاج ہیں جب تمہاری سلطنتیں مٹ گئیں تو یہ ذرا سی دولت کیا چیز ہے۔ شہنشاہ تغلق کی اولاد آج گھاس بیچتی اور تیموری شاہزادے بھیک مانگتے ہیں، جب حالت یہ ہے تو دوستو تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ تمہاری یہ دولت ہمیشہ باقی رہے گی۔ بالکل ممکن ہے کہ حوادث زمانہ اس کو تمہاری زندگی ہی میں برباد کر دے۔ کیا تم نے کسی کی دولت و جائداد کو کبھی تباہ ہوتے نہیں دیکھا، اگر دیکھا ہے تو پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ دوسروں کو پیش آیا وہ تم کو نہیں پیش آئے گا۔

بس اے دوستو مقتضائے عاقبت اندیشی یہ ہے کہ تم اس دنیا میں رہنے کے طریقے سیکھو اور اپنی اولاد کو دنیا کی کشمکش کے لئے تیار کرو، اور ان میں ایسی قابلیت پیدا کرو کہ وہ دولت کمانا اور اس کا بچانا سیکھیں اور دلیری کے ساتھ حوادث زمانہ کا مقابلہ کر سکیں، تم اپنی اولاد کو جفاکش، مضبوط، محنت پسند اور کفایت شعار بناؤ اور خود بھی ایسے ہی بنو، تم سود کے علاج بالمثل کے لئے تیار ہو جاؤ پھر دیکھو کہ دولت اپنا رُخ کس طرف پھیرتی ہے مگر جو کچھ کرنا ہے جلد کرو کیونکہ خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہے مہلت کا وقت

گزر چکا ہے اب انتظار کا زمانہ نہیں۔ پند و وعظ کا وقت گزر چکا اب اسپیچ و لکچر کا دور ختم ہوگیا نالہ و فریاد بے سود ثابت ہوئی اب کام کا اور صرف "کام کا وقت ہے۔ بقول شاعر؎

تا چند رہوگے مست و سرشار — اُٹھو کہ سحر ہوئی نمودار
سوچو تو ذرا کہ حال کیا ہے — کس خواب میں یہ خیال کیا ہے
غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے — لو اب تو اُٹھو سحر ہوئی ہے
کچھ تم کو خبر ہے یا نہیں ہے — کچھ دل پہ اثر ہے یا نہیں ہے
اغیار کی طنز کو بھی سن کر — لگتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
دیکھو تو ذرا یہ حالت زار — کیوں قید بلا میں ہو گرفتار
ہو کر دُرِ صف پسیں کیوں — اس بزم میں عار ہوگئے کیوں
کیوں تیرِ ستم کا ہو نشانہ — بگڑا ہے تمھیں سے کیوں زمانہ
کس نے تمھیں اوج سے اُتارا — اقبال نے کیوں کیا کنارا
کیوں بار ہو تم دلِ زمیں پر — کیوں برق بلا گری تمھیں پر
کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنس کر — کیا ہے کہ اُجڑ گئے ہو بس کر
افلاس میں تم جو ہو گرفتار — بیٹھے ہو جو نقش پا سے بیکار
شکوے جو ہیں بے زری کے تم کو — لالے ہیں جو نوکری کے تم کو
حرفت کو جو کر چکے ہو غارت — برباد جو ہو چکی تجارت
ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو — صنعت میں جو تم شکستہ پر ہو
افعال جو سخت مبتذل ہیں — تدبیر کے دست و پا جو شل ہیں

رونا ہی تمھیں اب آج جن کا — خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا
غفلت میں جو خوب سو چکے ہو — ہونا جو نہ تھا وہ ہو چکے ہو
دنیا کے نہ کام کے نہ دیں کے — افسوس رہے نہ تم کہیں کے
نکبت کی گھٹا ہی سر پہ چھائی — افلاس کی ہر طرف دہائی
اب عیش نصیب ہی نہ آرام — گھر گھر میں مچا ہوا ہی کہرام
برباد پڑے ہیں کارخانے — نکبت نے مٹا دیئے گھرانے
رونق کا اثر نہ عیش کی بو — اک خاک سی اڑ رہی ہی ہر سو
امید کے دن کی ہو چکی شام — خورشید پہ اب آ گیا لب بام

اب وقت اخیر ہی خبر لو
جو کچھ کرنا ہی اب بھی کر لو

اگست ۱۹۲۵ء

---

(۱۴)

دری بافوں کی خراب حالت

صیغہ صنعت و تجارت نے جس کا صدر مقام کانپور ہی ہر ضلع کے صنعتی مقاموں کی تحقیق و تفتیش بڑے اہتمام سے کرائی ہی اور ہر ضلع کی جداگانہ رپورٹیں مرتب کی ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں۔ ذیل میں ضلع آگرہ کے دری بافوں کی کیفیت درج کی جاتی ہی جو رپورٹ مذکور میں تحریر ہی۔

دری بافوں کو بمشکل ان کی روزانہ مزدوری ملتی ہی کیونکہ سارا نفع دکانداروں

کی جیب میں جاتا ہے۔ دری بافوں کو دری کے تاجر دو یا تین روپیہ سیکڑہ ماہوار سود پر پیشگی روپیہ دے دیتے ہیں۔ دری باف اس روپیہ سے سوت خریدتے ہیں پھر دن بھر دریاں بنتے ہیں اور شام کو کناری بازار میں دری کے تاجرون کے ہاتھ ان کو فروخت کر دیتے ہیں۔ بعض وقت سوت بھی اُدھار لیا جاتا ہے لیکن اس صورت میں دری بافوں کو دو چند نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اوّل تو اُن کو بھاری سود دینا پڑتا ہے دوسرے ان کو سوت بازار کے نرخ سے گراں ملتا ہے۔ دری کی خرید و فروخت کا اصولاً یہ قاعدہ تھا کہ دری باف اپنی تیار کی ہوئی دری دُکان دار کو دکھاتا تھا۔ اگر قیمت طے ہو جاتی تو اس کو فوراً دام مل جاتے تھے۔ دکاندار صرف ایک پیسہ فی روپیہ کٹوتی کاٹ لیتا تھا اگر اس دکاندار سے دام طے نہ ہوتے تو وہ اپنی دری دوسرے دُکانداروں کو دکھاتا اور بالآخر جس کسی سے دام طے ہو جاتے اُسی کے ہاتھ اپنی دری فروخت کر دیتا تھا۔

لیکن اب اس طریقہ میں بہت کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے اب دری باف کلیتاً اپنے قرض خواہ اور دُکاندار کے رحم پر رہتا ہے۔ وہ مجبور ہے کہ جس روز دری تیار کرے اُسی دن اُس کو فروخت کر دے خواہ اس کو مناسب قیمت ملے یا نہ ملے ورنہ دوسرے دن اُسے بھوکا مرنا پڑے گا۔ دری باف کو اکثر اپنے قرض خواہ یا اپنے دُکاندار کے ہاتھ ہی دری فروخت کرنی پڑتی ہے جو اپنی مرضی کے مطابق اس کی قیمت لگاتا ہے اگر قیمت کم ہوتی ہے اور دری باف اس کو قبول نہیں کرتا تو اس کو اپنی دری کسی دوسرے دُکاندار کے ہاتھ فروخت

کرنی پڑتی ہو لیکن قرض خواہ، دری باف سے کہتا ہو کہ میاں اوّل میرا روپیہ ادا کر دو اس کے بعد میں تم کو اپنی دُکان سے دری لے جانے کی اجازت دونگا اس لیئے دری کی مناسب قیمت دلگانا صرف دُکاندار کی نیک نیتی پر منحصر ہو جس کو دری باف بھی بخوشی منظور کرے۔ بعض دھرم کے کاموں کے لیئے کٹوتی تین پیسے فی روپیہ لگادی گئی ہو جو دری بافوں سے وصول کی جاتی ہو۔ دکانداروں کی ان نامناسب کاروائیوں سے عاجز آکر دری بافوں نے پنچایت کر کے ہڑتال کر دی اور فیصلہ کر لیا کہ ہم تین پیسے فی روپیہ کٹوتی ہرگز نہ دیں گے جو دُکانداروں کی بعض مذہبی سوسائٹیوں کے لیئے ہم سے وصول کیا جاتا ہو اور جن سے ہمارا کوئی مقصد اور کچھ تعلق نہیں ہو۔ ہڑتال پورے ایک مہینے تک رہی اس کے بعد باہمی تصفیہ ہو گیا جس میں شرح کٹوتی دو پیسہ فی روپیہ قرار دے دی گئی۔

دری بافوں کے لیئے دوسری مصیبت یہ ہو کہ دُکاندار دری ناپنے میں بے ایمانی کرتے ہیں۔ جب وہ دری ناپتے ہیں تو مربع فٹ کی کسرات کو حساب میں نہیں لگاتے۔ اس لیئے غریب دری بافوں کا افلاس روز بروز ترقی کرتا جاتا ہو اور اندیشہ ہو کہ عنقریب اس صنعت پر پورا زوال آجائے اس لیئے یہاں پر دری بافوں کو چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض دینے، ان کو سوت دینے اور اُن سے دریاں خریدنے کے واسطے ایک کوآپریٹو اسٹور قائم کرنے کی اشد ضرورت ہو۔ صرف اسی تدبیر سے غریب دری باف ظالم اور بیرحم سرمایہ داروں کے دست تظلم سے نجات پا سکتے ہیں؛

(۱۵)

مسلم بنک

مسلم بنک لاہور ۱۹۱۲ء میں قایم ہوا تھا۔ اخبار مسلم آوٹ لک نے اس کی کمی سرمایہ پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے اس کی حسب ذیل تفصیل دی ہی:-

۱۹۱۲ء میں ۱۰۵۷۰۰ روپیہ	۱۹۱۷ء میں ۱۰۰۰۰۰ روپیہ
۱۹۱۳ء میں ۱۲۸۵۰۰ روپیہ	۱۹۱۸ء میں ۱۳۰۰۰۰ روپیہ
۱۹۱۴ء میں ۹۱۰۰۰ روپیہ	۱۹۱۹ء میں ۱۸۵۰۰۰ روپیہ
۱۹۱۵ء میں ۶۶۰۰۰ روپیہ	۱۹۲۳ء میں ۶۳۸۰۰۰ روپیہ
۱۹۱۶ء میں ۸۱۰۰۰ روپیہ	

گویا بارہ سال میں مسلم بنک کا سرمایہ کل چھ لاکھ اڑتیس ہزار تک پہونچا ہی برخلاف اس کے سنٹرل بنک کا جو مسلم بنک کے ساتھ قایم ہوا تھا اس وقت سرمایہ بائیس کروڑ یعنی مسلم بنک سے ۳۴۵ گونہ ہی۔ مسلمانوں کا ہندوستان بھر میں صرف یہی ایک بنک ہی جس کی حیثیت اوسط درجہ کے ایک مہاجن کے کاروبار کے برابر ہی برخلاف اس کے پنجاب میں ہندوؤں کے متعدد بنک ہیں جن کا سرمایہ کروروں روپیہ ہی۔ اس زمانہ میں بنک مرادف ہی تجارت کا۔ جس قوم کا حصہ بنکوں میں نہیں وہ تجارت سے خارج ہی۔ اس لئے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ روپیہ اپنے یا دیگر اقوام کے

بینکوں میں لگانا چاہیئے۔ بے شک ابتداءً میں نقصانات کا اندیشہ ہے مگر اب تو سراسر ٹوٹا ہی ٹوٹا ہے بینکوں میں روپیہ لگا کر نقصان اُٹھانے کے بعد افراد قوم کو کچھ تو تجربہ ہو گا جس سے وہ آئندہ کے لئے ایسے طریقے سیکھیں گے جس سے روپیہ کا کاروبار اُن کے قبضے میں آئے۔ اگست ۱۹۲۵ء

---

(۱۶)

اسکولوں میں کفایت شعاری کی تعلیم

اسکولوں اور کالجوں میں جتنے لڑکے پڑھتے ہیں اُن میں زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جن کی تعلیم ناقص رہ جاتی ہے اور بہت کم اعلیٰ جماعتوں تک پہونچ کر کامیاب ہوتے ہیں اور کامیاب ہونے والوں میں زیادہ تر دفتروں میں کلرکیاں یا اس سے بڑھکر اوسط درجہ کی ملازمتیں پاتے ہیں اور بہت کم اعلیٰ درجہ کے عہدوں پر پہونچ سکتے ہیں پھر اعلیٰ عہدوں پر پہونچنے والوں میں سے بھی کم ایسے ہوتے ہیں جن کا خرچ اُن کی آمدنی کے اندر رہتا ہے اس لیئے بالعموم متردد و پریشان رہتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ علوم عامہ کی تعلیم سے یہ ضروری نہیں کہ انسان سکون قلب اور اطمینان خاطر کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ البتہ کفایت شعاری کی تعلیم ایسی چیز ہے جس کے حصول کے بعد انسان خواہ کیسی ہی ادنیٰ حالت میں کیوں نہ ہو حقیقی معنوں میں اطمینان کی زندگی بسر کر سکتا ہے شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب

مرحوم سے کسی نے پوچھا کہ حقیقی خوشی انسان کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے فرمایا اس طرح سے کہ انسان دس روپیہ کما کر اس میں سے آٹھ خرچ کرے اور دو بچائے اس کے مقابلہ میں ایک شخص دس ہزار روپے کمائے اور گیارہ ہزار خرچ کرے تو اس کے تردوات اور پریشانیوں کی کوئی حد و انتہا نہیں رہتی۔ واقعہ یہ ہے کہ بالخصوص مسلمانوں کی قوم اسی مرض میں مبتلا ہے کہ کمانے سے زیادہ خرچ کرتی ہے جس سے اس کے افراد روز بروز تنزل اور پستی کی طرف جا رہے ہیں اس لیئے ضرورت ہے کہ ابتدا سے بچوں کو اسکولوں میں کفایت شعاری کی تعلیم دی جائے جس سے وہ امتحانات میں اور امتحانات کے بعد اعلیٰ عہدے پانے اور اعلیٰ مراتب پر پہونچنے میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں تاہم جس حالت میں وہ ہوں فارغ البال اور خوش و خرم رہیں۔ آج کل غریب سے غریب شخص بھی اپنے بچوں کو پیسے دیتا ہے اور وہ ان کے سامنے مٹھائی اور چاٹ کی چیزیں کھا کر چٹورپن اور اسراف سیکھتے ہیں۔ ان مضر عادات سے انھیں بچانے کے لیئے اسکولوں کے منیجر اور ہیڈ ماسٹر صاحبان اپنے اپنے اسکولوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو کفایت شعاری پر ششماہی یا سالانہ انعامات دیا کریں۔ اس کے لیئے حسب ذیل قواعد یا اُن کے قریب قریب جو مناسب ہوں جاری کیئے جائیں۔

۱۔ اسکول کے کسی ماسٹر یا کلرک کے پاس ایک رجسٹر رہے جس میں ہر طالب علم کے نام سے حساب کھول دیا جائے۔

۲۔ جو لڑکا اپنے جیب خرچ میں سے بچا کر ایک پیسہ سے لیکر

روپیوں تک جو کچھ بھی دے اور جتنی بار دے وہ جمع کر لیا جائے اور ہر رقم کی رسید بچے کو دی جائے۔

۳۔ جب طلبا زیادہ جمع کرنے لگیں اور ہیڈ ماسٹر کو اس کا انتظام کرنے میں دقت ہو تو یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے کہ ہر روز دو کلاسوں کی باری مقرر کر دی جائے کہ صرف ان کے لڑکے اس دن روپیہ داخل کر سکیں۔ مگر جہاں تک ہو سکے اس قسم کی بندشیں نہ کی جائیں۔

۴۔ ڈاکخانہ کے سیونگ بنک میں ہیڈ ماسٹر اپنے عہدے کے اعتبار سے حسب قاعدہ ۴۴ (و) قواعد سیونگ بنک حساب کھول لیں اور طلبا جو کچھ جمع کریں وہ وقتاً فوقتاً ڈاکخانہ میں جمع کرتے رہیں اس میں یہ آسانی ہے کہ طلبا کا جدا جدا حساب صرف ہیڈ ماسٹر کے رجسٹر میں رہیگا اور ڈاکخانہ میں یکجائی رقم جس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے جمع ہو سکے گی

۵۔ ہیڈ ماسٹر یہ دیکھتے رہیں کہ جس لڑکے کا روپیہ اتنا ہو گیا ہو کہ کیش سرٹیفکٹ خریدا جا سکے تو فوراً اس لڑکے کے نام سے خرید کر اُسے دیدیں یا اپنے اسکول میں بحفاظت رکھیں اگر کسی لڑکے کو کوئی رقم یکمشت مل جائے تو اُس سے بھی کیش سرٹیفکیٹ فوراً خرید دیا جائے۔ واضح ہو کہ ساڑھے سات روپیہ میں جو سرٹیفکیٹ خریدا جاتا ہے اُس سے پانچ سال میں دس روپے ہو جاتے ہیں اور پندرہ روپے سے بیس روپے اور سینتیس روپیہ آٹھ آنہ سے پچاس اور پچھتر روپیہ سے ایک سو روپیہ ہو جاتے ہیں۔

۶۔ طلبا کو کفایت شعاری پر انعام دیتے وقت یہ دیکھنے کی ضرورت ہے

کہ کس لڑکے نے پابندی کے ساتھ معین اوقات پر پیسے، یا آنے یا روپے جمع کیئے مثلاً ایک لڑکا سال بھر تک ایک پیسہ فی ہفتہ جمع کرتا رہا تو بمقابلہ اس لڑکے کے جس نے صرف چار مرتبہ میں ایک سو روپیہ جمع کر دیئے پیسے جمع کرنے والے کو انعام ملے گا۔ البتہ اگر ایک امیر اور ایک غریب لڑکا باعتبار پابندی وقت کے اور رقم جمع شدہ کے مساوی ہوں تو غریب لڑکے کو اس لئے ترجیح دی جائے کہ اس کے لیئے پس انداز کرنا مشکل تھا۔

کیش سرٹیفکٹ کے لیئے اگر اُستاد بھی روپیہ جمع کرنے میں شریک ہو جائیں تو اچھا ہو کیوں کہ جب اُستاد کفایت شعاری کے فوائد سے واقف ہوں گے تو وہ طلبا کو بھی اس کی ترغیب دیں گے۔

دوسرا طریقہ بچوں میں کفایت شعاری پیدا کرنے کا یہ ہو کہ اسکول میں جو قلم دوات اور کاپیاں اور کتابیں اور دوسرا سامان فراہم ہو وہ سب بچوں کے مشترک سرمایہ سے ہو اور اس کا نفع طلبا میں تقسیم کیا جائے تاکہ طلبا کو کاروبار سے دلچسپی پیدا ہو۔

اُمید ہو کہ منتظمان مدارس اس طریقہ کا رواج جلد سے جلد اپنے طلبا میں جاری کریں گے۔

جن والدین کے بچے ایسے مدرسوں میں پڑھتے ہوں جن میں یہ طریقے جاری نہیں ہیں وہ خود اپنے بچوں کے لیئے گھروں میں گولکیں بنا دیں اور ڈاکخانہ میں اُن کے نام سے حساب کھلوا دیں اور اُنھیں کے ہاتھ سے داخل کرائیں اور کیش سرٹیفکٹ خریدوائیں اور اس کو تربیت کا ایک لازمی جزو قرار دیں گست ۱۹۳۵ء

(۱۷)

مسلمانوں کی بے نتیجہ محنت

(افسانہ)

آصف پور ایک پرانا اور اُجڑا ہوا قصبہ تھا۔ حسن اتفاق سے اُدھر سے ریل نکلی اور چند روز بعد وہاں سے دوسری شاخ نکلنے کی وجہ سے وہ جنکشن ہوگیا اس نواح میں روئی کی پیدا وار بہت تھی۔ بس پھر کیا تھا یکے بعد دیگرے روئی کے پیچ بننے شروع ہو گئے حتے کہ چند روز بعد سوت بنانے کی ایک مل بھی وہاں کھل گئی اب وہ روئی اور سوت اور غلہ کی ایک منڈی ہی بازاروں میں تمام مال بھرا پڑا ہی۔ بمبئی سے روزانہ تاروں کا ایک سلسلہ جاری ہی ایک طرف تو تجارت کی یہ چہل پہل ہی لیکن دوسری طرف اسی بستی کے ایک محلے میں شاندار مگر بوسیدہ عمارتیں کھڑی ہیں جن کی مرمت تو در کنار اچھی طرح جاروب کشی بھی نہیں ہو سکتی۔ ان کھنڈروں میں قاضیوں کا ایک پرانا خاندان صد ہا سال سے آباد ہی اور اس کے افراد اپنی بوسیدہ بیٹھکوں میں صبح سے آدھی رات گئے تک بیٹھ کر اور حقے پی پی کر اپنا وقت بیکار گزار دیتے ہیں جب خالی باتیں کرتے کرتے جی اُکتا جاتا ہی تو ایک شخص بوستان خیال یا طلسم ہوش ربا پڑھتا ہی باقی بیٹھے سُنا کرتے ہیں انھیں قاضیوں میں سے ایک صاحب فرحت علی نامی اٹاوہ کی کچہری میں مُدتوں

نوکر رہے ہیں اور اب پنشن لیکر اپنے وطن آصف پور چلے آئے ہیں۔ اٹاوہ مسلمان بچوّں کی تعلیم اور بڑی عمر کے بہی خواہان قوم تیار کرنے کی ایک تربیت گاہ رہا ہے۔ بعض پرانے شریف مگر برباد شدہ خاندانوں کے افراد اپنی قوم کی تباہی اور اپنے گھرانوں کی بربادی سے متاثر ہو کر قومی دردمندی کے مجسّمے بن گئے ہیں اور شب و روز مسلمانوں کو قعرِ ذلّت سے نکالنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ لباس و معاشرت میں یہ لوگ واقعی طور پر مفلس قوم کے نمائندے ہیں۔ ادنیٰ قسم کے لباس اور بلا کنگھے کی داڑھی سے اُن کی جوہر ظاہری اور قومی محویت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے البتہ ان کی خاندانی شرافت کی ایک علامت یہ باقی رہ گئی ہے کہ بے تکلّفی کے جلسوں میں جب ان میں سے کوئی فرد تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے صدر کو مائی لارڈ کے لقب سے خطاب کرتا ہے جس سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس جماعت کے افراد ایک برباد شدہ نوابی خاندان کے ممبر ہیں۔

آصف پور کے فرحت علی جب تک اٹاوہ میں رہے اس قومی جماعت کے جلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے اس لیے اپنے وطن میں جب پہونچے تو آباد منڈیوں اور برباد کھنڈروں کے متضاد مناظر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک روز قاضی محب الحق صاحب قاضی شہر کی بیٹھک میں بڑا مجمع تھا کہ قاضی فرحت علی اُدھر جا نکلے اور اتنے بہت سے لوگوں کو خالی دیکھ کر جو کچھ ان کے دل پر گزرا اُسے ضبط نہ کر سکے اور موقع پا کر اُنھوں نے تحریک کی کہ جلسہ کو باضابطہ کر دیا جائے۔ قاضی صاحب شہر کو

صدر قرار دے کر خاندان قضاۃ کی بربادی کے اسباب و علاجات کے متعلق تقریریں ہوں چنانچہ صدر کی منظوری کے بعد سب طرف سے تقاضا ہوا کہ سب سے اول فرحت علی صاحب تقریر کریں چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر ایک گھنٹہ کے قریب تقریر کی تھی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

مائی لارڈ اور شرفائے آصف پور! سب سے اول میں آپ صاحبوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اُن تکلیف دہ خیالات کے اظہار کا موقع دیا جو میں مدتوں سے اپنے زخم خوردہ دل میں لیئے بیٹھا ہوں آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ اس قدیم قصبہ پر کیسے کیسے دور گزرے ہیں۔ مسلمانوں کی سلطنت کے زمانہ کو جانے دیجیئے خود انگریزی عملداری میں ہمارے خاندان کے منصبوں اور صدر الصدوروں کا ایک سلسلہ رہا ہے مگر اب جو حالت ہماری ہو گئی ہے وہ ہماری اُداس صورتوں اور پژمردہ چہروں اور بوسیدہ مکانات کے شکستہ در و دیوار سے عیاں ہے۔ بظاہر تو ہم لوگ صبح سے شام تک خوش گپیوں اور ہنسی مذاق میں وقت گزار دیتے ہیں مگر اندر ہر وقت ایک قسم کا گھن لگا ہوا ہے جو ہمیں پنپنے نہیں دیتا۔ کیا یہ سب کچھ اس لیئے نہیں ہے کہ ہم اپنے حقیقی فرض سے غافل ہیں۔ اس قصبہ میں بہت دفعہ انجمنیں بنیں، اسکول قائم ہوئے مگر برساتی کیڑوں کی طرح اپنی چند روزہ زندگی پوری کر کے ختم ہو گئے، کاروبار جاری کرنے، تجارت اور صنعت کے انتظامات کرنے کے لیئے بارہا تجربے ہوئے مگر سب ناکام رہے۔ یہ سب کیوں؟ یہ اس لیئے کہ ہم کاہل ہیں۔ ہمت و جرات میں جسمانی

قوت ہیں خدا کے فضل سے ہم اب بھی دوسری قوموں سے گرے ہوئے نہیں ہیں مگر افسوس کہ استقلال کے ساتھ کسی کام کو انجام تک نہیں پہنچا سکتے اسی قصبہ کی منڈی میں چلے جایئے پندرہ پندرہ برس تک کے لڑکے سیکڑوں ہزاروں کا کاروبار کر رہے ہیں اور صبح سے شام تک روپیہ کمانے میں مصروف رہتے ہیں اور ہم ہیں کہ ہماری بڑی کمائی اب یہ رہ گئی ہے کہ دو چار مہاجنوں میں گشت لگانے کے بعد سو پچاس روپیہ دو روپیہ سیکڑہ سود پر لے آئے جس سے چند روز گزار دیئے اور بمصداق این ہم بر علم اپنے لکھے ہوئے تمسکات اور اُن کی ڈگریوں میں بقدر ایک کے اضافہ کر لیا مگر حضرات اب اپنے بچوں پر رحم کیجیے جنھیں دنیا کے جاری کی کشمکش کا مقابلہ کرنا ہے۔ انھیں زندگی کے لیئے تیار کیجیے۔ خدا کے لیئے اپنے خاندان اور اپنے بچوں کی بقا کے لیئے کاہلی چھوڑیئے اور کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو جایئے اور جس طرح دنیا کے دوسرے لوگ، خواندہ اور ناخواندہ عالم اور جاہل مختلف کاروبار میں داخل ہو کر کسب معاش کرتے ہیں آپ بھی وہی طریقے اختیار کر کے کامیابی حاصل کیجیئے"

فرحت علی صاحب کی پُراثر تقریر نے حاضرین میں ایک حرکت پیدا کر دی۔ نصف درجن اصحاب یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور پر جوش تقریریں کیں ایک نے بچّوں کے لیئے اسکول قایم کرنے کا مشورہ دیا تو دوسرے نے کپڑے کی کوٹھی کھولنے کی تجویز کی۔ تیسرے نے کہا کہ چار پانچ آدمی مل کر فرنیچر کی دوکان کریں تو چوتھے نے پیش کیا

کہ مٹھائی کی دوکانیں کھولی جائیں اور قریب تھا کہ ان تجاویز کے لیئے
کوئی اسکیم مرتب ہو کہ ایک کونے میں سے ایک کوزہ پشت اور کم حیثیت
شخص جو دوسرے درجہ کے شیخ زادوں میں سے تھے اور جنھیں اس جلیل القدر
مجمع میں بولنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا بالآخر ہمت کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے
اور قاضی صاحب صدر سے عاجزانہ الفاظ میں عرض کیا کہ میں تقریر
کرنے کی قابلیت تو رکھتا نہیں البتہ میں آپ صاحبوں کو کام کرنے
پر آمادہ دیکھ کر ابھی مکان سے ایک مضمون اُٹھا لایا ہوں جو حال میں ایک
اخبار میں شایع ہوا ہے۔ فرحت علی صاحب نے چونکہ اپنی پراثر تقریر میں
اس قصبہ والوں سے کاہلی اور غفلت کو منسوب کیا اس لیئے میرا ذہن
اس مضمون کی طرف منتقل ہوا جس کا عنوان 'کیا مسلمان فی الواقع کاہل ہیں'
چنانچہ صاحب صدر کی اجازت سے وہ مضمون پڑھا گیا جو حسب ذیل ہے۔

کیا مسلمان فی الواقع کاہل ہیں

مسلمانوں کی نسبت بعض اصحاب کا خیال ہے کہ وہ اس لیئے
مفلس ہیں کہ وہ کسب معاش میں کوشش نہیں کرتے اور محنت مشقت
سے جی چراتے ہیں اس لیئے ہمیں مختلف شعبہ جات زندگی پر نظر ڈالنی
ہوگی اسلامی سلطنت کے زمانہ سے مسلمانوں کے بالعموم چار پیشے تھے
(۱) زمینداری (۲) نوکری (۳) تجارت (۴) صنعت و حرفت اور
کاشتکاری۔

(۱) زمینداریوں کی نسبت متعدد مضامین میں دکھایا گیا ہے کہ وہ عرصہ دراز سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرضہ میں نکل رہی ہیں اور ان کے نکلنے کا سلسلہ جاری ہے۔

(۲) نوکریاں اس وقت سے ملنی کم ہو رہی ہیں جب سے کہ تعلیم عام ہو گئی جس سے سب قومیں تعلیم پاکر نوکریاں کرنے لگیں اور نوکری کے لیے علمی سند کی شرط ہو گئی۔ اور بوجہ افلاس کے مسلمانوں کا کثرت کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو گیا۔

(۳) تجارت مسلمانوں کے ایک محدود طبقہ میں تھی اور وہ اس وقت سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے جب سے کہ سود کا کاروبار تجارت کا جزو ہو گیا۔

(۴) صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی اب بھی کمی نہیں مگر جب سے سرمایہ داروں نے اس میں ہاتھ ڈالا ہے تجارت کا گودا ان کے ہاتھوں میں جاتا ہے اور چھلکا کاریگروں کے ہاتھوں میں رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کاشتکاری پر بھی سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔

مگر مسلمان باوجودیکہ ہر شعبہ زندگی سے خارج ہو رہے ہیں تاہم معاش کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے میں کسی سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہیں۔ اگر انھیں ڈپٹی کلکٹری نہیں ملتی تو وہ کلرکیوں کے لیے جا بجا دفاتر میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور ادنیٰ نوکریاں نہیں ملتیں تو ٹھیکہ داریوں میں تمام تمام دن کھڑے رہ کر مزدوروں سے کام لیتے ہیں۔ کارندہ گیری اور

منشی گری ہیں گاؤں اور کچہریوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور مدت العمر کماتے کماتے گھسے اور گھلے جاتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو پسماندگان کے لئے ایک دن کے سہارے کا سامان نہیں چھوڑتے مسلمانوں میں خاندان کے بزرگ کی مثال بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی آمدنی کی مقدار کے اعتبار سے ایک چغہ پہنے ہوئے ہے جس میں وہ وابستگان کو ڈھکے رہتا ہے۔ اگر آمدنی زیادہ ہے تو یہ چغہ خوب لمبا چوڑا ہے جس میں دور دور تک کے رشتہ دار سما جاتے ہیں، آمدنی مختصر ہے تو یہ چغہ مختصر ہے جس وقت یہ بزرگ خاندان دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اُس کے ساتھ اُس کا چغہ اُٹھتا ہے اسی وقت تمام خاندان ننگا نظر آنے لگتا ہے اور اس کے افراد ستر پوشی کے لیئے ادھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں جو بچے تعلیم پا رہے تھے اور اعلیٰ درجہ کے بورڈنگ ہوسوں میں رہتے تھے اُنھیں وظیفہ اور قرض حسنہ کی تلاش ہوتی ہے جو فارغ التعلیم ہو کر ڈپٹی کلکٹری کے متلاشی تھے وہ کلرکی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بیوہ عورتیں مجبور ہوتی ہیں کہ چند روز بعد ہی کسی جائداد کو مکفول کر کے اپنی زندگی کے دن پورے کریں کیا یہ صرف اس لیئے ہے کہ مسلمان محنت کرنے میں کوئی کسر اُٹھا رکھتا ہے نہیں بلکہ جو کچھ وہ جان مار کر کماتا ہے اُس میں سے بچانا اور اُسے بڑھانا نہیں جانتا اور نہ اپنی زندگی میں اپنے وابستگان کو اس کی تعلیم دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اُس کے مرنے پر پسماندگان ننگے کھڑے رہ جاتے ہیں اور دیگر اقوام کے لوگ اُسی آمدنی میں زمیندار ساہوکار اور تعلقدار بن جاتے ہیں۔ دوسری قوم کا آدمی ایک خوانچہ میں کچھ چیزیں لے کر اس سے اپنے بچوں کی پرورش کر کے کچھ پس انداز کرتا جاتا ہے اور ایک دن

بڑا مہاجن بن جاتا ہے مگر مسلمان اس سے دس گونہ آمدنی میں مدت العمر مقروض اور قلاش رہتا ہے اور مفلس مرتا ہے۔ بہر حال زندگی میں مسلمانوں کی کامیابی یا ناکامیابی امر دیگر ہے وہ کوشش اور محنت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا البتہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو بظاہر کچھ نہیں کرتے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جو ہر قسم کی کشمکش کے بعد ناکام ہو کر اور تھک تھکا کر بیٹھ رہے ہیں ایک صاحب ہیں کہ انھوں نے اپنی زمینداری میں خود کاشت کا بھی تجربہ کیا ہے۔ تجارت بھی کی ہے خاص بمبئی سے سامان لا کر دکان بھی کھولی ہے مگر روپیہ کی بازاری اور استعمالی قیمت اور تجارت کے جدید طریقوں سے ناواقفیت کی وجہ سے سب کچھ کھو چکے ہیں اور اب اُن کی بے اعتباری کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ انھیں دستاویز لکھنے پر بیس روپیہ قرض نہیں ملتے۔ حالانکہ جو مہاجن کبھی اُن کی رعایا میں سے تھا اب اس قدر دولت مند ہو گیا ہے کہ ضرورت کے وقت منڈی میں سے اپنے نوکر کو بھیجکر بلا رسید پرچہ کے دس دس ہزار روپیہ منگا لیتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے برباد شدہ مسلمان ہر طرف سے مجبور ہو کر حصول زر کے لیے کیمیا اور اکسیر کے نسخوں کی تلاش اور اُن کے تجربوں میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں یا دست غیب اور کشایش رزق کے لیئے وظیفے پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں یا ریاستوں سے وظیفے مقرر کرانے یا وہاں سے بلا سودی قرضہ ملنے کی کوششوں میں رہتے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ آپ کو مسلمانوں میں بیکار یا کاہل نظر آئیں تو اُن کی نسبت ہرگز یہ نہ سمجھیئے کہ ان کا دماغ کسب معاش یا حصول زر کی محبت سے

ایک منٹ کیلئے بھی خالی ہے جس کے آثار اُن کے متفکر اور متردد چہروں سے عیاں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب اُن کے ہاتھ کسی بیوہ یا یتیم کا روپیہ پڑ جاتا ہے تو باوجود قریب تر عزیز ہونے کے ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے وہ بلا ارادہ خرچ ہو جاتا ہے اور پھر اُسے وہ ادا نہیں کر سکتے ابتدا میں تو اُن کے دل کو اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس امانت کی ادائیگی کے لیے سخت بے چین رہتے ہیں مگر رفتہ رفتہ انھیں اس کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر جس صورت سے جہاں سے بن پڑتا ہے اپنا پیٹ پالتے اور تن بدن ڈھکتے ہیں۔ چنانچہ حال کی مردم شماری کی صوبہ متحدہ کی رپورٹ میں گداگروں۔ جادوگروں۔ آوارہ گردوں کسبیوں اور قیدیوں میں ہندوؤں کی تعداد دو لاکھ پانچ ہزار ہے۔ بہ نسبتی مردم شماری کے اعتبار سے اس مد میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کا چھٹا حصہ یعنی صرف ۳۴ ہزار ہونی چاہیئے تھی مگر وہ دراصل ایک لاکھ ۹۸ ہزار ہے جو تعداد میں ہندوؤں کے تقریباً مساوی ہے اس حساب سے مسلمان ناجائز پیشوں میں اپنی تعداد کے اعتبار سے ساڑھے پانچ گنے ہیں جو ہمارے نزدیک قابل رحم ہے نہ کہ قابل ملامت کیونکہ مسلمان نہیں جانتے کہ اس دُنیا میں زندگی کے دن کس طرح پورے کریں۔"

یہ مضمون سُن کر حاضرین میں کچھ دیر تک ایک سکتہ کا عالم طاری رہا۔ اس کے بعد ایک ٹھیکہ دار صاحب نے اپنی سرگزشت بیان کی اور کہا کہ میں نے محنت کرنے میں مزدوروں کو اور روپیہ پیدا کرنے میں بڑے بڑے مہاجنوں کو مات دی۔ مگر کمائی کا بڑا حصہ روپیہ والوں کی نظر ہوتا رہا جن سے میں قرض

لیتا تھا۔ اپنا ذاتی "روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم میں سے بڑے بڑے لوگوں کا وجود مثل ایک کانچ کے جسم کے ہوتا ہے کہ ذرا ہی ٹھیس لگنے، ذرا سے حادثہ سے چور چور ہو جاتا ہے۔ بہرحال محنت کرتے کرتے میں ختم ہو گیا۔ محض ایک انجینیر کی نارضی سے میرا کاروبار بگڑ گیا اور اب میں بقول مضمون نگار کے تھک "تھک کر" بیٹھ گیا ہوں۔ ٹھیکہ دار صاحب کے بعد یکے بعد دیگرے کئی اصحاب کھڑے ہوئے کسی نے اپنی خود کاشت میں ناکامی کے حالات سنائے۔ کسی نے تجارت اور دوکانداری کے، بالآخر قاضی مختار احمد مرحوم جو اسلامیہ اسکول کے سکریٹری رہ چکے تھے رسالہ سود مند ہاتھ میں لیئے کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اس کا آخری صفحہ کھول کر پڑھا اور کہا کہ اب زیادہ گریہ و بکا کی ضرورت نہیں۔ اب کام کرنے کا وقت ہے میں تحریک کرتا ہوں کہ یہاں بھی فلاح المسلمین کے نام سے ایک انجمن قایم کی جائے اور اس کے ذریعہ سے بچوں سے لیکر بوڑھوں تک سب کو کفایت شعاری کی تعلیم دی جائے پھر قاضی مختار احمد صاحب نے سود مند میں سے قواعد فلاح المسلمین پڑھکر سنائے۔ مقامی حالات کے مطابق کسی قدر ترمیم و اضافہ کے بعد سب نے انھیں منظور کیا۔ اور قرار پایا کہ روئداد کی ایک نقل دفتر سود مند کو بھی بھیجی جائے

قرارداد میں سے چند اہم امور یہ ہیں۔

(۱) سب سے اوّل ایک انجمن امداد باہمی قایم کی جائے۔ اہل خاندان میں سے جس کو روپیہ کی ضرورت ہو اسی انجمن سے بازار سے کم شرح پر قرض لے تاکہ جو کچھ سود دیا جائے اس کا منافعہ لوٹ کر قرضداروں کو حصہ داری

ہو گا حسب رسد ملے یہ انجمن زیور رکھ کر قرضہ دینے کو ترجیح دے گی۔

(۲) اہلِ خاندان کی ضروریات کے لئے مشترک سرمایہ سے ایک دکان کھولی جائے جس کی باقاعدہ رجسٹری کرائی جائے۔

(۳) اُن کاریگروں اور دوکانداروں کو خواہ اس انجمن کی طرف سے یا انفرادی طور پر حسب رواج قصبہ قسطوں پر روپیہ دیا جائے۔ مثلاً دس روپیہ دے کر سال بھر میں اُن سے بارہ روپیہ وصول کیئے جائیں اور اس طریقہ سے انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔

ان قراردادوں کے بعد صاحب صدر کا شکریہ ادا کیا گیا اور جلسہ برخاست ہوا

اگست ۱۹۲۵ء

---

(۱۸)

ترک دنیا

اس زمانہ میں بھی بعض نیک دل اصحاب نہایت نیک نیتی سے مسلمانوں کو ترک دُنیا کی نصیحت کرتے ہیں اور مال و دولت کی مذمت کرتے ہیں اس ارشاد کے متعلق یہ عرض ہے کہ اب ترک دنیا کے بارہ میں وعظ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اگرچہ مسلمانوں نے تو دُنیا کو نہیں چھوڑا لیکن خود دُنیا نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا، اور مقصد حاصل ہو گیا۔ یعنی مسلمان اس قدر نادار و مفلس ہو گئے کہ اب ان میں لاکھوں ایسے ہیں جن کو دو وقت کھانا بھی میسر نہیں

لاکھوں ایسے ہیں جو علم و ہنر سے محروم ہیں اس لیئے بیکار بیٹھے ہوئے اپنے دوسرے بھائیوں کی کمائی کھاتے ہیں یا فاقہ کشی کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو آخر کار مجبور ہو کر کسب معاش کے ناجائز وسائل اختیار کر کے اسلام کو بدنام کرتے اور جیل جاتے ہیں۔

جائدادیں اور زمینداریاں دردسر تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو خواہ مخواہ دنیوی جھگڑوں اور روپیہ کے معاملات میں مبتلا ہونا پڑتا تھا۔ غنیمت ہے کہ یہ جائدادیں اب اُن کے قبضہ سے نکل نکل کر دنیا دار قوموں کے پاس بڑی تیزی سے جا رہی ہیں اور مسلمان آزاد و فارغ البال ہوتے جاتے ہیں، دکانداری و تجارت کے جھگڑوں سے وہ پہلے ہی آزاد تھے یہ بنیوں کا کام ہے بھلا ایسی بھی دنیا کی ہوس کیا کہ آدمی دن بھر بازار میں بیٹھا گاہکوں کی چاپلوسی کیا کرے، یا تجارتی کاروبار کے دوسرے مشقت طلب شعبوں میں اپنے آپ کو خراب و خستہ کرے۔

البتہ ابھی دنیا کی صرف اتنی طلب مسلمانوں میں باقی ہے کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے حاصل کرنے کے لیئے جد و جہد کرتے ہیں اور اُن میں سے کم و بیش دس فیصدی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن حریفوں کو یہ بھی گوارا نہیں، چنانچہ گزشتہ دو تین سال کی مدت میں ترک موالات کے سلسلہ میں کوشش بھی کی گئی کہ مسلمان سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں تاکہ لے دے کر کسب معاش کا جو ایک ذرا سا سہارا باقی رہ گیا ہے وہ بھی نہ رہے چنانچہ اللہ کے بندے ایسے بھی تھے جنھوں نے ایسا بھی کیا اور اس ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ بھگتا۔

(۱۹)

مسلمان اور مصارف خیر

آج کل ہمارے علمائے کرام اور دوسرے قومی کام کرنے والوں کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان مذہبی و قومی کاموں پر توجہ نہیں کرتے، توجہ نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ چندہ نہیں دیتے اس وجہ سے ان کی تمام مذہبی و قومی تحریکیں نیم مردہ حالت میں ہیں کیونکہ اس زمانہ میں کوئی تحریک بغیر روپیہ کے سرسبز نہیں ہو سکتی اور روپیہ ملتا نہیں ہے لہٰذا کام چلے تو کیونکر۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں میں ایثار، فیاضی اور قومی و مذہبی احساس نہیں ہے۔ اس بنا پر بعض بزرگ مذہبی رنگ میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کی فیاضی و ایثار کے قصے سناتے اور دنیوی لیڈر یورپ کی قومی تحریکوں کی ولولہ انگیز داستانیں بیان کرتے ہیں اور اب چونکہ برادران وطن میں بھی فیاضی کی مثالیں کچھ مدت سے روز افزوں ہیں۔ لہٰذا یہ واقعات بھی مؤثر طریقہ سے سنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبہ فیاضی میں جنبش پیدا ہو اور وہ مذہبی و قومی کاموں کے لیے کچھ دیں تاکہ یہ نیم مردہ تحریکیں سرسبز ہوں، اور قدیم طرز کی درسگاہیں پُر رونق اور آباد ہو جائیں گویا قوم میں از سر نو ایک حیات تازہ پیدا ہو۔

لیکن ہم باادب گزارش کریں گے کہ مسلمانوں کے متعلق یہ بدگمانی صحیح نہیں، مسلمان بہ لحاظ سیر چشمی، فیاضی اور جوش مذہبی کے کسی قوم سے

کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں لیکن ان کے پاس روپیہ ہی کہاں جو دیں! جامہ ندارم دامن از کجا آرم مسلمانوں کا افلاس اب ایک مسلمہ امر ہی جس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں یہ توقع کرنا کہ وہ دولت مند قوموں کی طرح روپیہ کا دریا بہا دیں گے کس قدر مضحکہ انگیز ہی۔

ایک طرف ترکِ دنیا کا وعظ اور مال و دولت کی مذمّت، دوسری طرف فیاضی کی ترغیب اور چندہ نہ دینے کی شکایت یہ عجب ستم ظریفی ہی۔ بے شبہ نہیں جدید مسجدوں کی تعمیر اور کسی جگہ شکستہ مسجدوں کی مرمت کی ضرورت ہی۔ لیکن یہ کام روپیہ پر موقوف ہیں سلسلۂ قومی و مذہبی مدارس جو جدید و قدیم تعلیم کے لیئے قایم ہیں اعانت کے محتاج ہیں لیکن مسلمانوں کے پاس اس قدر سرمایہ کہاں جو ان مدارس کو اعلیٰ پیمانہ پر چلا سکیں۔ فتنۂ ارتداد کا انسداد یقیناً ضروری ہی لیکن یہاں بھی روپیہ کا کھیل ہی اپنی ملکی زبان (اُردو) کو ترقی دینے اور تمام ملک میں پھیلانے کی سخت ضرورت ہی لیکن یہ بھی بغیر روپیہ کے ممکن نہیں ملکی سیاسیات میں حصّہ لینا بھی ناگزیر ہی لیکن اس کے لیئے تو اور بھی زیادہ روپیہ درکار ہی کم استطاعت مسلمانوں کے بچّوں کو تعلیم دے کر ان کو دنیا کے کاروبار کے لائق بنانا کس قدر ضروری ہی لیکن ان کی تعلیم کے لیئے وظائف کہاں سے آئیں غرض ہر کام کے لیئے روپیہ کی ضرورت ہی۔ روپیہ مسلمانوں کے پاس ہی نہیں یہی سبب ہی کہ اگرچہ مسلمان تمام امور خیر میں اپنی ہمت سے زیادہ صرف کرتے ہیں لیکن پھر بھی دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دولت کے لحاظ سے ان کو دوسری

قوموں سے کوئی نسبت نہیں۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام قومی و مذہبی کام سر سبز ہوں تو ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو افلاس سے نکالنے کی کوشش کریں اور ان کو ایسی تدبیریں بتائیں کہ وہ حصول دولت کے جدید وسائل سے متمتع ہو سکیں۔ جب مسلمان دولت مند ہو جائیں گے تو اُن کا کوئی مذہبی اور قومی کام ابتر حالت میں نہ رہے گا۔ بلکہ تمام قوم میں ایک حیات تازہ پیدا ہو جائے گی۔ اگست ۲۵ ۱۹ء

---

(۲۰)

آل انڈیا پنجابی سوداگران کی کانفرنس سے ایک سبق

چودھری اشتیاق احمد صاحب سکریٹری انجمن اسلامیہ و گورنر یتیم خانہ بریلی نہایت جوش کے ساتھ مختلف شکلوں میں قومی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں وہ بریلی میں پنجابی سوداگران کے چودھری ہیں زمانہ سابق میں پنجابی سوداگران کی ہر مقام پر پنچائتیں قایم تھیں مگر جب سے وہ ٹوٹنے لگی ہیں چودھری صاحب اس امر میں کوشاں ہیں کہ ہر مقام میں پنچایتوں کی اصلاحی کمیٹیاں قایم ہو جائیں اور ایک صدر کمیٹی کسی بڑے مقام میں قایم ہو اس غرض کے لیئے چودھری اشتیاق احمد صاحب نے

بریلی، پیلی بھیت، رام پور، نگینہ، میرٹھ اور مراد آباد کے کارکنان کی ایک جماعت نے کر ۲۴ر جولائی ۱۹۲۵ء کو دہلی میں ایک عام جلسہ بصدارت حاجی محمد اسحاق صاحب بڑے اہتمام سے منعقد کیا گیا۔ جس میں یہ قرار قرار پایا کہ پنجابیوں کی اصلاح کے واسطے ایک آل انڈیا پنجابی کمیٹی قایم کی جائے جس کے مقاصد حسب ذیل ہوں

(۱) برادری میں اتفاق و اتحاد قایم رکھنا۔

(۲) قوم کو تعلیم، صنعت و حرفت اور کاروباری زندگی کی طرف متوجہ کرنا۔

(۳) قومی اور تجارتی حقوق کی حفاظت کرنا۔

(۴) احکام اسلام کی پابندی کے متعلق قوم کو متوجہ کرنا۔

(۵) برادران قوم کو اپنی ہی برادری میں نکاح کرنے کی ترغیب دینا۔

(۶) آپس کے نزاعات اپنی ہی پنچایت میں طے کرنا۔

(۷) اصلاح معاشرت اور رسم میں فضول خرچیوں کو روکنے کی کوشش کرنا۔

اس کمیٹی کا صدر مقام دہلی قرار پایا اور یہ طے ہوا کہ ایک وفد بغرض حصول و اشاعت مقاصد مختلف مقامات میں دورہ کرے اور کمیٹیاں قایم کرے ممبری کمیٹی کا چندہ ایک روپیہ سالانہ ہو اور اوائل مارچ ۱۹۲۶ء میں کانفرنس کا ایک بڑا جلسہ ہو ان کاموں کی انجام دہی کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی جس کے صدر حافظ محمد صدیق صاحب ملتان والے سکریٹری شیخ رشید احمد صاحب

اور خزانچی شیخ عطاء الرحمٰن صاحب قرار پائے۔

اس مفید کانفرنس کے قایم ہونے پر ہم بالخصوص اپنے مخدوم چودھری اشتیاق احمد صاحب بریلوی کو اور بالعموم پنجابی سوداگران کو مبارکباد دیتے ہیں اور ان کی کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں مگر اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی کاروباری جماعت صدیوں سے کامیابی کے ساتھ تجارت کر رہی تھی اب وہ کون سے اسباب ہیں جن سے وہ کاروباری اور تجارتی میدان سے پسپا ہو رہی ہی۔ زمینداری پیشہ مسلمانوں کی جائدادیں جب قرضہ میں نکل جاتی ہیں، ملازمت پیشہ مسلمانوں کو جب نوکریاں نہیں ملتیں تب وہ تجارت اور صنعت کی طرف توجہ کرتے ہیں اور تاجروں کی دستگیری کے طلبگار ہوتے ہیں مگر تاجروں پر افسوس کہ او خویشتن گم است کی مثل صادق آرہی ہی۔ حالات زمانہ اس قدر بدل گئے ہیں کہ مسلمان تاجر نہیں جانتے کہ اپنی حالت کس طرح قایم رکھیں اور سرمایہ داری کے سیلاب کا کس طرح مقابلہ کریں۔

اسی سیلاب سے پریشان ہو کر ہمارے تاجر برادران نے کانفرنس قایم کی ہی مگر جو مقاصد ان اصحاب نے دہلی کے جلسہ میں قرار دیئے ہیں وہ تو مسلمان قریباً اپنے ہر جلسہ میں قرار دیا کرتے ہیں تاہم روز بروز گرتے ہی چلے جاتے ہیں مسلمان دیگر اقوام کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جمع ہو کر باہمی اتفاق قایم کرنا چاہتے ہیں مگر اور زیادہ نفاق بڑھتا ہی۔ صنعت و حرفت کی طرف قوم کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں مگر واقعہ یہ ہی کہ مسلمان اس

صیغہ میں اپنی نسبتی تعداد سے پہلے ہی بدرجہا زیادہ تھا لیکن سب پریشان حال اور دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہیں چھوٹے بڑے دکانداروں کی مسلمانوں میں کمی نہیں مگر اس زمانہ میں تجارت کا طریقہ بدل جانے سے انھیں قدم قدم پر تجارتی سود دینا پڑتا ہے اور لے نہیں سکتے اور اپنے کاروبار چلانے کے لیے دوسروں کا سرمایہ استعمال کرنے کی وجہ سے ہر دم اُن کے دست نگر رہتے ہیں پس جب تک مسلمان اپنے مرض کا صحیح علاج نہ کریں بڑے بڑے جلسے منعقد کرنا، تجاویز پاس کرنا، دورے کرنا، سب کمیٹیاں قائم کرنا سب بیکار ہیں۔

مسلمانوں کو اگر زندہ رہنا ہے تو
اُنھیں اپنا موجودہ سبق بھلانا
اور اُس کی جگہ نیا سبق یاد کرنا پڑے گا

اور وہ یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار شروع کیا جائے اور مسلمانوں میں تجارتی سود کا عام طور پر رواج دیا جائے مہاجنی کی کوٹھیاں، صرافہ اور ہنڈی کی دکانیں قائم کی جائیں۔ بینک کھولے جائیں جن کی وساطت سے غیر ممالک سے مال منگایا جائے۔ انھیں ذرائع سے گئی ہوئی تجارت اپنے ہاتھوں میں آئے گی، اور تب ہی برادری میں اتفاق و اتحاد قائم ہو سکے گا، قوم میں تعلیم اور صنعت و حرفت کی ترویج کے وسائل حاصل ہوں گے؛ احکام اسلام کی پابندی کی طرف طبیعت متوجہ ہوگی اور افراد قوم میں حقیقی کفایت شعاری، ایثار، اور دوسری اخلاقی خوبیاں

پیدا ہوں گی، ہمیں اُمید ہی کہ معزز کارکنان کانفرنس ان طریقوں سے اپنی کارآمد جماعت کو مفید بناکر دوسرے مسلمانوں کی رہنمائی کریں گے۔

ستمبر ۲۵ ۱۹ء

---

(۳۱)

مسلمان آپس میں کیوں لڑتے ہیں

خاص لکچر

وہ لکچر ہی جو ایڈیٹر سود مند نے مسلم کلب لکھنؤ کے بہ اہتمام ۲۵ ستمبر ۱۹۲۵ء کو مسلمانوں کے ایک جلسہ عام میں دیا تھا

مسلمانوں کا طغرائے امتیاز | مسلمانوں کا طغرائے امتیاز انما المؤمنون اخوۃ ہی وہ عرب ہوں یا ترک، چینی ہوں یا مصری، ہندی ہوں یا تاتاری، غرض کہ ایک دوسرے سے خواہ کیسے ہی اجنبی کیوں نہ ہوں وہ اس سے مستغنی ہیں کہ کہیں یکجا ہوں تو اس امر کی ضرورت ہو کہ کوئی تیسرا آدمی ایک دوسرے کی تقریب کرکے اُنھیں ملائے۔ وہ السلام علیکم کہکر ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔ کھانے کا وقت ہو تو دونوں ساتھ بیٹھ کر بے تکلف مثل حقیقی بھائیوں کے ایک برتن میں کھانا کھالیتے ہیں۔ نماز کا وقت ہو تو باوجود مختلف العقائد ہونے کے ایک جا نماز پر نماز پڑھ لیتے ہیں

دنیا کے لوگ مسلمانوں کے اس بھائی چارہ پر رشک کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے مذہب کی برابر کسی میں میل جول اور اتحاد و اتفاق کی قابلیت نہیں ہی۔

زندگی کے لیئے جنگ مگر افسوس کہ یہ اتحاد و اتفاق محض میل جول تک محدود ہی اور یہی مسلمان جب معاملات اور میدان عمل میں آتے ہیں تو اُن کی برابر کوئی قوم آپس میں لڑنے والی نہیں ہوتی۔

یوں تو لڑائی حیات کی ایک علامت ہی وَفِی العتاب حیوٰۃ لے یعنی لڑائی زندگی ہی چوپایوں میں بکری اور پرندوں میں فاختہ سے زیادہ بھولا جانور نہیں مگر ریوڑ میں دیکھا ہوگا کہ دو بکریاں کھڑی ہو ہو کر اور پیچھے ہٹ ہٹ کر کس طرح ایک دوسرے کے ٹکریں مارتی ہیں حتّٰی کہ بعضوں کے سینگ اُٹھتے لڑتے ٹوٹ جاتے ہیں اور دو معصوم فاختائیں لڑتے لڑتے ایسی مدہوش ہو جاتی ہیں کہ اس حالت میں اُن کے پاس پہونچکر پکڑ بھی لو تو اُنھیں پتہ نہیں چلتا مگر وہی کمزور جانور جب اُن کی نوع پر کسی کا حملہ ہوتا ہی تو منفرداً اور مشترکاً اپنے سے دس گنے تک کا مقابلہ کرنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ گاہیں خطرہ کے وقت مل کر شیر کا مقابلہ اپنے کمزور سینگوں سے کر بیٹھتی ہیں۔

اتفاق کی کوشش نفاق بڑھاتی ہی مگر حیرت یہ ہی کہ وہ مسلمان جو سوشل کاموں میں سب قوموں سے زیادہ متمدن نظر آتے ہیں اپنی نوع اور اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کی حفاظت کے لیئے متحد نہیں ہو سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو غیر قوموں کی دست برد سے بچانے اُنھیں دینی اور دنیوی تعلیم دلانے کے لیے انجمنیں بناتے ہیں کمیٹیاں قایم کرتے ہیں. مگر باوجود اس کشمکش کے بالعموم افراد میں اور انکی انجمنوں میں مسابقت سے گزر کر مخالفت ہوجاتی ہے۔ جب مخالفت سے صریحاً قومی نقصان محسوس ہوتا ہے اور اس امر کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں ایک متحدہ قوت قایم کی جائے اور اس کے لیے جب کوئی مرکزی تبلیغی جماعت یا آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس منعقد کی جاتی ہے تو وہ اور باہمی رنجش کی موجب ثابت ہوتی ہے اور باہمی تنازعات سے اور زیادہ قومی نقصان ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جو قومیں ایک دوسرے کے ساتھ نہ کھا سکتی ہیں حتیٰ کہ ایک دوسرے کے سایہ سے بھاگتی ہیں اُن کی حالت کو اخبار صدائے مسلم کانپور کے اڈیٹوریل میں سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی تنظیم

"کانگریس اُن کی پارلیمنٹ ہے، ہندو مہا سبھا، برہمو سماج، آریہ سماج، سناتن دھرم سبھا، مارواڑی کانفرنس، گائے کانفرنس، نان برہمن کانفرنس، ویش کانفرنس، کایستھ کانفرنس اور اب تو اچھوت کانفرنس، سوشل کانفرنس، مزدور کانفرنس، تجارتی ایسوسی ایشن، سائنس کانفرنس، چمار کانفرنس، اور مہتر کانفرنس غرض کہ ہر فرقہ کی کانفرنسیں اور ہر جاتی سبھائیں موجود ہیں۔ اور اگر کلبوں اور ایسوسی ایشنوں کا شمار کرنے بیٹھ جائیں تو ایک اچھی خاصی ڈائرکٹری تیار ہوجائے ہر شہر اور ہر قصبہ میں متعدد نظام موجود ہیں۔۔

ان کے یہاں دان بر محل صرف ہوتے ہیں۔ گئو رکھشا کے نام سے لاکھوں روپیہ فراہم ہوتا ہے۔ بنک سسٹم اُن کے ہاں عام ہے۔ کسی کام کے لیے روپیہ فراہم کیا گیا اور بنک میں جمع کر دیا گیا۔ اس کے سود کی آمدنی سے کام چلایا گیا۔ اس طرح اس کام کے لئے مستقل آمدنی کی صورت نکل آئی۔ اب بار بار قوم کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ برادران ہنود میں ایک اور خوبی ہے وہ یہ کہ ہر شخص اپنے رجحان طبع کے موافق ایک میدان عمل مقرر کر لیتا ہے اور عمر بھر اس کی تکمیل کو مقدم رکھتا ہے۔ دماغی کارکنوں میں کوئی تعلیم کو مطمح نظر بنا لیتا ہے تو کوئی مذاہب کو۔ کوئی سیاستدانوں میں شامل ہو جاتا ہے تو کوئی سوشل اصلاح کو پیش نظر رکھتا ہے۔ کبھی کبھی عام طور پر بھی چندے ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض صوبوں اور بعض ہندو فرقوں میں تو ہر ہر فرد اپنے ذمہ ایک قومی ٹیکس عائد کر لیتا ہے جو بلا ناغہ ادا کر دیا جاتا ہے بلکہ اب تو ہندوؤں کے عوام نے بھی اجتماعی طریقے ایجاد کر لیے ہیں۔ مثلاً لاٹری سسٹم، یہی زندہ قوم کے طریقے ہوتے ہیں لیکن یہاں (یعنی مسلمانوں میں) صورت دگرگوں ہے۔ ہمارے خیال میں مسلمانوں میں کام کرنے والوں کی کمی نہیں۔ البتہ کام کرنے والوں کی بدمعاملگی اور ہوس ناکیوں نے اُن کے حوصلے پست کر رکھے ہیں پھر مالی مشکلات کا رونا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جس وجہ سے ہماری جماعتوں میں اتحاد عمل ناممکن ہو رہا ہے وہ مالی کشمکش ہے۔ آمدنی کی جو مدات مثلاً زکوٰۃ۔ صدقہ۔ خیرات۔ اوقاف اور چندے وغیرہ

کی ہیں۔ وہ محض اس وجہ سے منظم ہونے میں نہیں آتیں کہ ہر شہر کی ہر جمعیت اور ہر مدرسہ کا متولی سب کچھ اپنے ہی لیئے چاہتا ہے۔ یہی وجہ فساد ہے ماسوا پبلک کا خیال ہے کہ مختلف امور کے لیئے جو زر دستیاب ہوئے ہیں۔ ان رقوم کا بڑا حصّہ ہمیشہ "گندم نما جو فروشوں" نے ہضم کرلیا۔ لیکن اس بے سری فوج میں کیا تنظیم ہو جس کا ہر فرد مشکوک ہے اور بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں۔ پبلک یا اجتماعی کام دنیا میں ہی اعتماد اور رواداری پہ چلتے ہیں۔ جہاں یہ دونوں باتیں مفقود ہوں وہاں کیا ہو سکتا ہے۔ آہ یہ اس کی اُمّت کا حال ہے جو رسالت ملنے سے پہلے قوم کا امین کہلاتا تھا!"

ہندو و مسلمانوں کی نسبتی حالت صدائے مسلم کی اس بے نظیر تشخیص مرض سے ہندوستان کی مختلف قوموں کے متعلق حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

مسلمانوں میں	ہندوؤں میں
۱۔ کام کرنے والوں میں بدمعاملگی اور ہوسناکی ہے۔	۱۔ بنیا سسٹم کی وجہ سے روپیہ محفوظ ہے۔ مستقل سرمایہ کے سود سے کام چلتا ہے۔ بار بار قوم کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔
۲۔ جو زر دستیاب ہوئے ہیں ان کا بڑا حصہ گندم نما جو فروشوں نے ہضم کیا ہے۔	۲۔ ہر فرد اپنے اوپر قومی ٹیکس عائد کر لیتا ہے اور خود ادا کرتا ہے
۳۔ بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں	

ہندوؤں میں	مسلمانوں میں
۳۔ افراد اپنے اپنے لیئے میدان عمل مقرر کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہیں کرتے۔	ایسی بے سری فوج میں کیا تنظیم ہو جس کا ہر فرد مشکوک ہو۔ باہمی اعتماد اور رواداری نہیں۔
۴۔ مختلف الخیال اور مختلف العقائد لوگوں میں کاموں کی ایک تنظیم ہے۔	۴۔ باہمی کشمکش کی وجہ سے اتحادِ عمل ناممکن ہو رہا ہے ہر شہر کی جمعیت اور ہر مد کا متولی سب کچھ اپنے لیئے چاہتا ہے۔ یہی وجہ فساد ہے۔

نتائج | صدائے مسلم نے جو وجہ فساد قرار دی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ افراد سے لیکر انجمنوں تک سب روپیہ کی کمی سے پریشان ہیں جو انجمن قائم ہوتی ہے اسے سب سے زیادہ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے مقامی افراد ذاتی افلاس کی وجہ سے اس کی مالی امداد نہیں کر سکتے۔ اس لیئے لامحالہ اس انجمن کو اپنی حدود سے باہر جاکر دوسری انجمنوں کے علاقوں میں چندہ مانگنا پڑتا ہے تب بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس اعتراض سے بچنے کے لیئے اکثر انجمنیں اپنے یوم ولادت سے ہی آل انڈیا ہونے کا دعوے کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے پرانی انجمنوں سے تصادم اور تصادم سے فساد ہوتا ہے ہندوؤں میں ہر فرد اپنے اوپر قومی ٹیکس عائد کر لیتا ہے اور خود ادا کرتا ہے اپنے لیئے میدان عمل قرار دے کر اپنی عمر اس کام کی تکمیل میں صرف کر دیتا ہے مگر مسلمانوں میں جس بدقسمت کے دل میں قومی

خدمت کی لگن پیدا ہوتی ہو اُسے پہلے ہی دن سے گداگری کا پیالہ ہاتھ میں لینا پڑتا ہو جیسے وہ اسلامی ریاستوں (بمبئی - راندیر - کلکتہ - رنگون میں لیے لیے پھرتا ہو۔ ہاں دوسرے قومی گداگروں کی ہشت مشت اور گلُخپ ہوتی ہے۔ وہاں سے جو کچھ کھسوٹ کر لاتا ہو اُسے بینک میں رکھ کر اُس سے مستقل آمدنی پیدا کرنے کی جگہ چند روز میں قومی کاموں میں صرف کر ڈالتا ہو اور کچھ عرصہ بعد گداگری کے لیے نکلنے پر مجبور ہوتا ہے وہ گداگری کے پیشہ میں ناکام ہو تب تو اس کی زندگی تلخ ہی ہی لیکن اگر وہ کامیاب بھی ہو اور کام چلانے کے لیے اُسے کافی روپیہ مل رہا ہو تو یا تو بقول صدائے مسلم وہ گندم نما جو فروش بن کر چندے ہضم کرتا ہو اور اگر وہ دیانت دار ہو تو اُس کے بھوکے بھائی بند قومی خدمت کے بہانے سے اُس انجمن میں دخیل ہو کر یا ملازم ہو کر اُس روپیہ سے مستفید ہونا چاہتے ہیں اور جب اس میں رکاوٹ ہوتی ہو تو فساد کرتے ہیں اخبارات میں مضامین لکھتے ہیں۔ بڑے بڑے پوسٹر لگاتے ہیں۔ کارکنوں کو بدنام کر کے ملک میں اُن کے خلاف ناراضی پھیلاتے ہیں۔ غرض کہ مسلمان نیک نیت ہوں یا بدنیت، دیانت دار ہوں یا بددیانت، قومی خیر خواہ ہوں یا بدخواہ، قوم کے عام افلاس کی وجہ سے سخت کشمکش اور باہمی تنازعات میں مبتلا ہیں۔

افراد میں اختلاف کی وجہ یہ جو کچھ عرض کیا گیا قومی انجمنوں اور قومی کاموں کا حال ہو اسی پر مسلم افراد کو قیاس کر لیجیے کہ جو لوگ فی الحال

ضروریات کی فکروں میں شب و روز لگے رہتے ہیں اُن کے دماغ میں دوسروں کی بھلائی کا خیال کیسے سما سکتا ہے ہر شخص واقف ہے کہ جب ملک میں قحط پھیلتا ہے اور بھوک کی شدت ہوتی ہے تو کتنے آدمی بلا لحاظ مذہب و ملت کے اپنے بچوں کو بھون کر کھا جاتے ہیں۔ گویا افلاس اور ضرورتمندی جس قسم کی شقاوت قلبی انسان میں پیدا کرتی ہے وہ دُنیا کی کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتی۔ جب دو قومیں ملک گیری یا کسی دوسری نفسانی خواہش سے ایک دوسرے سے لڑتی ہیں تو اُن کے آداب میں یہ داخل ہے کہ مریضوں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے چھوڑ دیں مگر بھوک وہ بلا ہے کہ تمام تہذیب، آداب اور مذہبی احکام تک کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے اور انسان میں بدترین قسم کی عداوت اور بغض کو جاگزیں کر دیتی ہے۔

خود غرضی فساد کی بنیاد ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام فسادات کی بنیاد خود غرضی پر ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خود غرضی زیادہ تر ضرورتمندی کا نتیجہ ہے اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ دو شکم سیر افراد کے سامنے دُنیا کی نعمتیں پڑی رہیں تو انھیں اُن کی طرف رغبت نہ ہوگی اور بھوکوں کے درمیان سوکھا ٹکڑا بھی پڑا ہوگا تو اُس کے لیے وہ ایک دوسرے کی جان لینے تک پر آمادہ ہو جائیں گے بس اسی پر ہمارے قوم کے افراد کو قیاس کر لیجیے کہ جب افراد میں ضرورتمندی زیادہ سے زیادہ ہے تو فطرتی قوانین کی رو سے زیادہ سے زیادہ خودغرضی اور زیادہ سے زیادہ باہمی

فساد ہونا لازمی ہے جیسا کہ ہر مقام پر موجود ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنی قوم کی نسبت یہ شکایت سنتا ہوں کہ ہمارے افراد میں ایثار کرنے والے اُن اقوام سے کہیں کم ہیں جنھیں ہم خسیس اور ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں۔ مگر انصاف سے دیکھیے تو ایسی قوم میں ایثار کیسے پیدا ہو سکتا ہے جس کا اثاثہ محدود یا نادار ہو اور ضروریات غیر محدود ہوں۔ غیر محدود اس لیے کہ دنیا بھر کے تکلفات مسلمانوں کی ضروریات میں داخل ہیں۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے بھوکوں مرتے ہیں وہ تو خیر کسی شمار میں نہیں مگر سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو کہیں سے کچھ مل جاتا ہے اُن کا بھی نصب العین کیا ہے؟ ان کا نصب العین ہے لذیذ سے لذیذ کھانے کھانا اور عمدہ سے عمدہ کپڑے پہننا اور اعلیٰ سے اعلیٰ زندگی بسر کرنا اور یہ سب کچھ قرض لیکر۔ اور قرض بھی سودی، جو انجام کار تمام موجودات کو ہضم کر جائے۔

پچھلے چالیس پچاس سال مسلمانوں کے اس کوشش میں گزرے ہیں کہ جدید علوم پڑھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کریں مگر جب اعلیٰ عہدے ہم دس دس ہزار روپیہ ماہوار کما کر نہ صرف یہ کہ قوم کی مادی خدمات نہیں کر سکتے بلکہ اخراجات سے خود پریشان رہتے ہیں تو صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ... کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

عیش پرست قوم میں کفایت شعاری | اول تو مسلمان طبعاً مسرف واقع ہوئے ہیں۔ دوسرا اتفاق سے اُن کے پیش نظر تمدن ہے انگلستان کا

جو دُنیا کی سب سے زیادہ دولت مند قوم ہی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اہل یورپ اور اہل انگلستان بڑے عیش پرست ہیں۔ اگر تمدّنی سطح کے اعتبار سے دیکھو تو بے شک وہ بڑے عیش پرست ہیں لیکن اگر اُن کی زیادتی دولت کے اعتبار سے دیکھو تو وہ نہایت کفایت شعار ہیں۔ ہم اپنے برادران وطن کو بھی بڑا خسیس سمجھتے ہیں، مگر گرمیوں کے موسم میں آپ پہاڑوں پر جاکر دیکھیے تو کون لوگ وہاں کے مکانوں اور بنگلوں کو ہوٹلوں اور کلبوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور کون لوگ وہاں زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کرتے ہیں؟ اس کا جواب ملے گا۔ ہمارے برادران وطن! جو اپنی آمدنی کا ایک ادنیٰ جزو تفریح اور آرام میں صرف کر دیتے ہیں اور وہ ہمیں اسراف اور عیش پرستی معلوم ہوتی ہی اور ہم اپنی غلطی سے سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ تمدن دورِ جدید کا لازمی جزو ہی۔

مگر حضرات! وہ اعلیٰ تمدّن جو خوش نصیب اقوام نے اختیار کر رکھا ہی وہ اُن کی دولت کے مقابلہ میں خواہ کیسا ہی حقیر کیوں نہ ہو تاہم اس کی مضرت سے وہ لوگ بھی نہیں بچ سکتے۔

اعلیٰ تمدّن کا اثر تجارت پر اور وہ مضرت یہ ہی کہ جب ادنیٰ طبقہ کے لوگ امرا کو دیکھ کر زیادہ گراں زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو اس سے شرحِ مزدوری بڑھ جاتی ہی اور کارخانوں میں گراں مال تیار ہوتا ہی جو دُنیا کے بازاروں میں اُن ممالک کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو سستا مال تیار کرتے ہیں۔ آپ صاحبوں کو یقیناً معلوم ہوگا کہ اہل جاپان اسوقت

اتنا ارزاں مال بناتے ہیں کہ وہ دوسرے ممالک میں جاکر وہاں کے کارخانوں
کو شکست دیتا ہے۔ چنانچہ اس وقت خود انگلستان اور ہندوستان کی
کپڑوں کی ملوں پر جو مصیبت آرہی ہے وہ سب جاپان کے سستے مال کی
بدولت ہے۔

اہل جاپان کی خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ علوم وفنون اور سائنس اختیار
کرنے میں وہ سب سے آگے ہیں مگر تمدن کے اعتبار سے وہ ابھی بہت پیچھے
ہیں سنا ہے کہ وہ لوگ اب تک میز کرسی اور جدید قسم کا فرنیچر استعمال نہیں
کرتے بلکہ زمین پر نشست رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ سادہ سے سادہ زندگی بسر کرکے زیادہ سے زیادہ
ارزاں مال تیار کرسکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جو افلاس میں لاجواب ہے
اور جس کی نسبت عام طور پر لکھا جاتا ہے کہ یہاں ۲۰ فی صدی آبادی کو صرف
ایک وقت کھانا ملتا ہے، مزدوروں کو کارخانوں میں کام مل جاتا ہے تو وہ
ہوٹلوں میں اچھے کھانے کھاتے۔ چاء اور برف پیتے۔ سگریٹ اور شراب نوشی
کرتے ہیں، تھیٹروں، تماشوں میں اپنا روپیہ ضائع کرتے ہیں اور چار دن
مزدوری نہ ملے تو سڑک پر بھوکوں مرنے لگتے ہیں۔

جرمنوں کی سادگی کا نتیجہ اہل جاپان کو جانے دیجیے جن کی ترقی ابھی
چالیس پچاس برس سے شروع ہوئی ہے اور جو تمدن میں بہت پیچھے ہیں
آپ جرمنوں کو دیکھیے جو یورپ کی سربرآوردہ قوموں میں سے ہیں پچھلی
جنگ میں جب انھیں شکست ہوئی اور انھوں نے کثیر نقصانات اٹھائے

توکل قوم نے اپنی مالی حالت کی درستی کے لیئے اس یکجہتی کے ساتھ کوشش شروع کی جو مسلمانوں کا کوئی ایک خاندان بھی نہیں کرتا۔ اہل جرمن کی نسبت سُنا ہی کہ اُنھوں نے یک قلم جملہ تکلفات ترک کر دیئے۔ کھانے کے اوقات گھٹا دیئے۔ ڈنروں اور لنچوں کو جن میں بڑے ٹھاٹھ ہوتے تھے بالکل اُڑا دیا۔ جو لوگ ہزاروں روپیہ کھانے پینے میں صرف کرتے تھے اُنھوں نے ملک کے نفع کے لیئے سوکھے ٹکڑوں پر بسر اوقات کرنی شروع کر دی۔ صبح صبح اُٹھے جیب میں بسکٹ ڈبل روٹی ڈال کر کام پر چلے گئے دن میں جب بھوک لگی جیب میں سے دو ٹکڑے روٹی کے نکال کر آتش شکم کو ٹھنڈا کر لیا اور چند روز میں اس کا نتیجہ دکھا دیا۔

نتیجہ یہ ہی کہ اُنھوں نے اس قدر کم قیمت فرنیچر تیار کیا کہ اسے اہل انگلینڈ اپنے دارالامرا کے لیئے خریدنے پر مجبور ہوئے۔ اور اب تجویز درپیش ہی کہ دارالعوام کے لیئے بھی جرمنی کا سستا فرنیچر خریدا جائے جس کی مخالفت انگلستان کے تاجر بڑے زور سے کر رہے ہیں۔

ہمارا نصب العین

بس ای حضرات! جب انگلستان جیسا دولت مند ملک اعلیٰ تمدن کے ہاتھوں پریشان ہی تو اہل ہند۔ اور ان میں بھی غریب اگر یہ مُسرف مسلمانوں کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔

حضرات! بعض صحاب کو میری تحریک کی نسبت غلط فہمی ہوتی ہی اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ دولت کما کر مثل اہل یورپ کے عیش کریں۔ حالانکہ میرا

ہمارا نصب العین یہ ہو کہ مسلمان کم سے کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ روپیہ پیدا کریں اور اپنی ذات پر نہیں بلکہ اپنی قوم پر زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کریں۔ ہمارا نصب العین حالی کے یہ چند اشعار ہیں

جانتے ہو اے عزیزو ہے تنزل جنہیں کیا ۔۔۔ اُس پہ کرلیتا قناعت لگا جو بیش و کم

گو کہ ہیں افراد کے حق میں خصائل کیمیا ۔۔۔ حق میں لیکن قوم کے یاں وہی خصلت ہیں سم

تن پہ تھا فاروقِ اعظم کے پھٹا کُرتا مگر

قوم کی خاطر بھری ہے کیسہ یالک حرم

برادرانِ وطن کی سادگی آپ صاحبوں میں غالباً اکثروں کو اس امر سے اتفاق ہوگا کہ اس وقت ہمارے برادرانِ وطن میں اکثروں کا ان اشعار پر عمل ہے میں اُن کے اعلیٰ سے ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ چنے چبا چبا کر ننگے بدن رہ کر سخت سے سخت زندگی بسر کر کے جو کچھ پس انداز کرتے ہیں۔ اُس سے پیاؤ قایم کرتے۔ کنوئیں بنا لیتے دھرم سالے تعمیر کراتے اور درس گاہوں کے لیے بڑے بڑے اوقاف قایم کرتے ہیں۔ میں نے غریب ترین پنہاریوں یعنی دھوبی کرنے والی عورتوں کو دیکھا ہے کہ اُنھوں نے مدت العمر کا پیسہ پیسہ جمع کیا ہوا اثاثہ سجائے حلوے اور مٹھائیاں کھانے اور اپنے لیے پختہ مکان بنوانے کے عوام الناس کے لیے کنواں بنوانے میں صرف کر دیا۔ ہر شہر میں ادھر اُدھر گھومنے سے اس قسم کی فیاضیوں کی نظیریں بکثرت ملیں گی جن کا مقابلہ ہماری قوم کے وہ تعلیم یافتہ حضرات بھی

عام طور سے نہیں کر سکتے جو ہزاروں روپیہ ماہوار کماتے ہیں۔
مسلمان تعلیم یافتہ لوگوں میں سے وہ شخص اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا ہے جس نے مدّت العمر کی کمائی میں جدید طرز کا پختہ مکان بنوالیا ہو اور جس نے سول لائنس میں کوئی کوٹھی تعمیر کرالی ہو۔ اس کی خوش نصیبی کی تو کوئی حد و انتہا ہی نہیں۔ کیوں کہ جس قسم کے کرایہ کے بنگلوں میں وہ بوجہ اپنے عہدے کے دوران ملازمت میں رہتا رہا۔ اُسی قسم کے مکان میں بعد پنشن کے رہنا نصیب ہوا اور بس۔ گویا یہی زندگی کا کمال کار تھا۔
برخلاف اس کے ہمارے برادران وطن میں کار خیر جاری کرنے والوں کی صدہا نظیریں موجود ہیں۔ حال ہیں اخبارات میں آپ نے مسٹر گنگارام صاحب انجینیر کے حالات پڑھے ہوں گے جنھوں نے طلبا کی تعلیم کے لیئے اور انھیں مختلف محکمہ جات کے لیئے تیار کرنے کی غرض سے ایک بڑا وقف قایم کیا ہے اور سب سے بڑا کام جو انھوں نے اپنی کمائی کے روپیہ سے کیا ہے وہ یہ ہے کہ تیس ہزار ایکڑ بیکار زمین کو گورنمنٹ سے ٹھیکہ پر لے کر اس میں تیس لاکھ روپیہ لگایا اور وہاں پانی پہونچا کر اُسے اس قابل بنا دیا کہ اس سے تیس ہزار آدمیوں کی خوراک پیدا ہو۔ یہاں سے کمیروں (خدمت گاروں) اور تاجروں کو ملا کر ایک لاکھ آدمیوں کی پرورش کا انتظام ہوگیا ہے اور اس بیکار قطعہ آراضی کی قیمت کا تخمینہ چار پانچ کروڑ کے درمیان کیا جاتا ہے یہ مقام پنجاب میں ہے۔

اس کام کو اگر ذاتی بھی قرار دیا جائے تب بھی اپنے نفع کی وسعت کے لحاظ سے اس کا شمار ہر طرح پر بہترین قسم کے پبلک کاموں میں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ہر ملک میں چند افراد ہی اپنا کمایا ہوا روپیہ زمین کو اس طرح کارآمد بنانے میں لگائیں تو کل ملک تھوڑے سے عرصہ میں آباد خوش حال اور گلزار بن جائے اور کروڑوں آدمی خودداراںہ زندگی بسر کرنے لگیں. مگر اس قسم کے مفید کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے جذبات پر قدرت رکھتے ہیں اور اپنی ذات پر کم سے کم صرف کرتے ہیں.

اصلاح رسوم میں مسلمان کیوں ناکام ہیں

اب سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنی ذات پر کم سے کم کس طریقہ پر صرف کریں بعض صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ نہیں ہے۔ مگر میرا ذاتی خیال اس کے خلاف ہے۔ میں بچپن سے سنتا آیا ہوں کہ مسلمان شادیوں اور مراسم میں بہت خرچ کر کے تباہ ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ میں علماء دین کا یہ مشن رہ چکا ہے کہ وہ اپنے وعظوں اور تقریروں میں کم خرچ کرنے اور خلاف شرع رسوم بند کرنے کی نصیحتیں کیا کرتے تھے ان علماء کرام کے اثر سے عرصہ تک شادیاں اس طرح ہوتی تھیں کہ جمعہ کی نماز کے بعد نکاح پڑھا دیا جاتا اور دلھن کو اسی وقت معمولی کپڑوں میں رخصت کر دیا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ تک یہ ہا مگر رفتہ رفتہ پھر وہی مسرفانہ رفتار قائم ہو گئی اور واعظ اور ناصح خود گرد و پیش سے مغلوب ہو کر زیادہ صرف کرنے لگے! اُن میں سے جو فارغ البال

اور خوش حال ہیں وہ اپنے بچوں کی شادیوں میں مثل جہلاء کے ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ رفتہ رفتہ مسلمان اس قدر مفلس ہوتے جاتے ہیں کہ انھیں شادیوں میں زیادہ صرف کرنے کی استطاعت ہی نہیں رہی۔

کفایت شعار مسلمانوں کا انجام

بہر حال اس کی وجہ کیا ہے کہ باوجود ان احساسات کے ہم مسرف ہیں اور ہم سے اسراف نہیں چھوٹتا؟ نہ چھوٹنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہم بچاتے ہیں اس کا صحیح مسرف ہمیں نہیں معلوم بلکہ بچایا ہوا روپیہ ہمارے لیئے وبال جان ہو جاتا ہے اس لیئے مجبور ہو کر ہم اسے صرف کر ڈالتے ہیں۔ تھوڑے روپیہ کی ہر وقت جائداد نہیں مل سکتی۔ وہ بھی موقع سے ملتی ہے۔ زیور کی شکل میں رکھیں تو ہر شخص کی اس پر نظر پڑتی ہے۔ بالخصوص جب کہ عام سوسائٹی داغ ہو تو چند افراد کے زیوروں پر بُری ہی نظریں پڑتی ہیں۔ پھر یہ کہ زیور کی وجہ سے عزت آبرو خطرہ میں رہتی ہے اور اس کی وجہ سے حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ روپیہ کو زمین میں دفن کر دیا جائے اس سے اول تو روپیہ بیکار پڑا رہتا ہے جس سے روپیہ والے کا حوصلہ نہیں بڑھتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ ہو تو بالعموم دفینہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ عزیز و اقارب حتیٰ کہ خود اولاد تھوڑا تھوڑا روپیہ نکال کر ختم کر دیتی ہے۔ کاش اس طرح نکالا ہوا روپیہ کسی کارآمد مصرف میں لگے تب بھی کچھ تو مفید ہو۔ مگر وہ بالعموم عیاشی میں ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے بعض دفینہ والوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کے لیئے راتوں جاگتے ہیں اور

جاگنے کے لیئے افیون کھانے لگتے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ مسلمانوں میں روپیہ بچا کر رکھتے ہیں اُن کی مٹی بھی مسرفوں سے کچھ کم خراب نہیں ہوتی۔ اور یہ سب کچھ صحیح نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے ہی۔

زیادتی دولت سے امریکہ کی پریشانی

صحیح نصب العین یہ ہی کہ پس انداز کیا ہوا پیسہ بھی ایک منٹ کے لئے بیکار نہ رہے بلکہ کسی نفع آور کام میں لگے۔

ہمارے ملک میں دیگر ممالک کا کروڑوں، اربوں روپیہ تجارت اور کارخانوں میں لگا ہی۔ پچھلے دنوں جب امریکہ میں دولت کی افراط ہوئی تو وہاں کے عقلا کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اگر کچھ دنوں یہ روپیہ ملک میں ٹھہر گیا تو افراد قوم مُسرف اور عیش پرست ہو جائیں گے جس سے انجام کار ملک کی تباہی ہوگی۔ اس لیئے اہل امریکہ نے جلد سے جلد بہت سا روپیہ دیگر ممالک کو قرض دے دیا۔

کس قدر عجیب بات ہی کہ یورپ و امریکہ سے روپیہ آکر تو یہاں آٹھ آنہ سیکڑہ پر قرض دیا جاتا ہی اور خود ہمارے ملک کا روپیہ یہاں ۲ و اور تین روپیہ سیکڑہ ماہوار پر چلتا ہی۔ وجہ صرف یہ ہی کہ مسلمان اپنی کمائی صرف کر ڈالنے کے بعد ہر دم ذاتی ضرورت کی وجہ سے ہر شرح سود پر قرض لینے کو تیار رہتے ہیں۔ اس لیئے ملک کا زیادہ تر روپیہ مسلمانوں کی بدولت غیر نفع آور کاموں میں لگا رہتا ہی گویا مسلمان ہی زیادہ تر اس ملک میں ربوا کے ذمہ دار ہیں جو نہ صرف یہ کہ اپنا کمایا ہوا روپیہ نفع آور

کاموں میں نہیں لگاتے. بلکہ دوسروں کا روپیہ بھی سود یا ربو پر لے کر صرف کر ڈالتے ہیں اور اس طرح ملک کی حقیقی ترقی میں مانع ہیں. غرض کہ مسلمان اگر یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسراف سے بچیں تو انھیں چاہیئے کہ وہ اپنا کمایا ہوا روپیہ براہ راست نفع آور کاموں، بنکوں اور روپیہ کے کاروبار میں لگائیں بغیر روپیہ کے کاروبار میں شرکت کے تجارت اور صنعت محض فرضی اور خیالی الفاظ ہیں، کیونکہ کوئی تجارت اور صنعت بغیر سرمایہ کے قایم نہیں رہ سکتی اور تجارت و صنعت تو بڑی چیزیں ہیں. مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار نہ ہونے کی وجہ سے افراد میں، عزیزوں میں. احباب میں انجمنوں میں اس درجہ رقابت، رشک و حسد، رنجش اور عداوت ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں مشکل سے مل سکے گی

ہماری بربادی کی اصلی وجہ

یہ بھی صحیح نہیں ہو کہ دوسری قومیں ہماری دشمن ہیں اس لئے ہم تباہ ہو رہے ہیں قومیں ہمیشہ سے ایک دوسرے کی دشمن بھی رہی ہیں اور دوست بھی جب مسلمان ابتدا میں کمزور تھے تب انھیں تمام دنیا دشمن نظر آتی تھی اور تب واقعی دوسری قومیں مسلمانوں کی دشمن ثابت ہوتی تھیں. کیوں کہ بوجہ اپنی قوت کے اور مسلمانوں کے ضعف کے وہ مسلمانوں کو نقصان پہونچا سکتی تھیں. جب مسلمانوں کی قوت بڑھی تو انھیں دشمن قوموں میں سے بعض قومیں مسلمانوں کی دوست ہو گئیں اس کے بعد نظام عالم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمان پھر کمزور

ہو گئے اور اب انھیں دنیا بھر دشمن نظر آنے لگی۔ اب اس کا علاج یہ نہیں ہو کہ ہم دنیا کی قوموں کو دشمن سمجھ کر انھیں کوسا کریں اور گالیاں دیا کریں یا کسی قوم کی چاپلوسی کر کے اس کے دوست بنانے کے خیال میں تضیع اوقات کریں یہ سب کمزوری کی علامتیں ہیں صحیح طریقہ یہی ہو کہ جن ذرائع سے دیگر اقوام قوت حاصل کر رہی ہیں ہم انہیں سمجھ کر انہیں ذرائع سے قوت حاصل کریں۔ اب تو ہماری مثال بالکل اُن لوگوں کے مانند ہو جو کسی گہرے کھڈ میں جا پڑے ہیں۔ اب اوپر سے کوئی شخص ایک ڈھیلا بھی پھینک دیتا ہو تو وہ نیچے والوں کے گولی کی طرح لگتا ہو یا کشش ارضی کی وجہ سے کوئی پتھر اوپر سے لڑھک کر آتا ہو تو وہ سمجھتے ہیں کہ اُسے اوپر چلنے والوں نے دانستہ پھینکا ہو۔ اس کے جواب میں کھڈ والے جو پتھر زور لگا کر اوپر والوں پر پھینکتے ہیں وہ اُلٹا لوٹ کر خود انھیں پر گرتا ہو۔ پھر یہ کہ جو لوگ اوپر کی صاف ہوا میں رہتے ہیں وہ چست و چالاک ہیں خوب بھاگتے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ اور سُرخ و سپید بنے ہوئے ہیں اور یہ لوگ نیچے کی زہریلی ہوا میں ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر ان سے چار قدم نہیں چلا جاتا اس حالت کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم میں قوت نہیں رہی اُس کے حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی ورزشیں کرتے ہیں جو انھیں اور زیادہ تھکا کر بیدم اور کمزور کئے دیتی ہیں۔ پھر ایک شخص ان میں سے کہتا ہو کہ پُرانی قسم کی ورزشیں بیکار ہیں۔ جدید قسم کے ڈمبل کی ورزش کرو۔ کچھ لوگ اُس سے اختلاف کرتے ہیں اور کچھ اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر دونوں کی

کرسیوں کا نتیجہ ہیچ ہی اور تیسرا شخص آکر ایسی ورزش بتاتا ہی جس میں کچھ نئی اور کچھ پرانی ورزشیں ہیں اور جن سے بدیہی طور پر اوپر رہنے والے لوگ زیادہ تنومند بنتے چلے جاتے ہیں. مگر کھڈ والوں کے لیئے یہ بھی قطعاً بیکار ثابت ہوتی ہیں پھر ان میں سے کوئی تیسرا شخص اور نیا طریقہ تجویز کرتا ہی جس کی بڑی مخالفت ہوتی ہی اور سب کا نتیجہ روز افزوں کمزوری اور نفاق وشقاق کی زیادتی ہوتا ہی اور یہ کمزوری اور نفاق بتدریج بڑھتے رہیں گے جب تک کہ وہ لوگ اس سمی ہوا سے نکل کر تازہ ہوا میں نہ داخل ہوں جو طبیعت کو ابھارنے دوران خون بڑھانے اور جسم میں حقیقی قوت پیدا کرنے والی ہے سمی ہوا افلاس و اسراف ہی۔ اور صحت بخش ہوا سرمایہ ہی جس کے بغیر کسی قوم کا صحیح طور پر نشوونما نہیں ہوسکتا۔ اور جس کے بغیر قومی ترقی کی کوئی تدبیر کارآمد نہیں ہوسکتی۔

نومبر ۱۹۲۵ء

---

(۲۲)

مسلمانان پنجاب کی اقتصادی حالت

یہ وہ لکچر ہی جو سید طفیل احمد صاحب نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے گزشتہ سالانہ جلسہ میں دیا تھا اور جس کو انجمن حمایت اسلام نے کثیر تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا۔ یہ لکچر بعض اخبارات میں بھی شایع ہوچکا ہی مگر ناظرین سودمند کے لیئے خاص طور پر اس جگہ درج کیا جاتا ہی تاکہ مسلمانوں کی اقتصادی

حالت کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات سود مند کی جلدوں میں یکجا جمع ہو جاتے ۔

تمہید میرے لیئے یہ باعث فخر و مسرت ہو کہ مجھے آج اس صوبہ کے مسلمانوں کو خطاب کرنے کا موقع ملا ہو جہاں کے مسلمان بہ لحاظ تعداد، تعلیم، تموّل، جسمانی قوت اور جرأت و مردانگی کے نیز بقول سرسید مرحوم بلحاظ اپنی "زندہ دلی" کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے ممتاز ہیں۔ موجودہ حالت میں مسلمانان پنجاب نہ صرف اپنے صوبہ میں نہایت جوش، سرگرمی، اور اولوالعزمی سے قومی و تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں بلکہ ان کی سعی و عمل کے نتائج سے دوسرے صوبوں کے مسلمانان بھی مستفید ہوتے ہیں۔ چنانچہ علاوہ آپ کی دیگر امدادوں کے حال میں مجھے صوبہ متحدہ کی انجمن جمعیت تبلیغ سے معلوم ہوا کہ اس کی مالی امداد میں پنجاب کا بڑا حصہ ہو لہذا یہ قدرتی امر ہو کہ تمام ہندوستان کے مسلمان آپ کو محبت اور عزت کی نظر سے دیکھیں اور اگرچہ ہجوم و افکار و مصائب میں اصلی اعتماد تو خداوند تعالے کی ذات پر ہونا چاہیئے۔ لیکن اس مادی دنیا اور عالم اسباب میں مصیبت کے وقت مسلمانان ہند کی نظریں آپ ہی پر پڑتی ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ لیکن ای بزرگان پنجاب اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہو جو نہایت مایوس کن ہو آپ ذرا اس کمزور اور نحیف الجثہ شخص کی مایوسی اور دلی رنج و کلفت کا اندازہ کیجیئے جو اپنے جبال مرد اولوالعزم اور بلند بالا بھائی کے خون میں بھی وہی مہلک جراثیم دیکھتا ہو جنھوں نے خود اس کی

جسمانی نشو ونما کو روک دیا ہے اور اس کو پژمردہ اور مضمحل بنا رکھا ہے نحیفہ الجثہ بھائی سے میری مراد دوسرے صوبہ کے مسلمان ہیں جو اپنے قوی ہیکل پنجابی بھائیوں کو اپنے جیسے امراض میں مبتلا دیکھ کر افسردہ و مایوس ہیں۔ اے بزرگو! یہ مہلک جراثیم "افلاس وتنگدستی" کے ہیں جنھوں نے کم و بیش پنجاب کے مسلمان بھائیوں کو بھی نہیں چھوڑا ہے حالانکہ یہاں قانون انتقال آراضی کا عرصہ سے نفاذ ہے جس کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی جائدادیں جو عموماً زیر بار رہتی ہیں محفوظ ہیں۔ شاید یہ ایک بار نما بات ہوگی کہ ایک پُرمسرت و ولولہ انگیز جلسہ میں جہاں دور دراز کے مسلمان اپنی محبوب انجمن کی مالی امداد اور کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیئے آئے ہیں مسلمانوں کے افلاس اور بے مائگی کی داستان سُنا کر افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را، کا مصداق بنوں مگر اے حضرات ایک لمحہ تامل کیجیے۔

۳- دودھ والی گائے کے چارہ کا انتظام میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم روزانہ جس گائے کا دودھ دُہتے ہیں اس کے چارہ اور دانہ کی بھی فکر رکھیں تاکہ دودھ خشک نہ ہوجائے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جن مسلمانوں کی اعانت کی بدولت تمام قومی کام چل رہے ہیں ہم کو اُن کی مالی اور اقتصادی حالت پر بھی توجہ کرنی چاہیئے اور اس کی ترقی کے لیئے بہترین تدابیر اختیار کرنی چاہئیں تاکہ مسلمان آئندہ بھی نہ صرف قومی کاموں میں امداد دینے کے قابل بنے رہیں بلکہ اس قدر متمول ہوجائیں کہ اُن کا ایک ایک فرد

ایک ایک قومی انسٹی ٹیوشن کو اپنی ذاتی اعانت اور فیاضی سے چلا سکے اور قومی کارکنوں کو روز روز کے چندوں اور دریوزہ گری سے مستغنی کر دے۔ ایسا ہونا کچھ ناممکن نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ کی مثالوں سے قطع نظر کر کے صرف ہندوستان ہی کی مثالوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ غیر مسلم اقوام میں ہزاروں افراد ایسے ہیں جنھوں نے محض اپنی ذاتی فیاضی، اولوالعزمی، بلند حوصلگی سے بڑے بڑے شاندار کام اپنی قوم کے لیئے جاری کر رکھے ہیں اور اس قسم کی فیاضیوں کی مثالیں معمولی معمولی قصبات تک میں موجود ہیں اور یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ اُس قوم کے افراد دولتمند ہیں اس لیئے وہ ہر موقع پر فیاضی اور اولوالعزمی کا اظہار کرتے ہیں لہذا اُن کے تمام قومی کام سرسبز و شاداب ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے تمام قومی کام اُن کی بے مائگی اور ناداری کی وجہ سے پژمردہ اور فسردہ حالت میں ہیں۔

شروع میں میں نے پنجاب کے مسلمانوں کی مالی حالت پر جو اظہار طمانیت کیا اس سے مقصد یہ تھا کہ دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کی نسبت اُن کی حالت فی الجملہ بہتر ہے لیکن اگر برادران وطن سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو اُن کی حالت بھی قابل اطمینان نہیں بلکہ لائق صد حسرت و افسوس ہے

۴۔ اخبارات سے اقتباس

اس کا پتہ کچھ تو اخبارات سے چلتا ہے اور کچھ سرکاری رپورٹوں سے۔ اول اسلامی اخبارات سے کچھ اقتباسات پیش کرونگا مثلاً اخبار وکیل نے ایک مرتبہ امرتسر کے مسلمانوں کے متعلق لکھا تھا کہ اگر تم کسی مسلمان محلہ میں چلے جاؤ تو تم اُن تنگ و تاریک گلیوں میں عجیب وحشت ناک خاموشی پاؤ گے

اور اس خاموشی کا طلسم توڑنے کے لیے یا تو کسی برہنہ و نیم گرسنہ بچے کی چیخ و پکار سُنو گے یا کسی برقع پوش عورت کے نحیف و لاغر ہاتھ دیکھو گے جو برقع سے نکل کر خیرات کے لیئے پھیلے ہوں گے"۔ دوسرے موقع پر لکھا تھا "علی الصباح جب بنیلہ کی قوییں اپنا کاروبار انجام دینے کے لیئے بیدار ہوتی ہیں تو کانوں میں اللہ اکبر کی جو نیلی صداؤں کے ساتھ گداگروں کی اُداسی پیدا کرنے والی دردانگیز آوازیں بھی آتی ہیں جو حساس دلوں کو بے چین کیئے بغیر نہیں رہتیں۔ یہ گداگر کون لوگ ہیں۔ ذرا تحقیق کیجیئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ننیانوے فی صدی مسلمان ہیں۔ ان میں بچے بھی ہیں بوڑھے بھی ہیں۔ یہ دل خراش نظارہ سارا دن اور بہت رات گیئے تک آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ آہ یہ حقیقت کس قدر افسردہ کرنیوالی ہے کہ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں گداگری پہ مجبور رہیں" اسی طرح حال میں امرتسر سے "مظلوموں کی فریاد" کے عنوان سے ایک عرضداشت شائع ہوئی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ "امرت سر کے اہل ہنود تاجر اور صاحب ثروت ہیں اور مسلمان عام طور پہ غریب اور مزدوری پیشہ ہیں۔ اہل ہنود نے سنگھٹن قایم کر کے اپنی قوم کو منتظم کیا جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا جائے اور اس طرح سے کمزور کر کے اور دباؤ ڈال کر یا لالچ دے کر پرستاران توحید کو مرتد بنایا جائے"۔

ایک عام مقولہ ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی دولت اور اپنی عقل زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق مسلمانوں کو اپنی دولت کم معلوم ہوتی ہو مگر مسلمانوں کے واقعی افلاس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اب ان کے

برادران وطن کبھی نہ صرف اپنے دلوں میں مسلمانوں کو مفلس سمجھتے ہیں بلکہ علانیہ اپنے اخبارات میں اُن کے متعلق اس کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ اخبار کیسری میں لالہ دونی چند صاحب کی ایک تحریر شایع ہوئی تھی جس کے چند الفاظ یہ ہیں:۔

"ہندوؤں کے پاس ایک طاقت ہی اور وہ طاقت روپیہ کی طاقت ہی جس سے وہ فوائد عظیم حاصل کر سکتے ہیں۔ انفرادی اور مجموعی حیثیت سے ہندو مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ دولتمند ہیں پنجاب کے تقریباً ہر ایک قصبے میں اگر ایک مسلمان ایسا ہی جس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہی تو اس کے مقابلہ میں ایک لاکھ روپیہ رکھنے والے بیس ہندو ہیں"

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی اعلیٰ معاشرت اور ظاہری ٹھاٹھ سے لالہ صاحب کو یہ حسن ظن پیدا ہوا کہ قصبات میں بعض مسلمانوں کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہی۔ میرا خیال ہی کہ شہروں میں بھی بہت کم مسلمان ایسے نکلیں گے کہ جن کے پاس نقد ایک لاکھ روپیہ ہو۔ بہر حال برادران وطن ہماری مالی کمزوری سے کم و بیش واقف ہو گئے ہیں جس سے اُن میں یہ اولوالعزمی پیدا ہوگئی کہ وسیع پیمانہ پر انھوں نے اشدھی کا کام جاری کر دیا۔ چنانچہ لائل گزٹ نے ایک بار لکھا تھا کہ "ملکانہ راجپوتوں کا ارتداد تمام مسلمانوں کے ارتداد کی تمہید ہی" اور ایک تقریر میں پنڈت نرسنگھ دیو صاحب شاستری پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے فرمایا تھا کہ:۔

ہندو جاتی پھر اپنی بلند جگہ حاصل کرے گی وہ وقت آنے والا ہی

جب کہ اس دیش کے تمام غیر ہندو پھر ہندو بن جائیں گے
اور اُن کے دھرم استھانوں پر ویدک دھرم کا جھنڈا
لہرائے گا۔"

خدا نہ کرے ایسا کبھی ہو اور ہونا نہ ہونا دونوں خدا کے اختیار میں ہے۔ تاہم ان اقتباسات کے پیش کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ ایک طرف تو افلاس و تنگدستی سے پست ہمتی اور افسردگی پیدا ہو رہی ہے دوسری طرف کثرت دولت سے حوصلہ ہمت اور اولوالعزمی بڑھ رہی ہے اور چونکہ حیات ملّی کے لیے افسردگی سم قاتل ہے اور ہمت و مردانگی مثل حرارت غریزی کے ہے تو کیا مسلمانوں کا یہ سب سے اہم فرض نہیں ہے کہ وہ دیگر تدابیر کے ساتھ قومی جسم کی حرارت غریزی قائم رکھنے کی بھی فکر کریں۔

۵۔ تعلیم پر افلاس کا اثر اب تک مسلمانوں نے اپنے تمام قومی امراض کا علاج تعلیم کو سمجھا اور اسی میں ترقی کرنے کے لیے تمام تر کوششیں کیں اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جو جملہ قومی امراض کے لیے اکسیر کا کام دیتی ہے مگر اب جو دقّت پیش آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ کافی تعداد میں اکسیر بھی خریدنے کی ہمّت مسلمانوں میں نہیں رہی یعنی یہ کہ قوم کے بچے کثیر تعداد میں اسکول کی تعلیم ختم کر کے اعلےٰ تعلیم اس لیے حاصل نہیں کر سکتے کہ اُن کے پاس روپیہ نہیں ہوتا اپنے اس خیال کی تائید میں حسب ذیل کے اعداد پیش کرتا ہوں :-

تعداد طلبا ۲۳-۱۹۲۲ء میں

نمبر ترتیبی	نوعیت	تعداد مسلمان طلباء	تعداد ہندو و سکھ طلبا	مسلمانوں کی نسبت بمقابلہ ہندو و سکھ طلباء
۱	پرائیویٹ یا نجی درسگاہیں	۳۴,۲۶۳	۲۳,۰۰۹	۱½
۲	ابتدائی مدارس	۱,۸۳,۲۷۶	۱,۶۱۱,۶۳۴	۱⅛
۳	ثانوی مدارس	۱,۰۰,۳۵۶	۱,۴۲,۹۸۴	۵/۷
۴	ٹریننگ ڈاکٹری، انجنیری، صنعتی و تجارتی اسکول	۵,۱۲۳	۷,۹۱۸	۵/۸
۵	مختلف علوم کے کالج	۱,۰۸۳	۳,۴۸۸	⅓ سے کم
۶	قانون ڈاکٹری، مویشی، ٹریننگ، تجارتی کالج	۱,۴۱۱	۴,۶۵۵	¼ سے کم

مندرجہ بالا نقشے سے ظاہر ہے کہ مسلمان بچوں کی تعداد ابتدائی تعلیم میں برادران وطن سے زیادہ ہے لیکن اوپر کے درجوں میں بتدریج گھٹتی چلی جاتی ہے حتےٰ کہ کالجوں میں ایک ثلث سے بھی کم رہ گئی ہے اور میرے نزدیک یہ بہت کچھ افلاس کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ عمدہ قسم کی یونیورسٹیاں جن میں صنعتی، انجینیری اور ڈاکٹری تعلیم کا انتظام ہو قایم کرنے کی استطاعت مسلمانوں میں بالکل نہیں ہے جن کی اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے اور جن کی اہمیت اس درجہ پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اب سائنس اور صنعتی تعلیم کے مقابلہ میں علوم عامہ کی تعلیم ایسی ہی بیکار سمجھی جاتی ہے جیسے کہ مشرقی علوم کی تعلیم کسی زمانہ میں انگریزی مدارس کی تعلیم کے

مقابلہ میں سمجھی جاتی تھی اور اسی وجہ سے انجمن حمایت اسلام مجبور ہوئی ہو کہ وہ اپنے کالج میں سائنس کا شعبہ کھولے جس میں کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔

لکھے پڑھے لوگوں کے پیشے

وقت تنگ ہو اس لیئے میں اور زیادہ تعلیمی اعداد سنانے یا ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ شمار کرانے میں آپ کا قیمتی وقت صرف نہ کرونگا کیونکہ ان امور کا چرچا تو اخبارات وغیرہ میں رہتا ہو۔ البتہ چند وہ پیشے جو مسلمانوں سے مخصوص تھے ان میں مسلمانوں کی تعداد دکھانا ضروری سمجھتا ہوں۔

الف قانون

	وکیل مختار۔ قاضی	محرر۔ عرائض نویس وغیرہ
مسلمان	۲,۲۸۹	۲,۸۳۵
دیگر اقوام	۷,۰۱۲	۷,۴۴۴

گویا کہ قانون پیشہ اصحاب میں بشمول عرائض نویسوں اور محرروں کے مسلمان صرف ایک ثلث ہیں۔

ب۔ ڈاکٹری وطب

مسلمان	۲۵,۹۴۴
دیگر اقوام	۲۲,۶۸۳

ڈاکٹری اور طب کی تعداد رپورٹ میں یکجائی دی گئی ہو۔ ڈاکٹری میں یقینی طور پر دیگر اقوام کے افراد بہت زیادہ ہیں۔ طب کے پیشہ میں کسی قسم کی روک نہیں ہو اور اس میں علوم جدیدہ کی ضرورت نہیں ہو اس لیے مسلمانوں کی تعداد اس میں اس قدر زیادہ ہو کہ اس نے کل خانہ میں ان کی تعداد دیگر اقوام سے کسی قدر بڑھا دی۔

ج۔ تعلیم | تیسرا اسی کے ساتھ صیغہ تعلیم میں جو مسلمانوں کا خاص پیشہ تھا مسلمان کم ہیں۔

	پروفیسر اور دیگر استاد	کلرک وغیرہ
مسلمان	۲۱,۷۲۲	۹۶۱
دیگر اقوام	۳۰,۴۸۴	۲,۱۰۰

د۔ علوم و فنون | مردم شماری کی رپورٹ میں ایک مد علوم و فنون یعنی

Letter Arts & Science

کی ہے۔ اس مد کی تفصیلات اس اعتبار سے قابل توجہ ہیں کہ اُن میں اعلےٰ درجہ کے کاموں میں مسلمان کم اور ادنیٰ درجہ کے کاموں میں زیادہ ہیں اکی تفصیل یہ ہے:-

	مسلمان	دیگر اقوام	
۱۔ محاسب و خزانچی	۸,۸۹۲	۱۷,۹۸۸	نصف
۲۔ کلرک اور ٹائپ کرنے والے	۵۹۶	۱,۱۷۳	نصف
۳۔ انجنیئر سرویر وغیرہ	۲,۰۸۴	۴,۳۶۶	نصف
۴۔ مصنف اخبار نویس نقاش مصوّر وغیرہ	۱,۶۷۸	۲,۱۴۹	نصف
۵۔ ڈراما نویس گویئے ایکٹر ناچنے والے	۵۲,۷۵۵	۱۱۳,۸	چھ گونے
۶۔ عامل رمّال منجم بھاٹ وغیرہ	۳,۰۲۸	۱۲,۳۷۷	چہارم

یعنی محاسبوں، کلرکوں، انجنیئروں، مصنفوں، اخبار نویسوں، نقاشوں اور مصوّروں میں مسلمان دیگر اقوام سے نصف ہیں۔ مگر ڈرامہ نویسوں گویّوں

ایکٹروں اور ناچنے والوں میں مسلمان دیگر اقوام سے ساڑھے چھ گونے ہیں۔ رمال منجم اور بھاٹ صرف ہندوؤں میں ہوتے ہیں۔ اس لیے ان میں ہندوؤں کا زیادہ تعداد میں ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

۷۔ دوسرے پیشے | اس ملک میں مسلمان یا تو زیادہ تر زمیندار تھے یا ایسے پیشوں میں تھے جن میں لکھنے پڑھنے کا کام تھا۔ زمینداری سے تو وہ اس لیے خارج ہو رہے ہیں کہ اسراف بدنظمی اور قرض داری میں ان کی جائدادیں نکل رہی ہیں اور لکھنے پڑھنے کے کاموں میں اور ملازمتوں میں اس لیے کم ہو رہے ہیں کہ اس زمانہ کی تعلیم جو روپیہ سے حاصل ہوتی ہے اس کی مسلمانوں میں استطاعت نہیں اور اسی لیے وہ شور و شغب کرتے رہتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تعلیمی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے جب مسلمان ملازمت اور زمینداری سے خارج ہو رہے تھے تو وہ ملک کے دوسرے پیشوں کی طرف توجہ کرکے انھیں اپنی بسر اوقات کا ذریعہ بناتے۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ دیگر پیشوں کا لازمی عنصر سرمایہ ہے جس سے مسلمانوں کو سراسر اجنبیت ہے۔ اس لیے دوسرے پیشوں میں ان کی کامیابی کی راہ میں تعلیم اور ملازمت سے بھی زیادہ موانع حائل ہیں۔ بلاشبہ اس صوبہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر پیشہ میں کثرت سے نظر آتے ہیں مگر افسوس کہ سرمایہ کی کمی سے وہ طبقہ اسفل میں اترتے چلے جا رہے ہیں برخلاف اس کے دوسری قومیں طبقہ اعلیٰ میں چڑھتی چلی جا رہی ہیں مثلاً معمولی قسم کی زراعت میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے زیادہ ہے مگر چائے قہوہ ربڑ اور نیل کی کاشت میں جو زیادہ

قیمتی ہیں اور جن میں زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے دیگر اقوام کے ۳,۸۴۰ افراد کے مقابلہ میں مسلمان صرف ۲۹۰ یا آٹھ فی صدی ہیں۔

مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ مال تیار کرنے میں وہ دیگر اقوام سے آگے مگر تجارت سے نفع اٹھانے میں پیچھے ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ حسب ذیل اعداد سے ہو سکے گا۔

الف۔ تیل	تیل نکالنے والے	تیل بیچنے والے
مسلمان	۱,۴۴,۶۲۹	۱,۸۴۰
دیگر اقوام	۲,۴۸۸	۶,۰۸۸

یعنی مسلمانوں میں تیل نکالنے والوں کی تعداد دیگر اقوام سے اٹھاون گونہ اور تیل بیچنے میں ایک ثلث سے بھی کم ہے۔

ب۔ کپڑا	کپڑا بننے والے	کپڑا بیچنے والے
مسلمان	۵,۰۸,۹۱۳	۴۳,۰۸۰
دیگر اقوام	۲,۴۷,۰۸۸	۸۶,۹۴۰

یعنی کپڑا بننے میں مسلمان دو گنے سے زیادہ مگر اُسے بیچ کر اصلی نفع اُٹھانے میں نصف ہیں۔

ج۔ لوہا	لوہے کا کام کرنے والے	لوہے کا سامان بیچنے والے
مسلمان	۱,۶۳,۳۹۳	۸۶۵
ہندو	۷۵,۷۶۳	۷۶۰۳

یعنی ہتھوڑا بجانے میں مسلمان دو گنے سے زیادہ ہیں مگر لوہے کی تجارت سے

نفع اُٹھانے میں آٹھویں حصہ سے بھی کم ہیں۔

د۔ شراب مسلمانوں میں شراب کشی اور شراب فروشی دونوں یکساں ممنوع ہیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ شراب کشی اور تمباکو گانجہ تیار کرنے میں مسلمان دوسروں سے چوگنے اور شراب فروشی میں جس میں سوڈا لیمنیڈ کی دکانیں بھی شامل ہیں مسلمان ایک ثلث ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:-

	شراب کشی	افیون گانجہ تمباکو بنانا	شراب فروشی مع سوڈا لیمنیڈ
مسلمان	۱۵۴۳	۲۹۵	۱۸۴۰
دیگر اقوام	۱۰۴	۱۳۸	۴۰۸۸

یہی حال سود کی داد و ستد میں ہے جس کی نسبت انجمن ہائے امداد باہمی کے ایک افسر سے مجھے معلوم ہوا کہ پنجاب کے مسلمان ساڑھے بارہ کروڑ روپیہ سالانہ سود میں دیتے ہیں۔ مگر سود لینے میں بمنزلہ نفی کے ہیں۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جن کاموں کو وہ ناجائز سمجھتے ہیں ان میں سے بھی وہ چھانٹ کر ایسے کام اختیار کرتے ہیں جن میں نفع کی کوئی صورت نہ نکلتی ہو۔

۸۔ صنعت و تجارت کا تعلق میں چاہتا تھا کہ صنعت اور تجارت کے اعداد جدا جدا دکھاتا مگر ان دونوں شعبوں میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہے۔ ایک بڑا دولت مند شخص ایک عظیم الشان کارخانہ قایم کر کے اس میں مال بھی تیار کر سکتا ہے اور اس کی بکری کا انتظام بھی کر سکتا ہے یعنی اگر دولت کی

افراط ہو تو صنعت اور تجارت دونوں ایک ساتھ چل سکتی ہیں مگر مسلمان چونکہ غریب ہیں اس لیئے وہ بالعموم دونوں میں سے صرف ایک کام اختیار کر سکتے ہیں اور وہ بھی ادنیٰ قسم کے۔ برخلاف اس کے دیگر اقوام کے لوگوں کو بوجہ سرمایہ دار ہونے کے یہاں اس امر کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ بذات خود مال تیار کرنے کی تکلیف اُٹھانے کے قصے میں پڑیں وہ اپنے روپیہ کے زور سے غریب کاریگروں کے مال پر قابض ہو کر ہر وقت اُس سے تجارت کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مسلمان کاریگروں کی تعداد زیادہ اور تاجروں کی تعداد کم ہے۔

جیسا کہ حسب ذیل اعداد سے معلوم ہوگا۔

	صنعت و حرفت میں	تجارت میں
مسلمان	۲۶,۰۳,۷۰۰	۴,۱۹,۳۰۳
دیگر اقوام	۲۲,۳۰,۴۶۸	۱۳,۰۳,۳۲۷

یعنی مسلمان، صنعت و حرفت میں بقدر چار لاکھ کے زیادہ ہیں مگر تجارت میں دیگر اقوام سے ایک ثلث سے بھی کم ہیں۔

۹۔ اعلیٰ اور ادنیٰ تجارتوں میں مسلمانوں کا تناسب

اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ بالعموم اعلیٰ تجارت میں کم اور ادنیٰ میں زیادہ ہیں مثلاً جواہرات وغیرہ کی تجارت میں مسلمان نصف سے کم، انگریزی دوا فروشی۔ رنگ روغن پیٹرول وغیرہ کی تجارت میں ایک ثلث سے کم مگر چیتھڑوں کی تجارت میں

پانچ گونہ سے زیادہ ہیں۔

۱۰۔ ادنیٰ کاری گری البتہ اکثر ایسے پیشے بھی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے مثلاً قالین اور کپڑا بننے والے فرنیچر تیار کرنے والے، آتش بازی بنانے والے، مگر یہی لوگ وہ ہیں جو واقعی طور پر سرمایہ داروں کے غلام ہیں، وہ اپنا مال تیار کرنے کے لیئے تمام سامان، سرمایہ داروں سے اُدھار لاتے ہیں جو گراں ملتا ہے اور اس پر سود دیتے ہیں اور مقروض ہونے کی وجہ سے اپنا تیار کردہ مال بھی اپنے مہاجن کو دینے پر مجبور ہوتے ہیں جو اونے پونے دام لگا کر اُن سے کل مال لے کھو لیتا ہے اور آئندہ کام چلانے اور کھانے پینے کے لیئے غریب کاری گر پھر اُسی سے قرض لاتے ہیں اور مدت العمر وہ قرضداری کے دائرہ میں مثل کولھو کے بیل کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔

۱۱۔ ساہو کاری انھیں غریب کاری گروں اور دوکانداروں کے خون سے دیگر اقوام میں مہاجنوں۔ ساہو کاروں اور کوٹھی والوں کی جماعت مرتب اور تیار ہوتی ہے جن کے ہاتوں میں تمام ملک کی صنعت و تجارت ہے۔ پنجاب میں جو لوگ روپیہ کا کاروبار کرتے ہیں یا مہاجنی کوٹھیوں سے دلالی وغیرہ کا تعلق رکھتے ہیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

مسلمان	۱۳,۱۱۷
دیگر اقوام	۱,۵۳,۵۰۲

یعنی اس مد میں مسلمان صرف بارھواں حصہ دیگر اقوام کا ہیں بارھواں حصہ بھی محض اس لیئے ہی کہ اس میں دلال شامل ہو گئے جو دکاندارون ادساہوکاروں سے قرض دلاتے رہتے ہیں ورنہ اس مد میں مسلمان بالکل نفی میں ہوتے۔

۱۲۔ کارخانہ داری مسلمانوں کو جب سب طرف سے دھکے ملتے ہیں تو انھیں شوق ہوتا ہی کہ اپنے بچّوں کو دستکاری اور صنعت وحرفت سکھائیں مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہی مسلمان کاری گروں کی تعداد پہلے ہی کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہی مگر جب تک کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں کارخانے کثرت سے نہ ہوں محض کاری گروں کی کثرت تعداد سے کیا فائدہ ہوسکتا ہی۔ مردم شماری کی رپورٹ میں کاری گروں کی تعداد ذاتوں کے اعتبار سے بھی دی گئی ہی اور چوں کہ مسلمانوں میں شیخوں کی اور ہندوؤں میں کھتریوں کی تعداد زیادہ ہی اور دونوں شریف ہیں اس لیئے کاری گری اور کارخانہ داری میں دونوں کی تعداد کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ذات	مردم شماری	کاری گر	مالکان کارخانہ	مہتمان کارخانہ
کھتری	۳۹۳۰۰۰	۳,۰۹۶	۳۰۱	۳۲۹
شیخ	۲۵۷۰۰۰	۶,۲۲۴	۵۵	۶۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہی کہ باوجود سے کہ شیخ تعداد میں کھتریوں سے کم ہیں تاہم کاری گروں میں اُن سے دوگنے اور ملکیت کارخانجات میں پانچویں

سے بھی کم میں اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ سرمایہ اُن کے پاس نہیں اور جب تک
کہ سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ آئے گا وہ ہزار کوششیں کریں محنت
کرتے کرتے ختم ہو جائیں تجارت و صنعت کا صرف چھپا کا اُن کے پلّے
پڑے گا اور گویا سرمایہ دار اقوام کے ہاتوں میں جاتا رہے گا۔

۱۴۔ صنعت و سرمایہ کا تعلق

میں نے ایک بار مسلم آؤٹ لک میں صنعت و حرفت کے متعلق ایک
نہایت ٹھوس اور مختصر مضمون دیکھا تھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ صنعت
کے تین اجزاء ترکیبی ہیں۔

(۱) انجنیر (۲) کاری گر (۳) سرمایہ

انجنیر سے مراد موجد سے ہی۔ انجنیر تیار ہونے کی صورت یہ
ہی کہ یا تو طلبا کو وظائف دیے کر صنعتی تعلیم کے لیئے غیر ممالک کو بھیجا
جائے۔ ورنہ ہندوستان میں عظیم الشان کارخانے اور صنعتی یونیورسٹیاں
Technological Institute
قایم کر کے اُن میں یورپ اور امریکہ سے ماہر انجنیر بلائے جائیں جو یہاں
کے طلبا کو کام سکھائیں۔ ان دونوں کاموں کے لیئے کثیر سرمایہ کی ضرورت
ہوتی ہی اور کارخانے چلانے کے لیئے سرمایہ لازمی چیز ہی ہی۔ مگر چوں کہ
مسلمان مفلس ہیں اس لیئے انجنیر اور سرمایہ دونوں ان کی دسترس سے
باہر ہیں اب صرف تیسرا جزو یعنی کاری گر باقی رہ جاتے ہیں جن کی
اُن میں پہلے ہی کمی نہیں۔ ان کی تعداد بڑھا کر یہ توقع کرنا کہ ملک کی

صنعت وحرفت مسلمانوں کے ہاتوں میں آجائے گی اِس کی مثال بالکل اس شخص کی مانند ہی جسے راستہ میں گھوڑے کا ایک پرانا نعل پڑا مل گیا تھا اُس نے کہنا شروع کیا کہ بس اب صرف تین نعل اور ایک گھوڑے کی کسر باقی ہی۔

۱۴۔ اوّل پیشے حاصل کرنے کا مشورہ مگر جو لوگ مسلمانوں کی اصلی حالت سے واقف ہیں وہ اب بھی صنعت وحرفت کو مسلمانوں کی دسترس سے باہر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بڑے آدمی کا خیال ہی کہ اول مسلمان ڈاکٹری، انجینیری اور قانون کے پیشوں کو اختیار کرکے دولت جمع کرلیں اور جب دولتمند ہوجائیں گے تب وہ وقت صنعتی وحرفتی تعلیم کے لیئے زیادہ مناسب ہوگا کیوں کہ اُس وقت ہم اس قابل ہوں گے کہ کارخانے اور تجارتی کوٹھیاں کھول سکیں مگر دقّت یہ ہی کہ اس زمانہ میں قانون، طب اور انجینیری بھی بغیر روپیہ کے نہیں حاصل ہو سکتیں اور اسی وجہ سے مسلمان ان پیشوں میں روز بروز کم ہورہے ہیں حالاں کہ پہلے زمانہ میں یہ سب پیشے مسلمانوں سے مخصوص تھے۔ بہر حال ان پیشوں یا ملازمتوں سے جب تک کہ مسلمان اتنا کما پائیں گے کہ وہ سرمایہ دار بنیں تب تک تو وہم "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مُردہ شود" کی مثل صادق آجائے گی۔

۱۵۔ گداگری ممکن ہی کہ بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے کہ اگر ملک کی تجارت وصنعت اور سرمایہ داری میں ہمارا حصہ نہ ہوگا تو

ہم مر تو نہ جائیں گے۔ اگر ہم سوسائٹی کے اعلےٰ طبقہ میں نہیں ہیں تو ادنیٰ ہی میں سہی۔ ہمارا دین و ایمان سلامت رہنا چاہیئے اور بس مگر کاش اسی پر بس ہوتی اور جہاں ہم ہیں وہیں رہتے۔ رونا تو یہ ہے کہ ادنیٰ پیشوں میں اور سرمایہ داروں کی غلامی میں بھی ہمارا قایم رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ بلکہ ہم افلاس کی وجہ سے اس سے بھی نیچے کے درجہ میں اُتر رہے ہیں اور ہمارا دین و ایمان بھی خطرہ میں پڑ رہا ہے۔ چنانچہ مردم شماری کی رپورٹ کے اس خانہ میں جس میں گداگروں، اور آوارہ گردوں، کسبیوں اور قرموں کی تعداد قوم وار دکھائی گئی ہے مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے بدرجہا زیادہ ہے۔ وہ اعداد حسب ذیل ہیں:۔

	مسلمان	دیگر اقوام
(۱) گداگر اور آوارہ گرد	۴,۳۸,۹۵۷	۱,۵۱,۵۷۵
(۲) قرمّم و کسبیاں	۱,۷۹۶	۲۵۹

یعنی مردم شماری میں مساوی یا کسی قدر زیادہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی تعداد گداگروں میں تین گونی اور قرموں اور کسبیوں میں سات گونی ہے۔

ایک نہایت افسوسناک امر یہ ہے کہ اس خانہ میں مسلمان شرفا کی تعداد جس میں شیخ، سید، مغل، پٹھان شامل ہیں ہندو شرفا کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ ہے۔

البتہ خیرات لینے والوں کی ایک مد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو

زیادہ ہیں اور یہ سادھوؤں اور درویشوں کی جماعت ہی جو تیرتھ گاہوں میں
اور دھرم سالوں اور معبدوں میں رہتی ہی اور جس کی تعداد ہندوؤں میں
بمقابلہ مسلمان درویشوں اور فقرا کے تین گونی ہی۔ یہ لوگ ضرورت مند گداگروں
سے بالاتر ہیں اور اہل ہنود میں وہ نہایت خوش حال ہیں۔ اُن کی زیادتی
دولت اور زیادتی تعداد کی بڑی وجہ یہ ہی کہ اُن کی قوم دولت مند ہی
جو ان کی خدمت کرتی ہی۔ پنجاب کے اضلاع کے بند و بست کی رپوٹیں
میرے سامنے نہیں ہیں۔ البتہ میں ضلع سہارن پور کے متعلق جو پنجاب سے
متصل ہی یہ عرض کر سکتا ہوں کہ گزشتہ بند و بست کی رپورٹ سے معلوم
ہوا کہ گزشتہ تیس سال میں ہنود فقرا جوگیوں اور گوشائیوں کی جائدادیں
بقدر سترہ فی صدی کے بڑھ گئیں مگر سادات کی جائدادیں بقدر گیارہ فیصدی
کے گھٹ گئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ دیگر اقوام میں خیرات لینے والی ذاتیں بھی
دولت اور جائداد میں ترقی کر رہی ہیں۔ برخلاف اس کے مسلمانوں میں
اعلیٰ ذاتیں بھی اپنا ہر ہر قدم افلاس کی طرف بڑھا رہی ہیں۔

۱۶۔ نو مسلم گداگر۔ سب سے آخر میں وہ اعداد پیش کرنا چاہتا ہوں جنھیں
سُن کر تمام مسلمانوں کو اور خاص کر اُن بزرگوں کو جو
مذہبی اشاعت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں سخت حیرت ہوگی۔ اس کی تفصیل
یہ ہی کہ اس صوبہ میں بعض ایسی ذاتیں ہیں جن کا ایک حصہ عرصہ دراز سے
مسلمان ہی باقی ماندہ بدستور ہنود اور سکھ چلا آتا ہی۔ مثلاً جاٹ ہنود ہیں

سکھ ہیں اور سینتالیس فی صدی مسلمان ہیں۔ مردم شماری کے اُس خانہ میں جس میں گداگروں۔ آوارہ گردوں اور کسبیوں کی تعداد دکھائی گئی ہے۔ جاٹ مسلمان مردوں کی تعداد اٹھارہ ہزار اور عورتوں کی پندرہ ہزار درج ہے اور ہندو اور سکھ جاٹوں میں یہ خانہ خالی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی تعداد مردوں میں ایک ہزار سے اور عورتوں میں ایک سو سے کم ہے۔ ذیل میں ان تمام ذاتوں کی تعداد مع تفصیلات کے درج کیجاتی ہے

نام ذات	مردم شماری	مرد	عورت
جاٹ مسلمان	۴۷ فی صدی	۱۸,۰۰۰	۱۵۰۰
جھینور مسلمان	۲۵ "	۹,۰۰۰	۴۶۰۰
جولاہہ مسلمان	۹۰ "	۱۴,۰۰۰	۳۲۰۰
کمبوہ مسلمان	۴۰ "	۱۱,۰۰۰	۱۶۰۰
کمہار مسلمان	۶۷ "	۱۲,۰۰۰	۲۵۰۰

بے شک بعض نومسلم ذاتیں مثل راجپوتوں، گوجروں، لوہاروں اور نائیوں کے ایسی بھی ہیں جو ان ذاتوں کے ہندوؤں کی طرح ان شرمناک کاموں میں نہیں ہیں۔ تاہم مندرجہ بالا پانچ ذاتوں کے متعلق مسلمانوں کو غور کرنا پڑیگا کہ وہ کیا وجوہ ہیں جن سے ایک ہی ذات کے لوگ جو مسلمان ہیں وہ تو کثرت کے ساتھ آوارہ گرد۔ گداگر وغیرہ ہیں اور جو غیر مسلم ہیں ان کی تعداد ان شرمناک پیشوں میں بمنزلہ نفی کے ہے جن بزرگوں نے ان ذاتوں اور قوموں میں تبلیغ کا کام کیا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو حل کر سکیں گے۔

میں پار سال ضلع میرٹھ میں جاٹ مسلمانوں کے ایک جلسہ میں گیا تھا جس میں کئی ہزار مسلمان جمع تھے اس موقع پر ایک مولوی صاحب موجود تھے جنھوں نے رقبہ ارتداد میں عرصہ تک کام کیا تھا۔ فرمانے لگے کہ ان لوگوں کو اسلام پر قایم رکھنے کے لیئے فضائل اسلام سنانے کے مقابلہ میں ذرائع معاش بتانا اور انھیں سرمایہ داروں کی غلامی سے نکالنا بدرجہا زیادہ مفید ہوگا۔

ممکن ہی کہ تحقیق و تفتیش سے ان فاقوں کے مسلمانوں کے اخلاقی تنزل کے کوئی اور وجوہ معلوم ہوں مگر سرسری نظر سے تو یہی معلوم ہوتا ہی کہ افلاس نے اُن سے تمام اخلاقی محاسن کو فنا کر دیا ہی اور وہ اپنی شکم پری کی خاطر ایسے ناپاک اور حیا سوز مشاغل اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جو مسلمانوں کے لیئے باعث شرم و ندامت ہیں۔ بہر حال ہماری کم مائگی اور اخلاقی تہی دستی اور عام انحطاط کی جب یہ حالت ہی تو دیگر اقوام کے لیئے وہ کونسی وجہ ترغیب ہی جو اُن کو ہماری طرف مائل کرے اور ہمیں کیا حق ہی کہ کھاتے پیتے لوگوں کو مسلمان کر کے انھیں اپنی طرح مفلس و قلاش بنائیں۔

۱۷۔ اقتصادی کمزوری کا علاج

بڑا افسوس یہ ہی کہ مسلمان بعض ظاہری باتوں سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن کی حالت بہتر ہو رہی ہی۔ دس بیس سال کے عرصہ میں اگر وہ تعلیم میں یا چند ملازمتوں میں اپنی تعداد میں کچھ اضافہ دیکھتے ہیں تو اس سے

خوش ہو کر حساب لگاتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں وہ دیگر اقوام کو پکڑ لیں گے مگر میں کہتا ہوں کہ اقتصادی حالت کی کمزوری کی وجہ سے کسی قوم کا پکڑ لینا تو درکنار مسلمان بہ حیثیت قوم کے خود زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور زندہ نہ رہنے کے یہی معنی ہیں کہ وہ طبقہ اسفل میں اُترتے چلے جائیں جیسا کہ غیر محسوس طریقہ سے اُتر رہے ہیں۔ میں نے اسی حالت کو ایک موقع پر ان الفاظ میں عرض کیا تھا کہ "مسلمانوں کی تعلیم صنعت و حرفت، زمینداری اور کاروباری ترقی کی ٹرین کا انجن اس وقت پانی اور کوئلہ کا سرمایہ کم ہو جانے سے دھیما ہوتا جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ رک کر کھڑا ہو جائے اور سب طرف سے ڈاکو جمع ہو کر اُس ٹرین کے مسافروں کو لوٹ لیں اور اس کا خاتمہ کر دیں۔ نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی ٹرین کچھ عرصہ سے رُک کر کھڑی ہو چکی ہے اور اس کی بعض گاڑیاں لٹ رہی ہیں اور لٹنا یہ ہے کہ غرباء کے طبقہ میں ہمارے بھائی کچھ تو علانیہ اور کچھ خاموشی کے ساتھ جن کا ہمیں پتہ نہیں اشد ھی کیے جا رہے ہیں اُنھیں بچانے کے لیے تبلیغی جماعتیں دوڑیں اور جہاں تک اُن کے امکان میں تھا اُنھوں نے کیا۔ مگر اب سرمایہ ختم ہو جانے کی وجہ سے پسپا ہو رہی ہیں اور غریب مسلمانوں کو اُن کے حال پر چھوڑنے پر مجبور ہیں۔

۱۸۔ افلاس کا علاج

جس درجہ پر مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری پہونچ چکی ہے اور جو اس کے خراب نتائج عنقریب پیدا ہونے والے ہیں۔ اس کا پورا اندازہ تو مسلمانوں کو ہی نہیں البتہ

انھیں عام مالی انحطاط کا احساس کچھ نہ کچھ ضرور ہی۔ اس لیئے مختلف علاج پیش کیئے جاتے ہیں۔ کبھی خیال ہوتا ہی کہ مسلمانوں کو اپنی مسرفانہ رسوم میں اصلاح کرنی چاہیئے کبھی کفایت شعاری کا ارادہ کیا جاتا ہی۔ کبھی صنعت و حرفت کے اسکول قایم کیئے جاتے ہیں۔ کبھی خاص مسلمانوں کی دُکانیں کھولی جاتی ہیں اور عہد کیا جاتا ہی کہ غیر مسلموں کی دوکانوں سے کبھی سودا نہ خریدیں گے۔ حالانکہ عام دوکانوں کے اجزا ترکیبی غیر مسلموں ہی سے سود پر لیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمان تاجروں کی جان غیر مسلم سرمایہ داروں کی مٹھی میں رہتی ہی جب وہ ذرا اپنی مٹھی دبا دیتے ہیں تو مشرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک مسلمان تاجروں کے دوالے نکلنے اور اُن کے کاروبار بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ کفایت شعاری کرنے اور دُکانیں وغیرہ کھولنے کی جو تدابیر پیش کی جاتی ہیں ایک حد تک مفید ضرور ہیں مگر چونکہ وہ محض سطحی علاج ہیں اس لیے کچھ ہوتا ہواتا نہیں اور ہر کوشش کے بعد حالت پہلے سے بدتر ہو جاتی ہی۔ میرے نزدیک مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کا جو علاج ہی اُسے اس وقت پیش کرنے کا نہ وقت ہی اور نہ موقع البتہ بزرگان قوم کی اگر کوئی کمیٹی اس مسئلہ کی تحقیقات کے لیئے مقرر کی جائے تو میں اس کے سامنے اپنی تجاویز پیش کرنے کو تیار ہوں۔

آخر میں عرض ہی کہ قوم کی واقعی حالت جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہی اس سے آپ کو ضرور تکلیف ہوئی ہو گی مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ کسی خوشی سے نہیں بلکہ نہایت دلی تکلیف اور

حد درجہ کی مجبوری سے عرض کیا ہے۔ بے شک بعض امراض کی توضیح کرنے میں تفضیح کا اندیشہ ہوتا ہے مگر مرض کا چھپانا بدتر بلکہ اور زیادہ مضر ہوتا ہے۔ اس لیئے میں نے اس کا ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔

اُمید کہ آپ میری کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کو نظرانداز فرماویں گے

۱۹۔ عملی تجاویز

مندرجہ بالا مضمون انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں پڑھا گیا۔ جسے سُن کر حاضرین نے طے کیا کہ اُسے زیادہ تعداد میں چھاپ کر تقسیم کیا جائے اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کچھ عملی تجاویز پیش کروں۔ میرے نزدیک افلاس کے سیلاب نے ہر طرف سے مسلمانوں کو اس طرح گھیرا ہے کہ اُن کی کوئی جماعت اس سے محفوظ نہیں۔ ہماری قوم کے امیر و غریب دین دار اور دُنیا دار، علما اور درویش، کوآپریٹر اور نان کوآپریٹر سب کے سب یکساں خطرے میں ہیں اور کم و بیش اس خطرے کو محسوس کر کے جو جس سے بن پڑتا ہے کر رہا ہے کوئی اشاعت تعلیم کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا صنعت و حرفت اور تجارت کی ترویج کی۔ کوئی مختلف قوموں میں باہمی اتحاد و اتفاق کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا تبلیغ و اشاعت مذہب کی، مگر باوجود ہر قسم کی امکانی تدابیر کے قوم کی کشتی بدیہی طور پر پانی میں اتری چلی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں وہ باعتبار نتیجہ کے دیر طلب ہیں۔ اس لیئے ان تدابیر کو بدستور جاری رکھنے کے ساتھ اس امر کی صرف ضرورت ہی نہیں بلکہ عین وقت ہے کہ ایک جماعت خاص مالی مسئلہ کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے کر

قومی کشتی کو ڈوبنے سے بچائے۔ اس کے لئے صدر مقام لاہور میں ایک مرکزی جماعت قایم کرنی پڑے گی مگر اُس کے قیام کے انتظار میں افراد کو اپنا کام ملتوی نہ کرنا چاہیے بلکہ ہر مقام کے مسلمان اپنے ضلع یا شہر، قصبہ یا گاؤں بلکہ محلہ میں ایک "انجمن فلاح المسلمین" کے نام سے یا کسی اور نام سے قایم کریں اور اس میں مثلاً ذیل کے طریقے اختیار کریں۔

(۱) سرکاری رپورٹوں اور ذاتی تحقیقات سے مقامی مسلمانوں کے اقتصادی، صنعتی اور تجارتی حالات مرتب کریں۔

(۲) مقامی حالات کے اعتبار سے وہ طریقے تجویز کریں جن سے جملہ شعبہ جات زندگی میں مسلمانوں کی مالی حالت درست ہو۔ اس قسم کے طریقوں کے متعلق میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ ضرورت ہو تو محصول ڈاک کے لئے آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیج کر مجھ سے منگالیں۔ رسالہ کا نام مسلمانوں کی مالی اصلاح ہے۔

(۳) مسلمانوں کو کفایت شعاری سکھانے کے لئے مثلاً اس قسم کے طریقے جو مشورے سے طے ہوں اختیار کریں۔

(الف) قرضداری اور سود دینے کے خراب نتائج سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور جو لوگ مقروض ہیں اُن سے مل کر انھیں مناسب مشورے دینا۔

(ب) عام طور پر تقریروں کے ذریعہ سے لوگوں کو حساب لگا کر بتانا کہ مثلاً ایک سو روپیہ کا سودی قرضہ دس سال میں بڑھ کر کتنا ہو جاتا ہے مسلمانوں کو بالعموم معلوم نہیں ہوتا کہ سال و رسود در سود، اور ششماہی

سہ ماہی اور ماہوار سود در سود میں کوئی زیادہ فرق ہو۔ اس لیئے دستاویزیں لکھتے وقت وہ ان جزئیات کی کچھ پروا نہیں کرتے بس حساب لگا کر انھیں ان کا فرق بتانا۔ تاکہ قرض لینے وہ ان امور کا خیال رکھیں۔

(ج) قرضہ سے جو مسلمان برباد ہوتے ہیں اُن کے حالات سے واقف رہنا اور دوسرے مسلمانوں کو اُن سے آگاہ کرنا تاکہ انھیں عبرت ہو اور وہ قرضداری سے بچیں۔

(د) مختلف برادریوں میں یہ قانون پاس کرانا کہ جو شخص مقروض ہو اس کی کسی دعوت یا تقریب میں اس کا کھانا قبول نہ کیا جائے جب تک کہ وہ قرضہ سے سبکدوش نہ ہو۔

(ہ) گھروں میں اور اسکولوں میں بچوں کو کفایت شعاری کے انعامات دینا۔

(و) مسلمانوں کو ایسے طریقے بتانا جن سے وہ افراد کا سبب نہیں اور ان کی مالی حالت درست ہو۔

(ز) اور سب سے آخر مگر سب سے اہم اور ضروری یہ امر ہے کہ مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار اور داد وستد عام طور پر جاری کرانے کی کوشش کرنا، انجمن ہائے امداد باہمی اور بینک قائم کرنا۔

(۴۳)

بار برداری کے اونٹ اور مسلمان

میں ایک روز سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ ایک میدان میں میں نے بہت سے اونٹ دیکھے۔ اونٹوں کے پاس بڑے بڑے لکڑی کے صندوق. غلہ کے بورے اور چھوٹے بڑے خیمے اور مختلف قسم کی چیزیں پھیلی پڑی تھیں۔ کچھ اونٹ تو لد لدا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ لدتے اور بلبلاتے جاتے تھے۔ کچھ اپنا بوجھ دیکھ کر شور کر رہے تھے اور کچھ زمین پر چاروں ٹانگیں پھیلائے پڑے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آنے والی مصیبت سے کس قدر خائف ہیں۔

ان اونٹوں کی بے بسی دیکھ کر اور ملک عرب سے اونٹوں کی مناسبت خیال کر کے بے اختیار مسلمانوں کی محنت و مشقّت اور ان کی مفلسانہ زندگی کا سماں میری آنکھوں کے سامنے آ گیا جس طرح اونٹ زیادہ سے زیادہ بوجھ اُٹھا کر اور اس کے بدلے میں محض درختوں کے پتے اور سوکھی جھاڑیاں کھا کر خوش حال بیوپاریوں اور تاجروں کی دولت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی سخت سے سخت مشقت اور غربت کی زندگی بسر کر کے سرمایہ داروں کے گھروں کو دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

یہ کس طرح ہوتا ہے؟ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ایک جولاہہ کسی مہاجن سے سوت اُدھار لاتا ہے جو بازار کے عام نرخ سے گراں ہوتا ہے۔ تمام دن خود

اور بیوی بچّوں کو لگا کر جو کپڑا تیار کرتا ہے وہ اپنے قرض خواہ کے پاس لے جاتا ہے جو اس تھان کو رکھ کر جو دام چاہے لگاتا ہے اور جولاہے کو کھانے کے لئے کچھ دام دے کر رخصت کر دیتا ہے جس طرح جولاہہ مدت العمر اپنے مہاجن کے جنگل میں پھنسا رہتا ہے۔ اسی طرح تمام مسلمان کاریگر خواہ کشمیر میں شال دوشالے بناتے ہوں یا ڈھاکہ میں باریک ململ بنتے ہوں دہلی میں زردوزی کا کام کرتے ہوں، یا بنارس میں ریشمین کپڑے تیار کرتے ہوں، سرمایہ داروں کے غلام ہیں اور انھیں اونٹوں کی مانند ہیں جو تاجروں کے مال کی باربرداری کرکے ان کی دولت و ثروت بڑھاتے ہیں اور خود نیم کے کڑوے پتّوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ کوئٹہ میں جہاں انگور، سردہ اور لذیذ ترین میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ وہاں سے لاکھوں من میوہ ہزاروں من برف میں محفوظ ہو کر پارسل ٹرینوں میں ریگستان کی گرد اور گرمی کو بے کھٹکے طے کرتا ہوا تمام بڑے شہروں میں ملک کے دوسرے کنارے تک اس کثرت سے پہونچتا ہے کہ سبزی منڈیوں میں ہر طرف انگور اور میوہ ہی میوہ نظر آتا ہے۔ مگر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ خود کوئٹہ کے غریب مسلمانوں کو میوہ جات کی پارسلیں ڈھونے میں اتنا ہی ملتا ہے کہ وہ روکھی سوکھی روٹی اور سڑے گلے پھلوں سے شکم پوری کرلیں اور اتنا نہیں ملتا کہ اپنے ملک کے تر و تازہ میوہ جات سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

نہ صرف مسلمان مزدوروں اور کاریگروں اور کسانوں کا یہ حال ہے بلکہ بڑے بڑے زمیندار اور تاجر اپنی کمائی کا بیشترا حصہ سرمایہ داروں کو

تذکر کرنے پر مجبور ہیں اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی تمام قوم مثل بار برداری کے اونٹوں کے سخت ترین زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس حالت سے نکلنے کا علاج بجز اس کے نہیں ہے کہ مسلمان روپیہ کا کاروبار کریں، انجمن ہائے امداد باہمی اور بینک قایم کریں اور روپیہ کا بچانا اور بڑھانا سیکھیں۔ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

سنہ ۱۹۲۶ء

(۲۴)

سود مند کا ماضی اور مستقبل

۱۔ سود مند کے تین دور۔ سود مند کو جاری ہوئے اگرچہ صرف چھ ماہ گزرے ہیں مگر مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح کے سلسلہ میں تبلیغ و اشاعت کا کام سنہ ۱۹۲۰ء سے جاری ہے جس کو چھ سال کا زمانہ ہو چکا ہے۔ اس تحریک کا پہلا دور کتابوں کی اشاعت سے ہوا جن میں سب سے پہلی کتاب "مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل" تھی جو علمائے کرام، رہبران قوم اور ایڈیٹران اخبارات کی خدمت میں بھیجی گئی۔ اس کے دو سال بعد "سود ساہوکاروں کی غلامی اور مسلمان" اور اس کے بعد "جواز سود" اور "مسلمانوں کی مالی اصلاح" دس ہزار سے زیادہ تعداد میں ملک میں تقسیم ہوئیں۔ دوسرا دور اخبارات میں مضامین

کی اشاعت کا تھا جس میں مسئلہ سود پر اختلافی مضامین کا اور قلمی مباحثوں کا خوب چرچا رہا۔ اور تیسرے دَور کو عملی دَور کہنا بجا ہوگا جب کہ یکم جون ۱۹۲۵ء سے سود مند جاری ہوا اور اس کے اثر سے بعض مقامات میں مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار جاری ہونا شروع ہوا۔

۲۔ سود سے مسلمانوں کی بربادی

اس تحریک کے شروع میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ مسلمانوں کے نزدیک "سود" کا لفظ ربوا کا مرادف سمجھا جاتا تھا اور ایسا ہی مکروہ تھا جیسا کہ دنیا کی جملہ دیگر اقوام کے نزدیک کسی زمانہ میں رہ چکا تھا دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں مثل مسلمانوں کے سود حد درجہ ممنوع اور معیوب نہ سمجھا جاتا ہو۔ کیوں کہ اس زمانہ میں روپیہ بالعموم ذاتی ضروریات کے لیئے قرض لیا جاتا اور غیر نفع آور کاموں میں صرف ہوکر قرض لینے والوں کی تباہی اور بربادی کا باعث ہوتا تھا مگر امتداد زمانہ سے روپیہ کثرت کے ساتھ نفع آور کاموں میں لگ گئے دائن اور مدیون دونوں کے لیئے سراسر مفید ثابت ہونے لگا اور اس سراسر فائدہ کو دیکھ کر دیگر اقوام و مذاہب نے تجارتی سود کو ربوا سے ممیز کر کے اس کا نام انٹرسٹ رکھا اور اس کو قانوناً اور مذہباً جائز قرار دے دیا۔

زمانہ سابق میں ہر طرف مسلمانوں کی سلطنتیں عروج پر تھیں اور ان کا دارومدار تجارت اور سود پر نہ تھا اس لیئے انھیں اس مسئلہ کے حل کرنے کی طرف توجہ نہ ہوئی جس کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ مسئلہ لاینحل رہا اور اس نے

بالآخر مسلمانوں کو برباد کرکے چھوڑا اور نہ صرف اُن کی زمینداریاں بلکہ سلطنتیں تک سب اسی سود مردود کے نذر ہو گئیں۔

ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی بربادی کے بعد بعض علماء کرام کو مثل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے اس مسئلہ کی طرف توجہ ہوئی اور انھوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر کچھ فتوے سود کے جواز میں دیئے مگر چوں کہ وہ قوم کے انحطاط کا وقت تھا اس لیئے افراد قوم نے عام طور پر اُن فتووں پر عمل درآمد نہیں کیا جس نے مسلمانوں کی رہی سہی زمینداریوں اور تجارت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ مگر دوسری قوموں کی ترقی کی غیر معمولی رفتار اور اپنے انتہائی تنزل کو محسوس کر کے مسلمانوں میں کچھ عرصہ سے ایک حرکت پیدا ہوئی جس کو حرکت مذبوحی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ کیوں کہ بلالحاظ اس اندازہ کے کہ مقصود کیا ہے ذبیحہ نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیئے۔ چنانچہ گزشتہ پچاس سال سے کوئی تدبیر اور کوئی نسخہ ایسا نہیں جس کا مسلمانوں نے تجربہ نہ کر لیا ہو تعلیم، سیاسیات، پین اسلامزم، اسلامی ممالک کی طرف رجوع، صنعت و حرفت کا چرچا، اپنی دوکانیں کھولنے کا ولولہ، برادران وطن اور سلطنت سے کبھی محبت و اتحاد اور کبھی نفرت و بیزاری۔ غرضکہ سب کچھ کر لیا اور سب کچھ کر رہے ہیں۔ مگر باایں ہمہ ہر شخص کو بدیہی طور پر محسوس ہو رہا ہے کہ ہم گر رہے ہیں، پس رہے ہیں، مٹ رہے ہیں دوسروں میں جذب ہو رہے ہیں اور ختم ہو رہے ہیں۔

۳۔ سود مند کا کام

"سود مند" نے آکر با آواز بلند کہا کہ ہر نا کامی کی تہ میں وہی سود کا مسئلہ ہے جسے دیگر اقوام و مذاہب صدیوں پہلے طے کر چکے اور "ربوا" کو جو زہر ہلاہل تھا "انٹرسٹ" یا "تجارتی سود" میں منتقل کر کے اُسے "امرت" بنا چکے۔

خدا کا شکر ہے کہ "سود مند" کی اس صدا پر جا بجا سے لبیک کی صدائیں آئیں۔ ہر طرف سے ہزاروں کی تعداد میں مبارکباد اور حوصلہ افزائی کے خطوط آنے لگے۔ قومی اخبارات نے عمدہ تنقیدیں کیں، اُس کے مضامین اور نظموں کو اپنے قیمتی کالموں میں جگہ دی۔ سب نظمیں اگرچہ شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ پایہ کی نہ تھیں تاہم چوں کہ مسلمانوں کے درد دل کا مرقع تھیں اس لیے دل ہی پر جا کر لگیں اور خوب مقبول ہوئیں۔ بعض علمائے کرام نے حدود شرعیہ کے اندر سود کی تلقین کی، بنیک سے سود وصول کرنے کی تاکید کی اور اسے اپنے مصرف میں لانے اور نیک کاموں میں صرف کرنے کے جواز کے فتوے دیئے۔ چنانچہ جناب مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ العلماء ہند نے تحریر فرمایا کہ:۔

"سیونگ بینک کے سود میں مضائقہ نہیں۔ اگر احتیاط اور تقویٰ مدنظر ہو تو کسی دوسرے مفلس مسلمان پر خرچ کر دیجئے لیکن گورنمنٹ کے پاس کسی حالت میں چھوڑنا بہتر نہیں۔"

اس فتوے سے اُمید ہے کہ تمام اسکولوں اور عربی مدارس کا روپیہ جو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں بیکار پڑا ہے۔ سیونگس بینکوں میں داخل ہو کر

زیادہ محفوظ ہو جانے کے ساتھ مستقل آمدنی کا ذریعہ ہوگا اور مدارس کے لیئے روز روز کاسہ گدائی گشت کرانا نہ پڑے گا۔

غرض کہ خدا کے فضل سے اب ایک حد تک مسلمان ربا اور تجارتی سود میں فرق سمجھنے لگے ہیں اور روپیہ کے کاروبار کو اپنے اپنے دائرہ اثر میں رائج کرنے کی عملی تدابیر اختیار کر رہے ہیں جس کا اندازہ رسود مند، کے صفحات کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ایڈیٹر سود مند نے یہ سمجھ کر کہ وہ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ " (تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن کو کرتے نہیں) کے مصداق نہ بنے، خود زمینداروں کے بنک قائم کرنے کے لیئے ضلع میرٹھ کے سولہ دیہات میں دورہ کر کے ۴ ، ۲ حصہ دار پیدا کیئے اور ارادہ ہے کہ مسلم زمینداروں کے بینک کی جلد سے جلد رجسٹری کرا دی جاسے۔

۴۔ سود مند کا مستقبل یہ سب تو سود مند کا ماضی ہے۔ رہا مستقبل اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ دو سال کام کرنے کا جو ارادہ ظاہر کیا گیا تھا اس میں سے نصف سال گزر چکا اور صرف ڈیڑھ سال باقی ہے۔ آج کل مسلمانوں پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اُن کا انجام یہاں بھی اسپین کی طرح ہونے والا ہے۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ اس وقت تمام مسلمانوں کی کمزوری کی تہ میں ان کی مالی حالت کی خرابی ہے زمیندار تاجر اور کاریگر سب کے سب دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام اور ہر طرح زیر بار اور کمزور ہیں چنانچہ جس قدر بلوے ہوتے ہیں اُن میں مار پیٹ کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو مگر اقتصادی کمزوری کی وجہ سے چوں کہ قانونی پیروی پوری طرح نہیں ہو سکتی اس لیئے

بالعموم مسلمان ہی سزا پاتے ہیں اور آئندہ کے لیئے پست ہمت ہو جاتے ہیں اور اب تو یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ مثلاً اٹاوہ کے مسلمان اپنی مساجد میں قفل لگا کر چلے جاتے ہیں تب بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوٹتا۔ اٹاوہ میں مسجد کے سامنے بھنگیوں نے گانا بجانا کر کے اودھم مچائی اور مسلمان کچھ نہ کر سکے اسی طرح اس وقت مارہرہ میں چماروں نے بستی کے شرفا پر عدالت میں دعوے دائر کر کے اُن کو پریشان کر رکھا ہے۔

پس اگر درحقیقت مسلمانوں کو زندہ رہنا اور عزت کی زندگی بسر کرنا ہے تو اُن کے ہر ہر فرد کو چاہیئے کہ وہ روپیہ بچانے اور بڑھانے کے طریقے اختیار کر کے اپنے بچوں، خاندان، اور قوم کو تباہی سے بچائے اور مسلمان دکاندار اور کاریگروں کو معین منافع پر روپیہ دے کر ان کے کاروبار کو چلتا کرے۔ امداد باہمی کے بینک قایم کرے۔ یہی ان کی نجات کا واحد ذریعہ ہے اور اس کی تبلیغ و تعمیل کے لیئے ڈیڑھ سال کا وقت کچھ کم نہیں ہے۔ بشرطیکہ قوم اس طرف متوجہ ہو۔

اسی سلسلہ میں قومی اخبارات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے اس مسئلہ کی تبلیغ میں بہت مدد کی۔ اس وقت "سود مند" کے ستو پرچے اسلامی اخبارات کے دفاتر میں بھیجے جاتے ہیں حالانکہ تبادلہ میں ایک درجن سے زیادہ اخبارات نہیں آتے۔ غرض صرف یہ ہے کہ ہمارے خیالات سے اُنھیں واقفیت ہو اور قوم کی اصلی ضرورت کی طرف اُنھیں توجہ ہو اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں وہ خود اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہمیں

اس خدمت سے سبکدوش کر دیں۔ جنوری ۱۹۲۶ء

(۲۶)

ایک پیر مرد خواب میں

مفتی جی کی خاندانی حالت قصبہ عثمانپور ہنڈن ندی کے کنارے ایک پرانی بستی ہے۔ مفتی عظیم الدین اُس کے سب سے بڑے زمیندار ہیں۔ قصبہ کی زمینداری کے علاوہ اُن کے متعدد مواضعات بھی ہیں جن میں سے تین تو بڑے زبردست تخت گاؤں ہیں۔ مفتی صاحب کا رویہ ایسا ہے کہ نہ انھیں کوئی مُسرف کہہ سکتا ہے نہ بخیل۔ میانہ روی جو آدمیوں کا طریقہ ہوتا ہے وہی اُن کا شعار ہے۔ اُن کی ریاست کا اور گھر کا حساب باقاعدہ لکھا جاتا ہے اور حتی الامکان ہر امر میں کفایت شعاری برتی جاتی ہے تاہم مفتی صاحب کے والد ماجد کے وقت سے ریاست پر جو قرضہ چلا آتا ہے۔ اُس میں ہر سال کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی سال فصل کے وقت سرکاری مالگذاری کی ادائیگی اور کچھ روزمرہ کے اخراجات کے لئے رکھ لینے کے بعد کل روپیہ قرضہ میں ادا کر دیا گیا تاہم سال کے آخر میں اتفاقی ضرورتوں کی وجہ سے کچھ نہ کچھ روپیہ رقعوں پر لینا پڑا اور انجام کار انھیں بھی تمسک میں شامل کر لیا گیا۔

مفتی صاحب خود اپنی ذات سے حد درجہ کی سادہ زندگی بسر کرنے والے

اور اپنے متعلقین کو بھی سادہ زندگی کی تاکید کرتے رہتے ہیں اور بظاہر گھر میں کوئی بیجا خرچ نظر نہیں آتا اور زمینداری کی وجہ سے ایندھن کے لئے لکڑی مویشیوں کے لئے چارہ اور بہت سی دوسری چیزیں گاؤں سے مفت آجاتی ہیں تاہم زمینداری کے روپیہ میں کچھ ایسی بے برکتی ہے کہ اِدھر آیا اُدھر خرچ ہوگیا۔ مفتی صاحب ہر چند سال کے اخراجات کا تخمینہ کر کے چند مہینے کا خرچ رکھ لیتے ہیں مگر کوئی مقدمہ آلگا یا غیر معمولی چندے دینے پڑے، کوئی تقریب پیش آگئی تو بس پھر تمام بجٹ درہم برہم ہوجاتا ہے اور پھر قرض لیئے بغیر چارہ نہیں ہوتا یہی حال گھر میں رہتا ہے کہ فصل پر غلہ اور ہر قسم کی جنس رکھ لی گئی ہے تب بھی غیر معمولی مہمانداری یا ناگہانی حادثات کی وجہ سے بیوی صاحبہ کو مفتی جی سے چھپا کر زیور پر روپیہ منگانا پڑتا ہے جو انجام کار اکثر تلف ہوکر رہتا ہے۔ غرض کہ تمام خاندان اسی چکر میں ہے اور کوئی علاج بن نہیں پڑتا۔

البتہ مفتی صاحب نے اس کشمکش میں ایک بڑا کام یہ کرلیا کہ اپنے لڑکوں کو جس طرح بن پڑا جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ کردیا۔ سب سے بڑے بیٹے کریم الدین مفتی ایم۔اے اُن کی زندگی میں ڈپٹی کلکٹر ہوگئے منجھلے بیٹے علیم الدین مفتی بی۔اے ابھی اُمیدوار نائب تحصیلدار تھے کہ مفتی عظیم الدین کا انتقال ہوگیا۔ اس لیئے سب سے چھوٹے بیٹے محی الدین کی تعلیم ناتمام رہ گئی اور چوں کہ بڑے مفتی صاحب کے انتقال کی وجہ سے گھر پر کسی ایک بھائی کا رہنا ضروری تھا اس لیئے محی الدین اپنے باپ کی گدّی پر بیٹھے۔ اعلےٰ تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے یوں کہ اُنھیں مثل بڑے بھائیوں کے مفتی صاحب کا لقب اپنے نام کے بعد

لگانے کا موقع نہ تھا اس لیئے پرانے طریقہ کے مطابق اُن کا نام مفتی محی الدین رہا۔

۲۔ مالی حالت مفتی محی الدین پر اس نوعمری اور ناتجربہ کاری میں تمام خاندان کا اور بالخصوص قرضہ کا بار آپڑا اول چند سال تک تو اُنھوں نے اخراجات گھٹانے اور آمدنی بڑھانے کی جان توڑ کوششیں کیں یہ سمجھ کر کہ زمینداری کے اثر سے بھٹے کا اکثر سامان اُنھیں سستا مل سکے گا اُنھوں نے اینٹوں اور چونے کے بھٹے لگا دیئے فصل پر غلہ بھرا اور اور چند کاروبار جاری کیئے مگر جو کام بھی وہ کرتے تھے اور جو کچھ بھی وہ پیدا کرتے تھے اُس میں سے چوں کہ ایک روپیہ سیکڑہ سود، مہاجن کی نذر کرنا پڑتا تھا اس لیئے سال تمام پر جب حساب ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آمد وخرچ برابر ہی۔ قرضہ بدستور موجود ہی اور محض اُن کی عرق ریزی، جاں کاہی اور دلسوزی اُبرا ٓورن میں ہی۔ اس قدر کفایت شعاری، ذاتی نگرانی اور محنت کے بعد اگر دو چار سو روپیہ بھی پس انداز ہو جاتے تو اُن کی عرق ریزی اور مشقت کی کچھ تو تلافی ہو جاتی کیونکہ جسمانی محنت کا جب کچھ پھل مل جاتا ہی تو وہ انسانی صحت میں ممد ہوتا ہی اگر کچھ نہیں ملتا تو وہی محنت دل بٹھا کر انجام کار ہلاکت کے درجہ پر پہونچا دیتی ہی۔ مفتی محی الدین جب پریشان ہوتے تو اپنے بڑے بھائیوں کریم الدین ڈپٹی کلکٹر اور علیم الدین کو جو اب تحصیلدار ہو گئے تھے خط لکھتے کہ وہی ادائگیِ قرضہ میں کچھ مدد دیں مگر جدید طریقہ بود و ماند نے عہدہ داروں کے اخراجات اس قدر بڑھا دیئے ہیں کہ خود اُن کی بسراوقات مشکل ہوتی ہی۔ پہلے زمانہ میں سب جج اور ڈپٹی کلکٹر شہروں کی گنجان آبادیوں میں رہتے تھے اور اگر دیانت دار رہتے

تب بھی تنخواہ میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرکے جائداد خرید لیتے تھے جو اس زمانہ میں بڑھ کر تعلقے ہوگئے ہیں۔ اس زمانہ کی یورپین معاشرت میں بڑی بڑی تنخواہوں میں بھی پلیتھن نکلا جاتا ہے۔ کوٹھیوں، بنگلوں میں رہنے سے عزت آبرو سنبھالنی مشکل ہو جاتی ہے اور بڑی کامیابی اس میں سمجھی جاتی ہے کہ مدت العمر کی ملازمت میں رہنے کو ایک عمدہ مکان بنا لیا اور پنشن کے وقت چند ہزار روپیہ پراویڈنٹ فنڈ سے مل گئے اور بس۔ بہرحال کریم الدین اور علیم الدین باوجود کوشش کے خاندانی قرضہ کی ادائیگی میں کچھ مدد نہ کر سکتے تھے اور افکار کا بار تمام تر مفتی محی الدین کے کندھوں پر پڑا تھا۔ وہ شب و روز قرضہ کی ادائیگی کی تدبیریں سوچا کرتے اور گھنٹوں غوطہ میں رہتے۔ کبھی کبھی اُن کے دل میں یہ خیال گزرتا کہ سود کا علاج بالمثل کیا جائے تو شاید اس موذی کے چنگل سے رہائی ہو مگر ہوش میں آتے تو اس وسوسہ شیطانی سے توبہ کرتے۔ پھر دوسرے وقت افکار کا ہجوم ہوتا تو مسئلہ سود پر غور کرتے اور جو مضامین اخبارات میں اس مسئلہ کے متعلق شایع ہوتے رہتے ہیں اُن سے اثر پذیر ہوتے۔ بالآخر انھوں نے رسالہ جات جواز سود مع فتاوی اور ماہواری رسالہ "سود مند" جو علی گڑھ سے نکلتا ہے منگا کر پڑھے اس نے اُن کی آنکھیں کھول دیں اور انھیں معلوم ہوا کہ بالخصوص زمینداری کے پیشہ میں انھیں لوگوں کی جائدادیں محفوظ رہتی ہیں جو غلہ یا روپیہ کا کاروبار کرتے ہیں یہ کتابیں پڑھ کر مفتی صاحب کے نزدیک یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا مگر مولوی صاحب اور مفتی صاحب کہلا کر اُن کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ علانیہ روپیہ کا کاروبار شروع کرکے خاندان کے

نام کو بٹہ لگائیں خیالات کی اس تبدیلی نے اُن کی زندگی اور زیادہ تلخ کر دی تھی اور وہ ہر وقت اسی اُدھیڑ بُن اور پیچ کھم میں پڑے رہتے تھے۔

۳۔ مہاجن کی طرف سے نوٹس

ایک روز نشست گاہ میں احباب کا مجمع تھا کہ ڈاکیئے نے سب کے سامنے ایک رجسٹری شدہ نوٹس لا کر دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ " آپ کے رقعہ کی میعاد عنقریب منقضی ہونے والی ہے اس لیئے ایک ہفتہ کے اندر روپیہ ادا کر دیا جائے ورنہ مجبوراً عدالت سے چارہ جوئی کی جائے گی "۔ نوٹس دیکھ کر مفتی محی الدین کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا پوسٹ مین جب آیا تو سب لوگ ہنس بول رہے تھے مگر اب تمام مجلس میں سناٹا ہو گیا اس افسردگی کو دیکھ کر حاضرین ایک ایک کر کے کھسک گئے مفتی صاحب خلاف معمول پلنگ پر جا لیٹے، دماغ چکر کھا کھاتے کھاتے بیکار ہو گیا تھا۔ کچھ غنودگی طاری ہوئی تو دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے ایک سبز پوش پیر مرد کھڑے ہیں۔ محی الدین ہر چند پلنگ سے اُٹھ کر اُن کے سامنے مؤدب کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں مگر اُٹھا نہیں جاتا۔ عرض حال کرنا چاہتے ہیں۔ مگر زبان یاوری نہیں کرتی بالآخر پیر مرد ہاتھ بڑھا کر مفتی صاحب کے سینہ پر رکھ دیتے ہیں اور تسلی دے کر فرماتے ہیں کہ " بیٹا گھبراؤ مت صبر و شکر سے کام لو "۔

۴۔ پیر مرد سے مکالمہ

" حضور! اب تو صبر کی طاقت باقی نہیں رہی "

پیر مرد: " صبر و شکر کے الفاظ تمہارے لیئے محض برائے گفتن نہیں ہیں۔ تمہاری نظر اب تک اپنی ذات اور خاندان تک محدود ہے۔ تم نے نہیں کہا

کہ دُنیا میں لوگوں پر کیسے کیسے سخت مصائب گزرے ہیں انبیا اور اولیا جو خدا کے محبوب بندے ہوتے ہیں اُنھوں نے کیسی کیسی تکالیف اٹھائی ہیں اور اُف نہیں کی۔ دُنیا میں ہزاروں آدمی بے آب و دانہ مرجاتے ہیں۔ تمھارے پاس تو خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ تم زیادہ تر توہمات و تخیلات کے شکار بن رہے ہو و بس"۔

مفتی صاحب: حضور نے بالکل درست فرمایا۔ میں در اصل شدت احساس کا مریض ہوں۔ میں خود واقف ہوں کہ میرے دوسرے بھائیوں کی کیا حالت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں صاحبِ جائداد ہوں فصل کے وقت سال میں دو بار صدہا من غلہ اور ہزارہا روپیہ میرے ہاتھوں میں آتا ہے اور ضرورت ہو تو رقعہ پر ورنہ جائداد کی کفالت پر قرض بھی مل سکتا ہے۔ اس وقت صدہا شریف مسلمان اور ذی حیثیت مسلمانوں کی بیوہ عورتیں نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ اس زمانہ کی عدالتوں کا منظر میرے سامنے ہے۔ دستاویزوں میں راہن کون ہیں؟ ہمارے بھائی مسلمان۔ مدیون کون ہیں؟ مسلمان۔ بائع کون ہیں مسلمان نذرانہ لے کر استمراری پٹہ دینے والے کون ہیں؟ مسلمان۔ دیوانی میں مدعا علیہ کون ہیں؟ مسلمان۔ مدیون ڈگری کون ہیں؟ مسلمان۔ ڈگری یوں میں گرفتار ہو کر جیل میں جانے والے کون ہیں؟ مسلمان۔ پھر اسی کے ساتھ وہ ان باتوں کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ کچھ پروا بھی نہیں کرتے۔ اُنھیں مقدمات ملتوی کرانے سمن اور وارنٹ بلاتعمیل واپس کرا دینے کی صدہا ترکیبیں یاد ہیں حتیٰ کہ دھوکہ میں گرفتار بھی ہو جائیں تو استنجا کرنے یا نماز پڑھنے کے بہانہ سے سپاہیوں کو جھکمہ دے کر اُن کی حراست میں سے نکل بھاگتے ہیں

اور پھر برادری میں بیٹھ کر اس پر فخر کیا کرتے ہیں۔

مگر حضور والا میں جو کچھ ڈرتا ہوں اور دن رات گھلتا ہوں وہ اسی خیال اور تصور سے کہ بالآخر میرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے۔

پیر مرد۔ خدا کا شکر کہ تم میں غیرت و حمیت باقی ہے۔ ذکی الحس ہونا عین ایمان کی نشانی ہے بشرطیکہ وہ حدود سے تجاوز کر کے دماغ میں اختلال نہ پیدا کر دے۔ اس کے لیے تم اِذَا اَصَابَتْکُمْ مُصِیبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا کرو۔

۵۔ عالمِ ارواح میں افسردگی

پیر مرد کے دلاسہ دینے سے مفتی محی الدین میں کچھ جان پڑی اور انھیں اُمید ہوئی کہ ان بزرگ سے ضرور عقدہ کشائی ہو گی اور جس مسئلہ نے مفتی جی کے دماغ میں چکّر ڈال رکھا تھا وہ اب حل ہو جائے گا۔ کیونکہ مفتی صاحب کا یہ خیال اب پختہ ہو گیا تھا کہ خود اُن کی اور نیز عام طور پر مسلمانوں کی گاو خلاصی بغیر روپیہ کا کاروبار شروع کیئے نہ ہو گی۔ ان خیالات کے ساتھ مفتی صاحب ہمت کر کے پلنگ سے اُٹھے اور مؤدب ہو کر پیر مرد کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کہ

مفتی صاحب "حضور پر تو ہمارے تمام حالات روشن ہیں۔ برائے خدا ہمیں اس کشمکش بھول بھلیاں اور بھنور سے نکالیئے۔"

پیر مرد۔ چونک کر "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں علام الغیوب ہوں یا تمھاری کسی طرح مدد کر سکتا ہوں۔ حاشا و کلّا۔ ہم بھی خداوند تعالٰی کے ویسے ہی عاجز

بندے ہیں جیسے کہ تم ہو۔ البتہ اُس نے اپنے فضل سے ہمیں آلام و افکار اور تمام دنیوی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک کر دیا ہی۔ اور یوم الحساب تک کے لئے اپنے جوار رحمت میں جگہ دے دی ہی ہمیں دنیوی حالات کے معلوم ہونے سے سخت تکلیف ہوتی ہو اسی لیئے ہم کبھی اُن کے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے مگر باوجود ہمارے استغنار اور بے تعلقی کے دُنیا میں اُمّت محمدیہ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہی تو بوجہ روحانی تعلقات کے عالم ارواح میں اُس کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور محسوس ہوتا ہی۔ چنانچہ کچھ عرصہ سے عالم ارواح میں عالم افسردگی طاری ہی جس سے متاثر ہو کر مَیں نے چاہا کہ تم لوگوں کے کچھ حالات معلوم کروں پس جن مصائب میں تم لوگ مبتلا ہو اُنھیں کسی قدر وضاحت سے بیان کرو۔"

مفتی صاحب "حضور والا کے سامنے مسلمانوں کی عام قرضداری کا کچھ مختصر خاکہ تو پہلے پیش کر چکا ہوں اور قرضداری سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں اُن کا ظہور بھی بدرجہ اتم ہماری قوم میں ہو چکا۔ یعنی کثرت افلاس سے اخلاقی اور مذہبی تنزل کی کوئی حد و انتہا باقی نہیں رہی۔"

پیر مرد "تمھارے کہنے سے خیال آتا ہی کہ عام قرضداری تو غالباً میرے زمانہ میں بھی شروع ہو چکی تھی مگر اُسی کے ساتھ ذرائع معاش اتنے تھے کہ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔"

مفتی صاحب "مختصر طور پر عرض ہی کہ جب سے انگریزی تعلیم کا رواج شروع ہوا مسلمان سرکاری عہدوں اور دفاتر سے خارج ہونے لگے

زمینداریاں اور جائدادیں قرضہ میں نکلنے لگیں۔ تجارت اور صنعت پر روپیہ والوں کا تسلط ہو گیا اور انجام کار ہر شعبہ زندگی میں مسلمان دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہو گئے۔ اور جسمانی غلامی کے ساتھ دماغی اور روحانی غلامی میں بھی مبتلا ہوتے جاتے ہیں یعنی یہ کہ مسلمان اب افلاس سے تنگ آکر تبدیل مذہب کر رہے ہیں۔ اور آہستہ سے عرض کرنے کی بات یہ ہے کہ روپیہ کے زعم میں اب خود ہنود مسلمانوں پر اور ان کے معابد پر چڑھ کر آتے ہیں۔ حملہ کی ابتدا خود کرتے ہیں اور روپیہ کے زور سے مسلمانوں کو عدالتوں سے سزائیں کرا دیتے ہیں جس سے پھر مسلمانوں کو سر اٹھانے کی مہلت نہیں ہوتی اور اب وہ نقصانات کے خوف سے پست ہمت و بزدل ہوتے جاتے ہیں اور میاؤں ٹھیاؤں کے وقت اپنا منہ چھپاتے پھرتے ہیں"۔

پیر مرد "میں تمھاری سب باتیں سمجھتا ہوں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سرمایہ داری کیا چیز ہے جو سب شعبہ جات زندگی پر حاوی اور غالب ہو رہی ہے"۔

۶۔ سرمایہ داری کی تشریح

مفتی صاحب "حضور والا۔ یہ زمانہ حال کا سب سے زیادہ کارگر آلہ ہے۔ اس وقت سے ایک سو سال قبل تجارت کے معنی یہ سمجھے جاتے تھے کہ جتنے داموں میں کوئی چیز خریدی جائے اس پر کچھ منافعہ لگا کر فروخت کر دی جائے۔ ایک مقام سے کوئی چیز خریدی جائے کسی دوسرے مقام میں جہاں وہ پیدا نہ ہوتی ہو لے جا کر کسی قدر اضافہ سے بیچ دی جائے۔ کاریگری کے معنی یہ تھے کہ تمام دن

محنت کر کے جو چیز تیار کی جائے شام کو مقامی لوگوں کے ہاتھ اسی طرح فروخت کر دی جائے جیسے کہ دن بھر گھاس کھود کر شام کو بیچ دی جاتی ہی۔ مگر اب وسائل سفر اور ذرائع خبر رسانی کی سہولت کی وجہ سے تمام دُنیا مثل ایک بازار کے ہو گئی ہی۔ اور یہ بازار اور تمام مصنوعی اور قدرتی پیداوار کا نرخ روپیہ والوں کے ہاتوں میں آگیا ہی۔ اور نہ صرف مختلف پیشہ ور بلکہ سلطنتیں بھی انہیں روپیہ والوں کے زیر اثر اور اُن کی دست نگر ہیں۔ جو ہر ہر لمحہ کے حساب سے اپنے روپیہ کا استعمالی کرایہ لگاتے ہیں

مگر بدقسمتی سے مسلمان روپے کے ہر قسم کے کرایہ کو سود سمجھ کر اُس کے لینے سے بچتے ہیں مگر دینے پر مجبور ہیں اور خوب دیتے ہیں۔

پیر مرد۔ میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ یہ ربوا کس طرح ہی یہ تو بدیہی طور پر مضاربت ہی اور اس سے فریقین کو نفع ہی نفع ہی۔ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کو ذاتی کاموں میں صرف کر ڈالنے کے لیئے روپیہ دے اور اُس پر اپنا منافع لگائے تو بے شک مدیون کے لیئے ادائیگی مشکل ہو جاتی ہی۔ مگر کسی دوکاندار یا کاریگر کو اگر اس غرض کے لیئے روپیہ دیا جائے کہ وہ کاروبار میں لگا کر اُس سے اور زیادہ روپیہ پیدا کرے تو اس میں نہ دائن خسارہ میں رہتا ہی اور نہ مدیون اگر اس مضاربت کو ناجائز ٹھیرایا جائے تو زرعی اراضی پر جو لگان لیا جاتا ہی وہ تو بالکل ہی ناجائز ٹھیرا جو ایک معین رقم ہی خواہ کاشتکار کو زمین سے کچھ پیدا وار ملے یا نہ ملے۔ ایسے بدیہی نفع کے کاموں سے مسلمانوں کو محروم کرنا

اور روکنا درحقیقت اُنھیں ہلاک کر دینا اور اُن کی قومیت کو فنا کر دینا ہی جو حالات تم نے بیان کیئے ہیں اُن کی موجودگی میں تو روپیہ کا کاروبار کرنے روپیہ کا تجارتی منافعہ لینے سے بڑھ کر کوئی ثواب کا کام نہیں معلوم ہوتا اور جبکہ بقول تمھارے مسلمان افلاس کی وجہ سے اس قابل بھی نہیں رہے کہ اپنے مذہب اور اپنے معابد کی حفاظت کر سکیں تو روپیہ سے روپیہ پیدا کر کے قومی قوت حاصل کرنا عین جہاد ہی"

پیرمرد کے یہ الفاظ سُن کر مفتی جی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے اور زبان سے اَلحمدُلِلّٰہ جزاك بارك اللّٰہ کے الفاظ بے اختیار نکل رہے تھے۔ اسی دَوران میں مفتی جی کو خیال آیا کہ استفتا لکھ کر پیرمرد سے فتوےٰ لکھا لیا جائے چنانچہ چٹ پٹ حسب ذیل، فتوی لکھ کر پیرمرد کے سامنے پیش کر دیا۔

استفتاء کیا فرماتے ہیں علمار دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسلمان کاشتکار اور کاری گر دوکاندار اور کارخانہ دار اپنا کاروبار چلانے کے لیئے قرضہ لینے پر مجبور ہیں اور چوں کہ اس زمانہ میں بلاسودی قرضہ دستیاب نہیں ہوتا اس لیئے اہل ہنود سے سودی قرضہ لیتے تھے۔ مگر اب مذہبی اختلافات کی وجہ سے اکثر مقامات میں اہل ہنود نے مسلمانوں کو قرض دینا بند کر دیا اور اپنے پچھلے قرضہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس دباؤ میں اُن کی اشدھی کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ اشدھی نہیں ہوسکتے اُن کا سامان اور گھربار نیلام کرا کر اُنھیں برباد کر دیتے ہیں ان حالات میں کیا یہ

امر جائز ہے کہ مسلمان ایسے لوگوں کی امداد اور دستگیری اس طریقہ پر کریں کہ انھیں معین منافعہ پر روپیہ دیں یا اُن کے ساتھ مضاربت بہ رقم معین کریں جس طرح سے کہ معین لگان پر کاشت کے لیئے آراضی دی جاتی ہے اور اس طریقہ سے اُنھیں غیر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں تاکہ ان کا کاروبار نہ بگڑے اور وہ مذہبی ارکان آزادی سے ادا کرتے رہیں اور تبدیل مذہب پر مجبور نہ ہوں۔

۸۔ پیر مرد غائب ہو گئے یہ استفتار پڑھ کر پیر مرد نے آہ سرد بھری اور کہا کہ میں اگر عالمِ اجسام میں ہوتا تو تم لوگوں کی یہاں تک نوبت کیوں آ پہنچی ہوتی جس چیز کا فتویٰ تم مجھ سے طلب کرتے ہو وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اس زمانہ میں یہی جہاد اکبر ہے اور سب سے بڑے ثواب کا کام ہے۔ میں نے تو اس وقت سے ایک سو سال قبل ایک نہیں چار فتوے اور وہ بھی تجارتی سود کے جواز کے نہیں بلکہ ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر ربوا کے جواز کے بارے میں دیئے تھے کہ مسلمان غیر مسلموں سے آزادی سے لیں، بلکہ میں نے غیر مسلموں سے سود لینے کو سود دینے پر ترجیح دی تھی۔ مگر اب تو میں عالمِ ارواح میں ہوں تمھارے کاغذ پر کس طرح لکھوں۔

پیر مرد نے اپنی تقریر تمام نہیں کی تھی کہ مفتی محی الدین کو یہ خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ بزرگ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی ہیں جنھوں نے غیر مسلموں سے سود لینے کا فتویٰ دیا تھا یہ سوچ کر بے اختیار

اُن کے قدموں کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ وہ پیر مرد پیچھے ہٹ کر دفعتاً غائب ہو گئے اور محی الدین دیکھتے کیا ہیں کہ اپنے پلنگ پر سے ہاتھ پھیلائے اُٹھ رہے ہیں اور صبح کی اذانوں کی آواز آرہی ہو اس مبارک خواب نے محی الدین کے تمام شکوک رفع کر کے اُن میں نئی زندگی پیدا کر دی۔ انھوں نے اس امر کا خوب اندازہ کر لیا کہ سود انھیں لوگوں پر سوار ہو کر انھیں تنگ کرتا اور اُن پر غلبہ حاصل کرتا ہے جو اُس سے بچتے ہیں۔ اس لیئے اُنھوں نے سود پہ غلبہ حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ انھوں نے مہاجن کو جس کے رقعہ کا مطالبہ تھا بلا کر فوراً تمسک لکھ دیا اور رقعہ کے روپیہ سے زیادہ روپیہ لیا جس سے تمام متفرق زیورات کو جو زیادہ شرح سود پر رہن رکھے تھے چھوڑا لیا۔ اور فاضل روپیہ سے اپنے عزیزوں کے زیورات بازار سے چھوڑا کر کم شرح سود پر اپنے پاس رکھ لیئے مفتی جی کے تقدس کا عام اثر تھا جس سے بھائی بندوں نے اُن کے خواب کو صحیح سمجھا اور سب نے مل کر حسب حیثیت روپیہ جمع کر کے ایک سرمایہ محض اس لیئے مخصوص کر دیا کہ اپنی برادری کے لوگوں کا زیور رہن ہونے کے لیئے بازار میں نہ جانے پائے اور جسے ضرورت ہو بارہ آنے سیکڑہ پہ مشترک سرمایہ سے بہ کفالت زیور قرض لے۔ پھر مفتی جی نے غریب مسلمان کاریگروں کو مشترک اور ذاتی سرمایہ سے مضاربت برقم معین پر اور کم شرح سود پہ روپیہ دینا شروع کیا۔ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب کو جو ضلع میرٹھ کے دیہات میں دورہ کر کے بینک قایم کر رہے تھے بلا کر مسلم بینک زمینداران کی بنیاد قایم کی۔ مقامی مدرسہ اور مسجد کے سرمایہ کو جو ایک تاجر کے پاس بیکار پڑا تھا لے کر بینک میں رکھا اور

اُس سے مستقل آمدنی کی صورت پیدا کر دی۔ بچوں کے لئے گولکیں بنا دیں جنیں وہ پیسے ڈالتے رہیں اور جب چار آنے ہو جاتے تو ڈاکخانہ میں داخل کرا تے اور جب معہ ہو جاتے تو اُن کے کیش سرٹیفکیٹ خرید وا دیئے جاتے اس لئے بچوں کا چٹورپن چھوڑا دیا اور اُنھیں کفایت شعار بنا دیا۔ اس کے علاوہ بچوں کا تعلیمی بیمہ کرا دیا تا کہ اُن کی تعلیم کی طرف سے اطمینان ہو جائے غرض کہ مفتی صاحب قرضداری کے بار سے روز بروز سبکدوش ہوتے جاتے ہیں اور وہ اور اُن کا خاندان جو بربادی کے کنارے آ گیا تھا اب فارغ البالی کی طرف قدم بڑھا دین داری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

جنوری ۱۹۲۶ء

---

(۲۶)

سود

بد ترین چیز ہے

جبکہ اُسے کچھ لوگ لیں اور کچھ لوگ نہ لیں

۱۔ کیونکہ جب سود دینے والے کم اور لینے والے زیادہ ہوتے ہیں تو شرح سود زیادہ ہوتی ہے۔

بہترین چیز ہے

جب کہ اُسے سب لوگ عام طور پر لیں

۱۔ کیوں کہ بہت سے لوگوں کا روپیہ سود پر اُٹھنے کی وجہ سے شرح سود عام طور پر بہت گھٹ جاتی ہے جو ملک و قوم کے لیئے سراسر مفید ہے۔

۲۔ شرح سود زیادہ ہونے سے کاروبار اور صنعتی کام کرنے والوں کو جو قرض لیکر کام کرتے ہیں زیادہ سود دینے کے بعد بہت کم بچتا ہی۔	۲۔ اس سے کاروبار کرنے کے لیئے لوگوں کو روپیہ بہ افراط ملتا ہی۔
۳۔ اور کاریگروں کی محنت کا زیادہ تر حصہ سود لینے والوں کے پاس چلا جاتا ہی جس سے روپیہ والے کاہل ہو جاتے ہیں۔	۳۔ اور کم سود دینے کی وجہ سے اُنھیں کام کرنے میں زیادہ بچت رہتی ہی اور کام کا معاوضہ اچھا ملتا ہی۔
۴۔ اور قرض لے کر کام کرنے والے بے نتیجہ محنت کرتے کرتے دل شکستہ، مسرف اور ناعاقبت اندیش ہو جاتے ہیں۔	۴۔ اس سے کام کرنے والوں کو زیادہ محنت کرنے اور زیادہ کفایت شعاری کرنے کی رغبت ہوتی ہی۔
۵۔ ایک طبقہ میں حد سے زیادہ دولت جمع ہو جانے اور دوسرے طبقہ میں حد درجہ افلاس ہونے سے ملک میں دو جداگانہ اور بیگانہ طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔	۵۔ کسی ایک طبقہ میں حد سے زیادہ دولت جمع نہیں ہونے پاتی جس سے سوسائٹی میں زیادہ مساوات رہتی ہی اور سب کی اخلاقی حالت بہتر اور بلند ہوتی جاتی ہی۔ چنانچہ انجمنہائے امداد باہمی جن میں ہر ہر فرد سود لیتا ہی ایک دوسرے کی مدد

۶۔ طبقہ اعلیٰ میں نخوت اور غرور اور غربا کی تحقیر کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور طبقہ ادنیٰ میں پست ہمتی اور افلاس کی وجہ سے تنگ نظری آجاتی ہے نیک کاموں میں صرف کرنے کی رغبت نہیں ہوتی اور عام اخلاقی حالت پست ہو جاتی ہے

اور ہمدردی کرنے کی بہترین مثالیں ہیں۔

۶۔ اس سے عام خوش حالی اور خوش حالی کی وجہ سے نیک کاموں میں روپیہ صرف کرنے میں بہت لطف آتا ہے اور ایسی سوسائٹی سے خیرات مثل چشمہ کے ابلتی ہے۔

نتیجہ

پس ہندوستان کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر جلد سے جلد روپیہ کا کاروبار جاری کریں تاکہ بازاروں میں زیادہ روپیہ پہونچنے سے ملک میں شرح سود گھٹے اور اس سے صنعت و تجارت میں ترقی ہو، نفع خلائق کے کام کثرت سے جاری ہوں اور ملک خوش حال ہو۔

جنوری ۱۹۲۶ء

---

(۲۷)

کفایت شعاری کا نصاب تعلیم

اصلاح رسوم اور کفایت شعاری، صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کرنے کی جس قدر خواہش مسلمانوں کو ہے وہ کسی اور قوم سے کم نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان

ایسے ہیں جو اپنے اخراجات میں کفایت کرتے ہیں مگر ایک کھڑکی بند ہوتی ہے تو خرچ کے چار دروازے اسکھل جاتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں اندازاثاثہ سے یا قرض لیکر یا جائداد بیچ کر دوکان کھولتے تجارت کرتے۔ کارخانے قایم کرتے ہیں مگر چند روز بعد سب ختم کرکے مایوس ہو بیٹھتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو کہ انھیں ابتدا سے کفایت شعاری کی تعلیم نہیں ہوئی۔ ابجد وہ پڑھے ہوتے نہیں۔ اعلی امتحانات کے نصاب میں اول ہی امتحان دیتے ہیں اس لیئے لامحالہ ناکام ہوتے ہیں۔ پس ہم ابجد سے کفایت شعاری کا نصاب قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ واقفکار اصحاب اس میں مناسب ترمیمات کرلیں۔

نصاب

(۱) مکان میں ہر بچہ کی گولک علحدہ علحدہ بناکر اُس کو اس شرط پر پیسے دینا کہ وہ اُن میں سے کچھ پیسے اپنے ہاتھ سے گولک میں ڈالا کرے۔ اور اُس پر بچے کو انعام دینا۔

(۲) جب چار آنہ گولک میں جمع ہوجائیں تو بچہ کو ڈاکخانہ ساتھ لے جاکر اُس کے نام سے حساب کھلوانا اور خود اس کے ہاتھ سے جمع کرانا۔

(۳) جب ساڑھے سات روپیہ جمع ہوجائیں تو بچے کے نام سے ایک کیش سرٹیفکٹ خریدنا جس کے پانچ سال میں دس روپیہ ہوجاتے ہیں۔ اور اسی طرح حسب حیثیت اور بڑی تعداد کے سرٹیفکٹ اس کے نام سے خریدتے رہنا۔

(۴) ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا

(۵) اپنے پس ماندگان کے لیے اپنی زندگی کا بیمہ کرانا۔ ملازمان سرکار ڈاکخانہ میں بھی بیمہ کرا سکتے ہیں جس کی قسطیں ماہوار تنخواہ سے منہا ہوتی ہیں۔

(۶) اگر ملازم ہو تو پراویڈنٹ فنڈ میں سے تنخواہ کا ایک حصہ منہا کرانا۔

(۷) خود اپنا حساب ڈاکخانہ یا کسی معتبر بینک میں کھولنا (ڈاکخانہ میں ۳ فی صدی منافعہ ملتا ہے اور امپیریل بینک کے سیونگس میں چار فی صدی منافع ملتا ہے۔ سیونگ بینک میں ایک سال میں پانچ ہزار تک جمع ہو سکتا ہے۔ جب اس سے زیادہ ہو جائے تو محفوظ فنڈ میں منتقل ہو کر ۴½ فی صدی منافعہ مل سکتا ہے۔ جب زیادہ روپیہ بڑھتا جائے تو اس سے امپیریل بینک کے جو معتبر ہیں حصے خریدے جا سکتے ہیں جن کا منافعہ ۶ فی صدی سے زیادہ ملتا ہے یا ایک سال کی واپسی کی شرط پر جمع ہو سکتا ہے (شرح سود بدلتی رہتی ہے روپیہ جمع کرتے وقت اس کی تحقیق کر لی جائے۔)

(۸) جب محفوظ بینکوں میں کافی روپیہ ہو جائے تو اس کا ایک جزو غریب کاریگروں اور دوکانداروں اور کاشتکاروں کو معین منافعہ پر، یا قسطوں پر عام شرح سود سے کم پر دینا تاکہ وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے نکلیں مگر غیر نفع آور کام کے لیے یا اسراف اور شادی غمی میں صرف کر ڈالنے کے لیے نہ دیا جائے کیوں کہ اس کا سود ربا ہوگا جو حرام ہے۔ صرف کاروبار کرنے کے لیے کم سود پر دیا جائے۔

(۹) کاشتکاروں اور کاریگروں کی انجمنہائے امداد باہمی قائم کرنے میں خاص کوشش کرنا اور اس میں نمایاں حصہ لینا اور اپنی ذاتی ضروریات کے لیے اپنی جماعت اپنے محلہ میں کوآپریٹو اسٹور (یعنی باہمی شرکت کی دوکان)

کھولنا۔

(۱۰) انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کرنا، صنعتی کارخانے اور دوکانیں کھولنا اور وسیع پیمانہ پر اپنے ملک میں اور دیگر ممالک میں ہر قسم کی تجارت کرنا جس سے حقیقی طور پر سوراج حاصل ہوتا ہی اور اپنی قومی اور ملکی سلطنت قایم ہوتی ہی اور دوسری کمزور سلطنتوں پر قبضہ حاصل ہوتا ہی اور اپنا قومی وقار قایم ہوتا ہی۔ جنوری ۱۹۲۶ء

(۲۸)

دولت کی بُرائی کون لوگ کرتے ہیں؟

(۱) وہ لوگ جو روپیہ پیدا کرنے، اور بچا کر اُسے بڑھانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہیں اور دولت مند بننے میں ناکام رہتے ہیں اس لیئے وہ رشک کی وجہ سے دولت اور اہل دول کی بُرائی کرتے ہیں۔

(۲) یا وہ تارکان دُنیا دولت کی بُرائی کرتے ہیں جن کی تمام ضروریات جو روپیہ سے خریدی جاتی ہیں، دوسرے لوگ اُن کے لیئے فراہم کردیتے ہیں۔

مگر اب مسلمان اِس قدر مفلس ہو گئے

کہ اُن میں گوشہ نشین صحاب کی ضروریات فراہم کرنے اور اُن کی خدمت کرنے والوں کی نہایت کمی ہوگئی ہی۔ اس لیئے اب جو لوگ مسلمانوں میں دولت کی بُرائی کرتے ہیں، وہ یا تو رشک سے کرتے ہیں یا محض وضعداری سے۔

(۲۹)

پنجاب کے مسلمان زمینداروں کی اقتصادی حالت

(یہ وہ تقریر ہو جو سید طفیل احمد صاحب نے ۲۰ دسمبر ۱۹۲۵ء کے جلسہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں کی)

۱۔ معذرت میں اراکین انجمن حمایت اسلام کا دلی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے کرم سے مجھے آج دوسری بار اپنے خیالات مسلمانوں کی مالی حالت کے متعلق عرض کرنے کا موقع دیا ہو اگرچہ مجھے اسی کے ساتھ اس بات کا افسوس بھی ہو کہ مجھے آپ کے سامنے نہایت خشک اور دلوں کو افسردہ کرنے والے واقعات عرض کرنے پڑتے ہیں۔ تاہم اس قدر عرض کرنے کی میں ضرور جرأت کرتا ہوں کہ جس مسئلہ کو میں ایک عامیانہ طریقہ سے پیش کر رہا ہوں، اگر اس کی طرف پنجاب کے ذی علم، ذی رتبہ اور قابل اصحاب کو توجہ ہو گئی تو کچھ مدت بعد آپ دیکھیں گے کہ جو مصائب آپ کو انجمن اور اسلامیہ کالج کے لیئے سرمایہ فراہم کرنے میں اُٹھانے پڑتے ہیں اُن میں بہت کچھ کمی ہو جائے گی اور نہایت کم کوشش سے آپ کو اور آپ کی آئندہ نسلوں کو بہ افراط روپیہ ملا کرے گا۔

مسلمانوں کا ایک وہ زمانہ تھا جب کہ لوگ جھولیوں میں سونا بھر کر مدینہ منوّرہ کی گلیوں میں پکارتے پھرا کرتے تھے اور اُس کا کوئی لینے والا نہ ملتا تھا۔ برخلاف اس کے اب اسکول کے بچوں سے لے کر قوم کے معززترین اصحاب

تک چندہ کے لیئے گھر گھر مارے پھرتے ہیں اور تنخواہ دار سفیر بھیج کر ہزار ہا روپیہ صرف کرتے ہیں مگر قوم کی نہ مقامی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور نہ مرکزی۔ مغربی ممالک کی نسبت یہ سُنا جاتا ہے کہ جب وہاں کوئی نفع عام کا کام جاری ہوتا ہے تو پبلک کو محض اخبارات کے ذریعہ سے آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ فلاں کام کے لیئے روپیہ کی اس قدر ضرورت ہے۔ اُسی وقت لاکھوں کے چیک آنے شروع ہو جاتے ہیں اور چند روز میں فہرست مکمل ہو جاتی ہے۔ چند سال ہوئے لندن کے ایک گوشہ کی طرف جو ہمسیڈ کے نام سے مشہور ہے کوئی جنگل واقع تھا اُسے صاف کر کے آباد کرنے کی ضرورت ہوئی۔ صرف ایک شخص نے بلا اظہار نام کے آٹھ لاکھ روپیہ کا چیک بھیجدیا اور کام پورا ہو گیا اور محض جنگل کی صفائی کے لیئے یہ رقم مل گئی اور تعلیمی اور خیراتی کاموں کے لیئے تو کروڑوں روپیہ ہر طرف سے برستا رہتا ہے یہ خبریں ہماری سمجھ میں تو کسی طرح آتی نہیں کیوں کہ یہاں تو جو لوگ پبلک کام کرتے ہیں ان کی قوت اور عمر کا بہترین حصہ ذلیل قسم کی چاپلوسی، خوشامد اور گداگری میں گزر جاتا ہے اور پھر بھی دُنیا سے مایوس جاتے ہیں۔ بہر حال قومی کاموں کے لیئے چندہ وصول کرنے میں جو روحی تکالیف پیش آتی ہیں اور جو خرچ پڑتا ہے اُن کی تفصیل کے لیئے دفتر بھی ناکافی ہوں گے۔ اس لیئے میں اختصار کے ساتھ صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ تمام نزمصائب ہمارے افراد کی ناداری کے نتیجے ہیں جن کے دور کرنے کی طرف ہمیں جلد سے جلد متوجہ ہونا چاہیئے۔

سال گزشتہ کے مضمون میں جو میں نے مسلمانان پنجاب کی اقتصادی

حالت کے متعلق آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اُس میں میں نے زمینداروں کی حالت کو دانستہ نظر انداز کر دیا تھا۔ کیوں کہ اس کے لیئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اب میں صرف پنجاب کے مسلمان زمینداروں کی نسبت عرض کرنا چاہتا ہوں جو ہماری سوسائٹی کی سب سے اہم جماعت ہی۔ سب سے اہم اس لیئے کہ زمینداری سلطنت سے اشبہ ہسلطنت کی جزو اعظم اور سلطنت سے قریب تر ہی۔ اس صوبہ میں مسلمان عرصہ دراز سے زمین پر قابض تھے چنانچہ اب تک زمینداری اور کاشتکاری میں اُن کی تعداد چھپن فی صدی یا نصف سے زیادہ ہی اور بعض کتابوں میں میں نے دیکھا ہی کہ دو ثلث کے قریب ہی۔

پھر یہ کہ کاشت کے مواقع کے اعتبار سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا بھر میں پنجاب کی برابر زرخیز کوئی صوبہ نہیں ہی۔ اور اب بیس ہزار میل کی نہروں نے ترقی کے وسائل کو بدرجہا زیادہ بڑھا دیا ہی۔ اب دیکھنا یہ ہی کہ مسلمانوں نے پشتینی زمیندار اور کاشتکار ہونے پر ان بے نظیر مواقع سے کہاں تک فائدہ اُٹھایا ہی۔

۲۔ انگریزی عملداری سے قبل

اس امر کے جانچنے کے لیئے ہمیں چند دور قایم کرنے پڑیں گے۔ پہلا دور انگریزی عملداری سے پہلے کا تھا جب کہ زمین کی مالک سلطنت تھی اور زمیندار کو اراضی میں حقوق مالکانہ اور حقوق انتقال حاصل نہ تھے اور وہ مثل ایک مستاجر کے تھا۔ اُن دنوں کاشت سے جو کچھ پیدا ہوتا کاشتکار اس کا ایک حصہ زمیندار کو

اور زمیندار حاکم وقت کو دیتا تھا اگر کچھ پیدا نہ ہوتا تو کچھ نہ دیتا۔ اس وقت آراضی کا محصول بھی نقدی کی صورت میں نہ دینا پڑتا تھا اور اس لئے مہاجن سے روپیہ قرض لینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی اگر ضرورت پڑتی تو زیادہ تعداد میں روپیہ نہ مل سکتا تھا۔ اور جس قدر ملتا تھا تو اُس کی شرح سود ایک روپیہ سیکڑہ سے لیکر زیادہ سے زیادہ دو روپے سیکڑہ تک ہوتی تھی حتیٰ کہ معزز مہاجنوں میں دو روپیہ سیکڑہ سے زیادہ سود لینا معیوب سمجھا جاتا تھا جس کی تصدیق کرنیل دلیس نے جو پنجاب کے ایک سویلین تھے کی ہے۔

۳۔ آراضی میں حقوق مالکانہ ملنے کا دَور

دوسرا دَور اس صوبہ پنجاب انگریزی عملداری سے شروع ہوتا ہے جب کہ ۱۸۲۹ء میں گورنمنٹ نے بجائے جنس کے نقد لگان مقرر کردی اور زمینداروں کو اپنی مقبوضہ آراضی رہن اور بیع کرنے کے اختیارات دے دئیے۔ رہن اور بیع کے اختیارات نے رعایا کی مالی حیثیت کو دس گونہ سے لیکر بیس گونہ تک بڑھا دیا۔ جن لوگوں کو مشکل بیس روپیہ قرض مل سکتے تھے انھیں آراضی کی کفالت پر صدہا روپیہ ملنے لگا۔ سرکاری لگان ادا کرنے کے لیئے قرض، روزمرہ کی ضروریات کے لیئے قرض، شادی اور غمی کی تقریبات کے لیئے قرض حتےٰ کہ اسراف اور عیش پرستی کے لیئے قرض ملنے لگا اور زر قرضہ پر سود، سود در سود اس کے بعد ڈگری اور ڈگری کے بعد نیلام کی نوبت آنے لگی۔

تمام سرکاری رپورٹوں میں تحریر ہے کہ مسلمان ابتدا سے روپیہ رکھنا

نہ جانتے تھے۔ پہلے انھیں قرض نہ مل سکتا تھا اس لیئے اگر کھانے کو نہ ملتا تو بھوکے رہتے۔ مگر اس تبدیلی سے انھیں تو اس سے خوشی ہوئی کہ خوب قرض ملنے لگا جس سے وہ سمجھے کہ وہ بڑے دولتمند ہو گئے اور مہاجنوں کو اس سے خوشی ہوئی کہ قرضہ کے بدلے میں اُن کے ہاتھ جائدادیں آنے لگیں اور تھوڑے عرصہ میں بڑے بڑے زمیندار بن گئے۔

۴۔ شرحِ سود کی آزادی کا اثر

چونکہ زمینداریوں کے انتقال میں سودی کاروبار کا بڑا حصہ تھا اس لیئے سود کے متعلق چند تاریخی واقعات عرض کرنا غالبًا بے موقع نہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ سود چوں کہ انسانوں کی صرف ایک محدود تعداد کے لیئے نفع بخش اور زیادہ کے لیئے مضر اور ان کی بربادی کا باعث تھا اس لیئے اس کی ممانعت ہر قوم و مذہب میں تھی دُنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں سود ممنوع اور معیوب نہ رہا ہو۔ اُسے مذہبی اور ملکی قوانین دونوں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ کبھی نہ رُک سکا بلکہ ممانعت سے اس کی شرح بڑھ جاتی تھی کیوں کہ جب لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اُن کے روپیہ کا سود علانیہ وصول نہیں ہو سکتا تو اس کی وصولی مشتبہ ہونے کی وجہ سے شرح سود بڑھ جاتی تھی۔ بالآخر بہت سے تجربوں کے بعد انگلستان میں ۱۵۴۵ء میں شرح سود کی حد دس فی صدی مقرر کی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ یورپ میں سودی قرضہ زیادہ تر غربا اور ضرورت مند لوگ لیتے تھے اور اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ مگر جب صنعتی کاروبار کا دَور شروع ہو تو روپیہ کاروبار تجارت اور کارخانوں میں لگانے

کے لیئے قرض لیا جانے لگا جس میں قرض دینے والے اور لینے والے دونوں کا نفع تھا اس نے ملک کی دولت میں اضافہ کیا جس سے شرح سود خود بخود کم ہونے لگی۔ اسے دیکھ کر انگلستان میں سلطنت نے سنہ ۱۶۲۴ء میں شرح سود دس فی صدی سے گھٹا کر آٹھ فی صدی کر دی۔ پھر سنہ ۱۶۵۰ء میں چھ فی صدی اس کے بعد ۵ فی صدی کی اور انجام کار سنہ ۱۸۵۴ء میں تعین شرح سود کا قانون بالکل منسوخ کر دیا اور لوگوں کو سود کی داد ستد میں بالکل آزاد کر دیا۔ اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان میں شرح سود ایک زمانہ میں صرف دو فی صدی سے تین فی صدی سالانہ تک گھٹ گئی۔ انگلستان صدیوں کے تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ سود پر سے تمام بندشیں اُٹھا دینے سے روپیہ آزادی کے ساتھ کاروبار میں لگ کر ملک کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریزی گورنمنٹ نے ہندوستان میں بھی سنہ ۱۸۵۵ء میں سود کو بالکل آزاد کر دیا۔

اس طرح سات سال کے عرصہ میں دو قانون پے در پے ایسے پاس ہوئے جنھوں نے مسلمانوں کی حالت پر غیر معمولی اثر ڈالا۔ سنہ ۱۸۴۹ء کے قانون کی رو سے زمیندار اراضی کے مالک ہو گئے جس سے ان کی حیثیت اور دولت بڑھ گئی۔ مگر مسلمان زمیندار کو حساب کتاب اور روپیہ رکھنے سے تو کبھی سابقہ پڑا نہ تھا۔ اس قانون کے اجرا سے پہلے بھی اُس کے غلہ کا حساب کتاب گاؤں کا بنیہ جو مثل ایک ادنیٰ خادم کے ہوتا تھا، رکھتا تھا۔ اب غلہ کے بدلے جب نقد مال گزاری ادا کرنے کی ضرورت ہوتی تو بنیہ سے روپیہ قرض لے کر ادا کرتا جو رفتہ رفتہ بڑھتا رہتا۔ مگر سنہ ۱۸۵۶ء کے قانون نے جس کی رو سے شرح سود

غیر محدود ہوگئی قرضہ کی تعداد اور مقدار کو بھی غیر محدود کردیا۔

۵۔ سود کے قدیم اور جدید قوانین کا مقابلہ

اس سے قبل ہندوستان میں سود کا رواج ضرور تھا مگر بہت ہی بندشوں کے ساتھ تھا۔ مثلاً زمانہ ہائے قدیم سے یہاں سود پر روپیہ دینے کی اجازت صرف ویشوں کو تھی اور وہ صرف اس قدر کہ اصلی رقم قرضہ سے سود کی رقم زیادہ نہ ہونے پائے۔ اس قانون کا نام دام دوپٹ تھا جو اب تک کلکتہ و صوبہ بمبئی اور برار میں جاری ہے اور جس کی رو سے ہندول بر اصل رقم قرضہ سے سود کی رقم زیادہ نہ ہونے پائے۔ اس قانون کا نام دام دوپٹ تھا جو اب تک کلکتہ و صوبہ بمبئی اور برار میں جاری ہے اور جس کی رو سے ہنددؤں پر اصل رقم سے دوگنے سے زیادہ کی ڈگری نہیں ہو سکتی۔

مگر سنہ ۱۸۵۶ء کے قانون نے سود کی تمام بندشوں کو توڑ دیا۔ پہلے زمانہ میں قرضہ وصول کرنے کے لیے کوئی خاص قوانین نہ تھے اور نہ اس کے لیے کوئی خاص چارہ کار تھا۔ قرضہ کی ادائیگی ایک اخلاقی فرض تھا اس لیے قرضہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہتا تھا اور مدیون کی اولاد اپنی بساط کے موافق اس کے ادا کرنے کے لیے تیار رہتی تھی۔ مگر قانون میعاد کے اجرا سے داین کے لیے یہ ضروری ہوگیا کہ وہ چھ سال کے اندر اپنا قرضہ وصول کرلے ورنہ اس کا قرضہ مارا جاتا۔ یہ میعاد بعد میں صرف تین سال رہ گئی۔

اس کی وجہ سے عدالتوں میں نالشوں کی بھرمار ہونے لگی۔ اور اسی کی وجہ سے شرح سود بڑھی۔ سادہ سود کی جگہ سود در سود ہوگیا۔ ایک روپیہ سالانہ سود

کی جگہ دو تین روپیہ تک سود بڑھ گیا اور دیہات میں آدھ آنہ اور ایک آنہ فی روپیہ ماہوار کے حساب سے پچھتر فی صدی سالانہ تک پہونچ گیا۔ مدیون یہ کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح سے میعاد گزر جائے تاکہ وہ قرضہ کے بار سے بغیر اُسے ادا کیئے ہوئے سبکدوش ہو جائے۔ غرض کہ ان وجوہ سے مقدمہ بازی کی بنیاد قایم ہو گئی۔ قرضہ کی علت میں منقولہ اور غیر منقولہ جایداد اور مویشی نیلام ہونے لگے اور مدیون گرفتار ہو کر جیل خانے جانے لگے۔

۶۔ مسلمانوں کی قرضداری کے اعداد

ان وجوہ سے مسلمان زمینداروں کی بربادی کی کوئی حد و انتہا نہ رہی مثلاً مسٹر رابرٹسن نے راولپنڈی کی نسبت لکھا ہے کہ وہاں اسّی فی صدی زمیندار مقروض تھے۔ یہ حالت دیکھ کر افسران ضلع کو خیال ہوا کہ یہ قرضداری صرف مسلمانوں کے مسرفانہ عادات کی وجہ سے ہے اس لیئے مسٹر ہیمیں نے ۱۸۹۶ء میں شمالی سندھ کے چند اضلاع میں تحقیقات کرائی جس کے نتائج حسب ذیل ہیں:۔

مسرف زمیندار	۱۵ فی صدی
باوجود محتاط ہونے کے مقروض	۷۵ فی صدی

اسی تحقیقات میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے قبضہ میں ۴۲ فی صدی اراضی بیع یا رہن ہو کر پہونچ چکی ہے۔ اسی طرح ۱۸۷۹ء میں ضلع مظفر گڑھ میں تحقیقات کرائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ ۷۰ فی صدی مسلمان مقروض ہیں اور ہندوؤں و مسلمانوں کی نسبتی حالت حسب ذیل ہے۔

(۱) مسلمان مُسرف اور غریب ہیں	(۲) ہندو کفایت شعار اور خوشحال ہیں
(۲) مسلمان جاہل ہیں۔	(۲) ہندو لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہیں
(۳) مسلمان جرایم کے عادی ہیں	(۳) ہندو پُرامن زندگی بسر کرتے ہیں
(۴) مسلمان صرف زراعت پیشہ ہیں	(۴) ہندو زراعت کے روپیہ کی دادوستد اور تجارت کرتے ہیں۔
(۵) مسلمان اراضی خریدنے کے لیے قرضہ لیتے ہیں۔	(۵) ہندو قرضہ کے بدلے اراضی حاصل کرتے ہیں۔

اکثر اصحاب سمجھتے ہیں کہ ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جاتے رہنے اور اس کے بعد غدر کے واقعات نے مسلمانوں کو برباد کر دیا۔ مگر میں دعوے کے ساتھ قوم کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کرنے کے لیے تیار ہوں کہ جس قانون کے اجرا نے بقول پنجاب کے مشہور مسٹر تھاربرن کے" دادوستد کرنے والی قوموں کو سونے کی کانوں تک پہونچا دیا" اسی نے مسلمانوں کو تھوڑے عرصہ میں فارغ البالی کی چوٹی سے گرا کر افلاس کے کھڈ میں گرا دیا۔ جو چیز ہندوؤں کے لیے رحمت ثابت ہوئی وہ مسلمانوں کے لیے سراپا زحمت ہی زحمت ہوگئی وہ اس طرح کہ زمین کو رہن اور بیع کرنے کے اختیارات حاصل ہونے سے تو بہ کثرت روپیہ قرض لیا گیا اور قرض لیا ہوا روپیہ بشرح سود اور سود در سود کی آزادی سے اس قدر تیزی کے ساتھ بڑھا جس کا پورا اندازہ آج تک بھی مسلمانوں کو نہیں ہوتا جب کہ وہ اپنی تمام جائدادیں قرضہ کی نظر کر چکے۔

۷۔ سود کی مضرت سے بچنے کے قوانین۔ اس حالت کو دیکھ کر بقول

مسٹر تھاربرن کے (جنھوں نے بعد میں پنجاب میں قانون انتقال آراضی پاس کرایا) حکام وقت کو یہ اندیشہ ہوا کہ بالعموم جملہ اقوام کے زمیندار اور بالخصوص مسلمان زمیندار ننگے بھوکے ہوکر ملک میں فساد اور بلوے کریں گے اس لیے اُنھوں نے ایسے قوانین تجویز کیئے جن سے پُرانی زمینداریاں قایم رہیں۔ اس کے لیۓ مختلف صوبوں میں مختلف قوانین جاری کیئے گئے مثلاً سنہ ۱۸۷۶ء میں سندھ کی زیر بار قرضہ جائدادوں کا قانون سنہ ۱۸۸۴ء میں کاشتکاروں کا قانون سنہ ۱۸۸۵ء میں ترقی حیثیت آراضی کا قانون سنہ ۱۹۰۰ء میں کاشتکاروں کی امداد کا قانون سنہ ۱۸۸۲ء میں جھانسی کی زیر بار قرضہ جائدادوں کا قانون سنہ ۱۸۷۹ء میں دکن کی رعایا کا قانون اور سنہ ۱۹۰۰ء میں پنجاب کا قانون انتقال آراضی پاس ہوا۔

۸۔ قانون انتقال اراضی

مندرجہ بالا قوانین کی تفصیلات کو طوالت کے اندیشہ سے ترک کردیا گیا ہے۔ البتہ جس قدر قوانین پاس ہوئے اُن میں سب سے اہم پنجاب کا قانون انتقال اراضی تھا جو مسٹر تھاربرن کی رحم دلی اور غیر معمولی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس قانون کی رو سے آراضی اُن ذاتوں کے حق میں منتقل ہونا بند ہوگئی جن کا پیشہ خالص ساہوکارا تھا اور جو زراعت پیشہ نہ تھیں۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ زمینداروں کی جائداد بنیوں اور کھتریوں کے پاس رہن اور بیع ہونی بند ہوگئی اور ہزاروں خاندان بربادی اور تباہی سے بچ گئے۔ اس قانون کے پاس ہونے سے دس سال قبل کے دوران میں پنجاب کا قرضہ بقدر سولہ کروڑ کے بڑھ گیا تھا۔ مگر یہ قانون پاس ہونے کے دس سال کے اندر صرف

نو کروڑ یعنی بقدر نصف کے بڑھا جس سے اس صوبہ کو بدیہیا نفع پہونچا۔

۹. قانون انجمن امداد باہمی

انتقال اراضی کا قانون نافذ ہونے کے تین سال بعد مسٹر ڈینزل ابٹسن

Sir Danzil Ibbetsan.

کے زمانہ میں سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک قانون انجمن ہائے امداد باہمی پاس ہوا اور اس سے ایک کی جگہ دو مفید قوانین ہو گئے جنھوں نے مل کر پنجاب کے زمیندار کاشتکاروں کی دولت میں خوب اضافہ کیا۔ خوش نصیبی سے اس محکمہ میں پنجاب کو ایسے ہمدرد افسر ملے جن کی نظیر دوسرے صوبوں میں کم ملے گی اور جن کی کوششوں سے دیہات میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک گئی اور بیس سال کے عرصہ میں کل ہندوستان کی پچپن ہزار انجمنوں میں سے دس ہزار انجمنیں صرف پنجاب میں قایم ہو گئیں۔ گویا مردم شماری کے حساب سے جس قدر ہونی چاہییں تھیں اس سے دوگنی انجمن ہائے امداد باہمی قایم ہوئیں۔

پھر یہ کہ پنجاب میں سود خواروں کی اس قدر کثرت ہے کہ الامان الحفیظ یعنی پنجاب کو چھوڑ کر تمام ہندوستان میں جتنے مہاجن ہیں اُن سے تین گونہ صرف پنجاب میں ہیں۔ یہاں داد و ستد کے پیشہ کا اس قدر زور ہے کہ مہاجنوں کی آمدنی کا مقابلہ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں کر سکتا۔ ان کی آمدنی نہ صرف تمام ملازمت پیشہ لوگوں سے زیادہ ہے بلکہ صنعت و حرفت کے کارخانوں کی آمدنی سے بھی دو چند ہے۔ ان کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ

اُس ٹیکس کے حساب سے جو وہ ادا کرتے ہیں چھ کروڑ سالانہ کیا جاتا ہی مگر پنجاب کے زمیندار کاشتکاروں نے کچھ تو ذاتی دادِ سند سے اور کچھ قانون انتقال آرضی اور انجمن ہائے امداد باہمی کی مدد سے مہاجنوں کا مقابلہ نہایت کامیابی سے کیا اور گزشتہ دس سال میں ان کی تعداد بقدر دس فی صدی کے گھٹا دی اور مسٹر ڈارلنگ نے اپنی کتاب میں لکھا ہی کہ جالندھر میں سکھ جاٹ اس ضلع کے ساہوکاروں کو بے دخل کر رہے ہیں اور امرت سر، لدھیانہ اور ہوشیار پور کے ساہوکاروں کا برابرانہ مقابلہ کر رہے ہیں۔ مسٹر ڈارلنگ نے یہ بھی لکھا ہی کہ لائل پور کے سکھ کاشتکار جنوبی یورپ کے کاشتکاروں سے زیادہ خوش حال ہیں۔

۱۰۔ مفید ترین قوانین سے مسلمانوں نے نفع نہیں اُٹھایا

مگر اب سوال یہ ہی کہ ان تمام مفید ترین حالات اور بہترین قوانین کی موجودگی میں جو بیس پچیس سال سے پنجاب میں جاری ہیں مسلمانوں نے کیا نفع اُٹھایا؟ اس سوال کے جواب میں اخبارات کے کالم اور سرکاری رپورٹیں مسلمانوں کی نوحہ خوانی سے پُر نظر آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک اخبار میں لکھا تھا کہ لودھیانہ اور ہوشیار پور کے مسلمان زمینداروں کے قرضوں کا اوسط اُن کے سرکاری مالیہ سے ۲۰ گونہ ہی۔ دوسری جگہ لکھا تھا کہ مسلمانوں پر ساٹھ کروڑ قرضہ ہی۔ ایک تیسرے اخبار میں لکھا تھا کہ پنجاب میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے کسی قدر کم ہی مگر ٹیکس دہندگان میں مسلمانوں سے تیرہ گونہ ہی اور خود ہم نے مردم شماری کی رپورٹ میں دیکھا کہ ہندو

جو رقم انکم ٹیکس ہیں دیتے ہیں وہ مسلمانوں کی مجموعی رقم سے ۲۰ گونہ ہی۔
مسٹر ڈارلنگ نے مظفر گڈھ کے بلوچیوں کی نسبت لکھا ہی کہ اُن کی ۸۰ فی صدی یعنی تمام آراضی ہندوؤں کے پاس رہن ہو گئی جو اس کی کل پیداوار پر قابض ہیں اور نام نہاد مالکان آراضی سے غلاموں کے سے کام لیتے ہیں اُن سے مشقت کراتے ہیں اور مویشی اور پانی کی چوری کراتے ہیں۔"

مسٹر ڈارلنگ موصوف نے مسلمانوں کی قابل رحم حالت سے متاثر ہو کر لکھا ہی کہ

"قرضہ کے گراں بار میں دب کر کوئی شخص یہ اُمید نہیں کر سکتا کہ اُس کے قوی کا نشو و نما ہوگا۔ اور یہ کلیہ اگر افراد کے لیئے درست ہی تو جماعتوں کے لیئے بھی ضرور درست ہونا چاہیئے پس جب تک کہ مسلمان قرضہ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں وہ اپنی حالت کسی طرح بہتر نہیں کر سکتے۔ اور بدترین امر یہ ہی کہ یہ قرضہ ہندوؤں اور سکھوں کا ہی جس کی وجہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات میں کشیدگی ہی اور رنجش کی موجودگی صوبہ کی پوری ترقی اور نشو و نما کے لیئے مضر ہی۔ کیونکہ جس خاندان میں اندرونی نزاع ہو اس کا قایم رہنا مشکل ہوتا ہی۔"

۱۱۔ مسلم زمینداروں نے بنیوں کی جگہ لے لی	تمام ہندوستان کے مسلمان، پنجاب کے مسلمانوں کو رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ ان کی جائدادیں قانون انتقال آراضی کی وجہ سے محفوظ ہیں مگر

جب کبھی جماعت میں قانون سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہ ہو تو قانون زبردستی کہاں تک فائدہ پہونچا سکتا ہے۔ موجودہ قوانین کی رو سے زراعت پیشہ ذاتوں کی جائدادیں۔ غیر زراعت پیشہ ذاتوں کے نام منتقل نہیں ہو سکتیں مگر جب مسلمانوں کو قرضہ لینے اور جائداد رہن و بیع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اول تو فی یقین سیکڑوں صورتیں بیع و رہن کی نکال سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب سے مہاجن کے لیئے مزروعہ آراضی کو اپنے حق میں رہن و بیع کرانے کا دروازہ بند ہوا ہے، مہاجنوں کی جگہ غیر مسلم زمینداروں اور کاشتکاروں نے روپیہ کی دادستد کا کام اختیار کر لیا اور اب وہ لوگ قانون کی روسے اسی طرح مسلمانوں کی جائدادیں حاصل کر رہے ہیں جس طرح سے کہ مہاجن اور کھتری حاصل کیا کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بعض اضلاع سے سود خوار مہاجن کو خارج کر کے اس کی جگہ لے لی ہے۔ ان کی نسبت ایک زمیندار نے مسٹر ڈارلنگ سے یہ لطیفہ کہا تھا کہ "اگر قانون انتقال آراضی نے بھیڑ کو بھیڑیے کے پنجوں سے چھڑایا تھا تو صرف اس لیئے کہ اسے قصاب کے سپرد کر دے"۔

گویا کہ مسلمان زمینداروں کی قسمت میں تو بربادی لکھی ہے خواہ وہ بنیہ اور کھتری کے ہاتھوں سے ہو یا سکھ اور جاٹ کاشتکاروں کے ہاتھوں سے۔

۱۲۔ قانون انتقال آراضی کی منسوخی کا مسئلہ

ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس قسم کے قوانین جیسا کہ قانون انتقال آراضی ہے محض عارضی حالات کی بنا پر عارضی فوائد کے لیئے جاری ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ کورٹ آف وارڈس کا قانون نابالغوں کے لیئے ہے

جب نابالغی کا زمانہ گزر جاتا ہی تو پھر اس قانون کا نفاذ اس پر سے اٹھالیا جاتا ہی
چنانچہ مسٹر تھاربرن نے قانون انتقال آراضی کی ضرورت ثابت کرنے کے
لئے مسلمانوں کی نسبت کہا تھا کہ

"عقل معاش کے اعتبار سے وہ مثل ایک وحشی درندے کے ہی"

گویا مسلمانوں میں عقل معاش پیدا کرنے کے لیئے یہ قانون پچیس[۲۵] سال سے
نافذ ہی مگر کچھ لوگ اس قانون کو عرصہ تک جاری رکھنا ملک کے لیے مضر سمجھتے
ہیں اور اس کے کچھ نقصانات بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہی کہ جو قانون
کسی جماعت کی حفاظت کے لیئے نافذ کیا جاتا ہی اگر وہ عرصہ تک قایم
رہے تو اس جماعت کو کمزور کر دیتا ہی جیسے کسی بچہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے چلاتے
رہیں تو وہ چلنا نہیں سیکھتا اور کمزور رہ جاتا ہی۔ یہ بھی کہا جاتا ہی کہ
زمینداری اور کاشتکاری کی ترقی اُس وقت زیادہ ہوسکتی ہی جب کہ اس
پیشہ میں ذی فہم اور تعلیم یافتہ لوگ شریک ہوں۔ یہ لوگ بالعموم شہروں
میں رہتے ہیں اور موجودہ قانون کی وجہ سے زمینداریاں نہیں خرید سکتے اگر
انھیں خریداری کی اجازت ہو تو وہ کاشت کے کاموں میں اپنا سرمایہ اور
دماغ صرف کریں اور تب ملک کو خوب ترقی ہو۔ غرض کہ اس قسم کی
چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور خود مسٹر ڈارلنگ نے اپنی کتاب میں صاف
الفاظ میں لکھا ہی کہ "اب وہ وقت آگیا کہ قانون انتقال آراضی میں ترمیم
کر دی جائے"

اگر خدانخواستہ یہ قانون منسوخ یا ترمیم ہو گیا تو خطرہ یہ ہی کہ مسلمانوں کا

جو ایک خیالی سہارا تھا وہ بھی باقی نہ رہے گا۔ "خالی سہارے" کا لفظ اس لیے عرض کیا گیا ہے کہ جو مختلف قوانین کمزور جماعتوں کے لیے مختلف اوقات میں نافذ ہوئے اگر وہ مرض کے صحیح علاج ہوتے تو وہ ضرور مسلمانوں کو مستقل نفع پہنچاتے مگر یہاں تو ہنوز روز اول کا مضمون صادق آتا ہے۔

اس موقعہ پر میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جو اصحاب مسلمانوں کی بربادی روکنے کے لیے مختلف اوقات میں کونسلوں میں قانونی مسودات پیش کرتے رہتے ہیں وہ نہایت شکرگزاری کے مستحق ہیں اور قوم کو ان کی ہر طرح امداد و ہمت افزائی کرنی چاہیے مگر تمام قوم کا قانونی ترمیمات کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا بڑی پست ہمتی کی علامت ہے بالخصوص مسلمانوں کے لیے جو ایک جری اور بہادر قوم رہی ہے گری ہوئی بات ہے کہ ان کا بہر کہ وبہ خاص مراعات خاص قوانین اور حفاظتی قواعد کی جستجو میں رہا کرے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، حفاظتی قوانین قوم کو کمزور کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہمیں اب اپنے آپ کو اس قابل بنانا چاہیے کہ جس طرح تیر و تبر نیزہ و تلوار، توپ و تفنگ کی لڑائیوں میں ہم کھلے میدانوں میں لڑ کر کامیاب ہوئے اسی طرح اب سرمایہ داری اور روپیہ کے کاروبار میں بغیر قانونی آڑ اور امداد کے کیوں نہ فتح حاصل کریں۔

۳۱۔ باوجود قانون انتقال آراضی کے قرضہ میں زیادتی

یہ یقینی امر ہے کہ پنجاب نے گزشتہ پچیس سال میں بہت دولت پیدا کی جس میں مسلمانوں کی محنت کا بھی بڑا حصہ ہے۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ

محنت کرتے ہیں وہ دیگر اقوام سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں مگر بقول مسٹر تھاربرن کے۔

"مسلمان اس لیئے محنت کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ اس سے

آرام پائیں اور اس لیئے بوتے ہیں کہ دوسرے لوگ اسے

کاٹیں۔ اُمید انھیں چھوڑ دیتی ہے اور مایوسی اُن پر مسلّط

ہو جاتی ہے۔ ور آزاد انسانوں کی خوبیوں کی جگہ اُن میں غلاموں

کے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔"

اگر مسٹر تھاربرن کے یہ الفاظ نقل کرنے کسی صاحب کو ناگوار ہوں تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ میری غرض صرف یہ ہے کہ مسلمان محنت میں دوسروں سے کم نہیں۔ مگر اس صوبہ میں باوجود قانون انتقال ارضی پاس ہو جانے کے ایک حد تک مسلمانوں کی وجہ سے کل صوبہ کا قرضہ بڑھ گیا ہے اور شرح سود بھی نہیں گھٹی۔ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ قانون انتقال آراضی نافذ ہونے میں پنجاب کا مجموعی قرضہ گھٹ گیا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب زراعت پیشہ اقوام نے روپیہ کا لین دین شروع کر دیا اور اُن کے پاس مسلمانوں نے اپنی زمینداریاں مکفول اور رہن کرنی شروع کر دیں تو پھر ملک کا قرضہ بڑھ گیا جیسا کہ حسب ذیل اعداد سے واضح ہوگا:۔

سنہ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۲ء تک	یعنی قانون انتقال اراضی نافذ ہونے سے قبل	قرضہ بقدر ۱۶ کروڑ بڑھا
سنہ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۱ء تک	قانون مذکور نافذ ہونے کے فوراً بعد	قرضہ بقدر ۹ کروڑ بڑھا

سنہ ۱۹۱۲ سے ۱۹۲۲ء تک	یعنی گزشتہ دس سال میں جب سے زراعت پیشہ لوگ زیادہ داد و ستد کرنے لگے	قرضہ بقدر ۳۰ کروڑ کے بڑھا

ملکوں کا قرضہ بڑھنے سے ہمیشہ یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس سے انھیں نقصان ہی نقصان رہتا ہی۔ اگر روپیہ قرض لے کر ملک کی ترقی میں اور نفع آور کاموں میں لگایا جاتا ہی تو بادجود قرضہ بڑھنے کے وہ ملک کے لیئے مفید ہوتا ہی مگر پنجاب میں جو مقدار قرضہ کی بڑھی ہی اس کا بڑا حصہ مسلمانوں کے ہاتھ زیر بار عیش پرستی اور غیر نفع آور کاموں میں لگا ہوا ہی اس سے کہیں زیادہ صوبہ کے قرضہ کی مقدار ہی۔ صوبہ کی پیداوار اگرچہ خوب رہی ہی جس سے روپیہ زیادہ آتا ہی مگر اسی کے ساتھ معاشرت بھی بڑھ رہی ہی اور جو لوگ روپیہ کا کچھ اور مصرف نہیں جانتے وہ لامحالہ عیش اور آرام اور لطف کی چیزوں پر روپیہ صرف کرتے ہیں۔

۱۴ مسلمانوں کے اسراف کی وجہ

مگر سب سے اہم سوال یہ ہی کہ روپیہ کو عیش پرستی میں صرف کرنے میں مسلمان ہی سب سے آگے کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہی کہ مسلمان اب تک صرف دولت سے واقف ہیں اور سرمایہ سے واقف نہیں جس روز وہ سرمایہ سے واقف ہو جائیں گے تو وہ بھی مثل دیگر اقوام کے محتاط کفایت شعار اور عاقبت اندیش ہو جائیں گے۔ مذہبی کتابوں میں جس قدر برائیاں دولت کی لکھی ہیں ان کا ایک ایک لفظ درست ہی کیونکہ دولت اُس روپیہ سے مراد ہی جو کسی کام میں

نہ لگا ہو اس حالت میں یا تو اسے جلد سے جلد صرف کر کے اس سے لطف اٹھایا جائے یا کسی آئندہ زمانہ میں اس سے لطف اٹھانے کے لیئے اسے مکان میں یا زمین کے نیچے محفوظ کر دیا جائے۔ اگر اسے فوراً صرف کر کے لطف اٹھایا جاتا ہے تو یہ اسراف ہے جس پر مسلمانوں کا عمل ہے اور جس کے لیئے کلام پاک میں "تبذیر" کا لفظ آیا ہے اور مبذرین کو "اخوان الشیاطین" قرار دیا گیا ہے۔ برخلاف اس کے تکلیف اٹھا کر اگر روپیہ کو زیر زمین پہونچا دیا جائے اور اس طرح اسے بیکار رکھا جائے اور ملک اور قوم کی ترقی اور نیک کاموں میں صرف ہونے سے روکا جائے تو یہ بخل ہے اور اس طریقہ پر روپیہ رکھنے والوں کے لیئے کلام پاک میں آیا ہے۔ "وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ط كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ط نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ"

اس سے معلوم ہوا کہ اسراف اور بخل دونوں چیزیں مذموم اور مخرب اخلاق ہیں اور یہ دونوں فی الواقع دولت کے نتیجے ہیں نہ کہ سرمایہ کے۔ اور خود مجھے اقتصادی حالت کی ترقی کی تحریک کی نسبت اندیشہ رہتا ہے کہ مسلمان اس سے غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو کہیں سے دس ارب روپیہ بھی مل جائے تو ان کی حالت اب سے بدتر ہو جائیگی کیوں کہ وہ اور زیادہ مسرف اور عیش پرست ہو جائینگے اس افلاس میں بھی ان کی یہ حالت ہے کہ بڑے شہروں میں جن میں مزدوروں کو بھی مزدوری

ملتی ہو وہاں وہ اپنی کمائی شراب خواری اور عیاشی میں صرف کرتے ہیں اسی طرح جن علاقوں میں زیادہ پیداوار کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس زیادہ روپیہ آتا ہو وہاں بھی وہ اُسے ضایع کر دیتے ہیں۔

۱۵۔ سرمایہ کیا ہی؟ بہرحال جس چیز کے متعلق میں اصرار کرتا ہوں وہ دولت سے مختلف ہی اور وہ "سرمایہ" ہی۔ سرمایہ وہ روپیہ نہیں جو اپنی جیب میں رکھا ہو یا مکان میں دفن ہو بلکہ صرف وہ روپیہ ہی۔ جو کام کرنے والے مزدوروں کے کھانے اور کپڑے میں صرف ہو ہو آلات زراعت میں کارخانوں، ریلوں اور نہروں میں لگا ہو اور جس سے ملک کی حقیقی ترقی متصور ہو۔ جب انسان کو ان کاموں میں روپیہ لگانے میں ذائقہ آنے لگتا ہو تو پھر اُسے اپنی ذات پر بجز قوت لایموت کے ایک پیسہ بھی صرف کرنا گراں گزرتا ہی۔ خود اپنے اس صوبہ کو دیکھ لیجیے کہ جن اضلاع میں سے نہروں کا گزر ہوا وہاں کے ہندو مسلمان، دونوں پر دولت برسنے لگی مگر اس دولت کے ساتھ دونوں نے کیا برتاو کیا؟ ہندوؤں نے تو اس دولت کو سمیٹ کر اس کا ایک ایک پیسہ نفع آور کاموں اور روپیہ کے کاروبار میں لگا کر اسے سرمایہ میں منتقل کر لیا جس سے اُن کی آمدنی بڑھنے کا ایک مستقل سلسلہ قایم ہو گیا۔ برخلاف اس کے مسلمانوں نے نہ صرف اپنی کمائی ہوئی دولت کو صرف کر ڈالا بلکہ ہندوؤں کا بھی روپیہ اُن سے قرض لیکر غیر نفع آور کاموں، اسراف اور عیش پرستی میں لگایا اور مفلس تر اور تنگدست ہو گئے۔

میرے پاس اتفاق سے اسی ہفتہ میں ایک مسلمان پٹواری کا خط ضلع منٹ گمری سے آیا ہی جس سے میرے اس خیال کی پوری تصدیق ہوتی ہی اس خط کا اقتباس یہ ہی۔

"اس ضلع کے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ تھوڑی سی رقموں سے اُن کے نام چند سال سے کس قدر قرض ہو گیا۔ دوکان داران چک ذرا سی دوکان کے مالک ہوتے ہیں مگر بڑی بڑی اراضیات والے اُن کے سامنے ہیچ ہیں۔ وہ فصل کی ساری جنس بھی لے لیتے ہیں۔ مگر قرض جوں کا توں رہتا ہی۔ اس میں کمی کی اُمید مشکل ہی۔ کیوں کہ یہ سب کچھ سود کا نتیجہ ہی زمینداران آرضی گویا دوکان داروں کے مفت کے مزارعہ ہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان کسی طرح ترقی کا منہ نہیں دیکھ سکتے"!

حضرات!

میں تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں اور اب پھر اختصار کے ساتھ اُسے دُہراتا ہوں کہ جو بے نظیر مواقع مسلمانوں کو پنجاب میں حاصل ہیں وہ ہندوستان کے کسی دوسرے صوبہ میں نہیں ہیں۔ یہاں خدا کے فضل سے مسلمانوں کی مردم شماری زیادہ ہی اسی کے ساتھ زمینداروں اور کاشتکاروں میں ان کی تعداد زیادہ ہی جسمانی اعتبار سے یہاں کے مسلمان قوی ہیں۔ کاشتکاری کی اغراض کے لیئے یہاں کی زمین دُنیا میں اوّل درجہ کی سمجھی جاتی ہی۔ ایک ثلث رقبہ نہروں سے سیراب ہی۔ آبادی کی نسبت سے زمین زیادہ ہی اس لیئے کاشت کی وسعت و ترقی کے لیئے میدان کشادہ ہی۔ انتقال اراضی کا

قانون جو مخصوص طور پر مسلمانوں کے لیئے مفید ہی یہاں نافذ ہی اب سب سے بڑھ کر یہ کہ انجمن ہائے امداد باہمی کا بہترین نظام یہاں موجود ہی جو خاص کر مسلمانوں کے لیئے خدا کی رحمت ہی۔ مجھے یہ امر ظاہر کرنے میں نہایت خوشی ہی کہ پنجاب کے مسلمان اس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور مجھے اُمید ہی کہ اس سے اور زیادہ نفع اُٹھائیں گے۔ مگر باوجود بہترین مواقع کے جب پنجاب کی نسبت بھی یہ سننے میں آتا ہی کہ یہاں کے مسلمان بھی افلاس سے پریشان ہیں تو جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور دوسرے صوبہ کے مسلمانوں کے دلوں پر مایوسی طاری ہو جاتی ہی۔ پس پنجاب کو مسلمانوں کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی کے لیئے اپنی مالی حالت کو درست کرنا چاہیئے اور فلاکت زدگی کے دھبہ کو اپنے دامن سے دھو ڈالنا چاہیئے۔

آخر میں میں اپنے تعلیم یافتہ بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے اقتصادی مسئلہ کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائیں اور اپنے قیمتی وقت کا کچھ حصہ ان سرکاری رپورٹوں اور کتابوں کے مطالعہ میں صرف کریں جن سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کا صحیح اندازہ ہو۔ خود میری حالت تو اس جاہل شخص کی مانند ہی جو کسی ایسے مقام پر جا پہونچا ہو کہ جہاں اس کے بھائی ذبح ہو رہے ہوں۔ اور انھیں ذبح ہوتا دیکھ کر وہ شخص اپنے گھر پر آکر لوگوں سے اپنے بھائیوں کے ذبح ہونے کے حالات بیان کرتا ہی مگر چونکہ اس میں طاقت لسانی نہیں۔ اظہار مطلب کی قابلیت نہیں جوش بیانی نہیں، اس لیئے اس کے کہنے کا اثر بہت کم ہوتا ہی۔ پس میں چاہتا ہوں کہ جس

منظر کا میں نے مشاہدہ کیا ہے اور جن رپورٹوں کی جھلک میں نے دیکھ لی ہے اُن کا مطالعہ ذی فہم اور تعلیم یافتہ اصحاب کر کے قومی بربادی اور اُس کے اسباب کا صحیح طور پر پتہ لگائیں۔

دُنیا میں قومیں حاکم بھی رہی ہیں اور محکوم بھی۔ ہندوستان کی پُرانی قومیں ہزاروں برس غلامی میں رہی ہیں اور شدید ترین مصائب انھوں نے جھیلے ہیں مگر کبھی کوئی قوم افلاس و گداگری کے اس درجہ تک نہیں پہونچی جیسی کہ مسلمانوں کی قوم پہونچی ہوئی ہے۔ بلکہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی خصوصیت اب یہ ہو گئی ہے کہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، آزاد ہوں یا غلام، سب جگہ یکساں طور پر مفلس و نادار ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ بھائیوں میں سے بعض اصحاب اہم تاریخی مسائل کی تحقیقات کرتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں ریسرچ کے کام کرتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اُن میں سے ایک دو اصحاب مسلمانوں کے افلاس و گداگری کے اسباب تلاش کرنے میں اپنا وقت صرف کریں۔ سب سے اوّل اپنے ضلع کے گزیٹیر پڑھیں مردم شماری کی رپورٹیں پڑھیں پچھلے جملہ بندوبستوں کی رپورٹیں پڑھیں اور دیکھیں کہ ہر بندوبست میں مسلمانوں کی کس قدر جائدادیں بتدریج کم ہوتی گئی ہیں اور اُن کے اسباب کیا ہیں۔ ہر سال دو سال بعد مختلف قسم کے کمیشن ملک میں بیٹھتے رہتے ہیں اُن کی ضخیم رپورٹیں پڑھنا ایک شخص کا کام نہیں ہے ان کا مطالعہ یہ معلوم کرنے کے لئے کریں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت میں کیا کیا اور کن کن وجوہ سے کمی یا بیشی ہوئی۔ غرض کہ یہ مضمون نہایت وسیع ہے۔ اور جس طرح مسٹر گوکھلے نے

ہندوستان کو آزادی دلانے کے لیئے سروینٹ آف انڈیا سوسائٹی قایم کرکے پولیٹیکل امور کے متعلق ایک کتب خانہ جمع کر دیا اور نوجوانوں کو وظایف دے کر پولیٹیکل ریسرچ کا کام کرایا۔ اسی طرح مسلمان اس قسم کا کوئی انتظام کریں جس سے اُن کا اقتصادی مسئلہ حل ہو۔

کسی فرد یا قوم کی بدبختی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ اُس کے دل میں کسی چیز کا ولولہ ہو مگر اُس کے حصول کے اسے صحیح ذرائع معلوم نہ ہوں۔ مسلمانان ہند کے دلوں میں مدت دراز سے نہ صرف اپنے ملک کو آزاد کرانے کی بلکہ تمام اسلامی ممالک اور مقامات مقدسہ کو غیر مسلموں کے اثر سے پاک کرنے کی تمنا ہے اور اُس کے لیئے جان توڑ کوشش کرتے ہیں۔ اس تمنا کو پورا کرنے کے لیئے کبھی ایک قوم سے اتحاد و دوستی کرنے کو ذریعہ حصول مقصد قرار دیا جاتا ہے اور کبھی دوسری قوم سے جب اس میں ناکامی ہوتی ہے تو اُس کا ردعمل ہوتا ہے۔ اور جس سے دوستی ہوئی تھی اُس سے نفرت کی جاتی ہے اور جس سے نفرت تھی اُس سے دوستی کی تدابیر سوچی جاتی ہیں۔ جو قومی کمزوری کی خاص علامت ہے۔ اور اس دوران میں حصول سلطنت اور حصول آزادی تو درکنار صحرائی اور سکنی جائدادیں مکفول اور رہن ہو کر فروخت ہوتی جاتی ہیں۔ اور مستقبل قریب میں تو کیا مستقبل بعید میں بھی اس امر کی اُمید باقی نہیں رہتی کہ دوسری کوئی قوم مسلمانوں کو دوستی یا دشمنی کے قابل بھی سمجھے گی۔ پس مسلمانوں کو زیادہ اونچی باتیں چھوڑ کر سب سے مقدم اپنے گھروں کی خبر لینی چاہیئے اور اپنے حسب حال مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ مثلاً یہ کہ سب سے اول

انجمنہائے امداد باہمی کی تحریک سے زیادہ سے زیادہ نفع اُٹھایا جائے۔ اور ہر زمینداد کوشش کرے کہ کم سے کم بقدر ایک سال کی مالگذاری کے اُس کا اثاثہ مستقل سرمایہ کی شکل میں کسی بینک میں جمع ہو جائے۔ پنجاب کے جن اضلاع میں مسلمانوں کی زیادتی ہے ان میں ہر مقروض زمیندار کا قرضہ اوسطاً بقدر بیس یا پچیس سال کی مالگذاری کے ہے۔ برخلاف اس کے خوشحال اضلاع میں بقدر چار یا پانچ سال کی مالگذاری کے ہے۔ پس مسلمان زمینداروں میں سے ہر شخص اگر یہ کوشش کرے گا کہ بقدر اس کی ایک سال کی مالگذاری کے اُس کا سرمایہ محفوظ ہو تو مصیبت اور خشک سالی کے زمانے میں وہ اثاثہ کام آئے گا۔ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب چند ماہ سے ضلع میرٹھ کے دیہات میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر زمینداروں کا بینک قایم کر رہے ہیں۔

جن مقامات میں انجمنہائے امداد باہمی کی تحریک نہیں پہونچی وہاں مسلمانوں کو اپنی ذاتی اور قومی حفاظت کے لئے مثل دیگر اقوام کے روپیہ کا کاروبار کرنا چاہیئے اور اپنے بھائیوں کو معین منافعہ پر قرض دے کر انھیں تجارت و صنعت میں مدد دینی چاہیئے۔ آپ صاحبوں نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ پچھلے دنوں بیرونی سرمایہ کو روکنے کے لیئے ایک کمیٹی قایم ہوئی تھی۔ اُس نے اپنی رپورٹ میں یہ مشورہ دیا ہے کہ ہندوستانیوں کو بنک کے کاروبار کی باقاعدہ تعلیم دیجائے بنکوں کے متعلق ایک آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ قایم کیا جائے۔ ہندوستان میں جس قدر سرمایہ کی ضرورت ہو اُسے اندرون ملک کے روپیہ سے پورا کیا جائے۔

ہندوستان میں طرزِ جدید کی مالی منڈیاں قایم کی جائیں وغیرہ وغیرہ۔
اس سے معلوم ہوتا ہی کہ سرمایہ کا جدید سیلاب عنقریب آنے والا ہی جس کے لئے اگر مسلمانوں نے خاص تیاری نہ کی تو پوری قوم اُس میں بہہ کر برباد ہو جائے گی۔ پس اُس کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو خاص طور پر تیاری کرنی چاہیئے اور بچّوں سے لیکر بوڑھوں تک سب کو کسی نہ کسی شکل میں روپیہ کے کاروبار سے عملی واقفیت حاصل کرنی چاہیئے اور ہر دوستداری کو اپنا نصب العین قرار دے کر اپنی قوم کو سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلانی چاہیئے۔ فروری ۱۹۲۶ء

---

(۳۰)

غیر ملکوں کا سرمایہ اور مسلمان

کمیٹی تحقیقات بیرونی سرمایہ کی سفارشات

کچھ عرصہ سے اخبارات میں "بیرونی سرمایہ" کے متعلق تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ پر اظہارِ رائے ہوا ہی اور اُس میں مسلم اخبارات کا بھی نمایاں حصّہ ہی۔ رپورٹ مذکور میں بیرونی سرمایہ کی چند قسمیں قرار دے کر اُن پر بحث

کی گئی ہو اور یہ مشورہ دیا گیا ہو کہ ہندوستانیوں کو بنیک کے کاروبار کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔ بینکوں کے متعلق ایک آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ قایم کیا جائے ہندوستان میں جس قدر نئے سرمایہ کی ضرورت ہو اُسے اندرونی سرمایہ سے پورا کیا جائے۔ ہندوستان میں طرزِ جدید کی مالی منڈیاں قایم کی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب تجاویز نہایت عمدہ اور مفید ہیں بشرطیکہ ہندوستان کی جملہ اقوام اُن کے عملدرآمد میں حصّہ لے سکیں۔

۲۔ ترقی کی منزلیں

واقعہ یہ ہو کہ اگر کسی ملک میں اپنا سرمایہ نہ ہو یا اگر کچھ سرمایہ ہو اور وہ نفع آور کاموں کی جگہ غیر نفع آور کاموں میں لگتا ہو تو ملک کا اسی میں نفع ہو کہ اُس میں بیرونی سرمایہ بھی آئے تاکہ اُس سے مختلف قسم کے کام جاری رہیں اور اُن میں غربا کو کام ملے۔ جو ممالک پس ماندہ اور غریب ہیں اُن کی ترقی کی پہلی منزل یہی ہو کہ ریلوں، نہروں اور کارخانوں میں سرمایہ لگے خواہ وہ بیرونی ہو یا اندرونی چنانچہ ایک صدی سے زیادہ سے اہلِ یورپ کا اربوں روپیہ ہندوستان میں نفع آور کاموں میں لگا ہوا ہو جس کی بدولت لاکھوں غربا کو کام مل رہا ہو اور اُس سے خود اُن کی اور بچوں کی زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں۔ اگرچہ اسی کے ساتھ وہ لوگ سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ترقی کی دوسری منزل یہ ہوتی ہو کہ مزدوروں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے نکالا جائے اس کے لیے مختلف ممالک میں مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہو کہ بیرونی سرمایہ کو اپنے ملک میں آنے سے

قطعاً روک دیا جائے جیسا کہ بالشویک تحریک کی ابتدا میں اس میں کیا گیا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں مزدور بیکار ہو کر بھوکے مرنے لگے اور تمام ملک تباہی کے کنارہ آ لگا حتیٰ کہ انہیں بالآخر غیر ممالک کے سرمایہ داروں سے رجوع کرنا پڑا اور اُن کی امداد اور دستگیری سے پھر مزدوروں کو کام ملنا شروع ہوا۔ اس کے اس تجربہ سے واضح ہو گیا کہ بیرونی سرمایہ محض روپیہ کی آمد روکنے سے ہر گز نہیں رُک سکتا اور رک بھی جائے تو خود اسی ملک کے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جب ہندوستان میں ترقی کے کاموں کے لیئے سلطنت کی طرف سے روپیہ قرض لیا جاتا ہے تو باوجود چھ فی صدی اور پانچ فی صدی شرح سود ہونے کے کروڑوں روپیہ کے تمسکات انگلستان کے لوگ چند گھنٹوں میں خرید لیتے ہیں اور ہندوستان والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور شکایتیں کرتے ہیں کہ ہم کو سرکاری تمسکات خریدنے کا پورا موقع نہیں دیا گیا لیکن اصلیت یہ ہے کہ جب کہ ہندوستان کے مہاجنوں کو مسرف اور ناعاقبت اندیش مسلمانوں سے بارہ فی صدی سے چوبیس فی صدی سالانہ تک سود کیا ملتا ہے بلکہ روپیہ سے دس گونی قیمت کی جائدادیں آسانی سے مل جاتی ہیں تو انھیں کیا ضرورت ہے کہ وہ چھ فی صدی سالانہ منافعہ کے سرکاری تمسکات خرید کر اپنے روپیہ کو پھنسانا پسند کریں یا جدید قسم کے کارخانے بنا کر اُن میں اپنے روپیہ کو خطرہ میں ڈالیں یہی وجہ ہے کہ باوجود سے کہ ہندوستان میں روپیہ کی داد ستد کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے

تاہم ملک کی صنعت و حرفت میں اُن کا بہت کم روپیہ لگتا ہی اور جو کچھ لگتا ہی وہ غریب کاریگروں کو نہایت گراں سود پر دیا جاتا ہی جس سے وہ تمام العمر سسکتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں ظاہر ہی کہ جب تک ہندوستان کے اندرونی روپیہ کی شرح سود نہ گھٹے تب تک بیرونی سرمایہ کا ہندوستان میں داخل ہونا نہ نقصان دہ ہی اور نہ وہ کسی کے روکے رُک سکتا ہی۔

۳۔ ہندوستان میں شرح سود نہ گھٹنے کی وجہ

پس ہندوستان میں شرح سود نہ گھٹنے کی وجہ یہی ہی کہ مسلمانوں کی سات کروڑ قوم ہر وقت سودی قرضہ لینے کی خواہشمند رہتی ہی اور قرض لے کر زیادہ تر اُسے غیر نفع آور کاموں اور ذاتی آسایش و نمایش کے کاموں میں صرف کر ڈالتی ہی۔ گویا مہاجنوں کا وہ روپیہ جو ملک کی ترقی کے کاموں میں لگتا وہ زیادہ تر مسلمانوں کی وساطت سے غیر نفع آور کاموں میں صرف ہوتا اور ضائع ہو جاتا ہی۔ پس جو اصحاب ملک کی صنعتی، اقتصادی اور حقیقی ترقی چاہتے ہیں وہ خواہ کسی قوم سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں اُن کا سب سے پہلا یہ کام ہونا چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو یہ سکھائیں کہ اُن کے افراد اپنی آمدنی کا ایک حصہ پس انداز کر کے کسی نفع آور کام میں لگائیں۔ مسلمانوں کے اس عمل سے نہ صرف یہ کہ خود اُن کا اور ان کی قوم کا نفع ہوگا

بلکہ

دیگر اقوام کا روپیہ بھی ملک کی بہبودی کے کاموں میں لگ کر اُن کی ترقی کا موجب ہوگا اور بازاروں میں روپیہ کی افزائش سے عام شرح سود اس قدر

گھٹ جائے گی کہ غیر ملک کے سرمایہ داروں کو اپنا روپیہ ہندوستان میں لگانے میں زیادہ نفع نہ رہے گا اور وہ وقت حقیقی معنوں میں بیرونی سرمایہ کے غرک جانے کا ہوگا۔

۴۔ سرمایہ کے لئے بڑا میدان ہے مگر موجودہ حالت میں تو اندرونی اور بیرونی دونوں سرمایوں کے لیے ہندوستان میں بڑی گنجایش ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر قسم کی تجارت و صنعت اور کاروبار کا انحصار بینکوں کے وجود پر ہے۔ انھیں میں افراد کے روپیہ سے قطرہ قطرہ جمع ہو کر دولت کا سمندر بن جاتا ہے اور ان افراد کو کفایت شعاری سکھاتا ہے۔ اور انھیں بینکوں کے ذریعہ روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بہ آسانی منتقل ہوتا ہے اور بینکوں ہی کے ذریعہ روپیہ کی کاروباری قیمت دس گونہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ جتنا روپیہ بنک میں ہو اس سے دس گونہ تجارت وغیرہ کا کام ہو سکتا ہے۔

مگر ہمارے ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں قصبات میں تو کیا بہت سے اضلاع کے صدر مقاموں میں بھی کوئی بنک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے قطعات ایسے ہیں جہاں بیسیوں میل تک نہ پختہ سڑک ہے، نہ ریل ہے۔ نہ نہر ہے نہ تار ہے غرضکہ صنعت و تجارت اور انسانوں کی آبادی اور آسایش کا کوئی سامان نہیں ہے۔ بس ابھی تو ملک آباد کرنے کے لیے اربوں اور کھربوں روپیہ کی ضرورت ہے خواہ وہ اندرون ملک سے فراہم کیا جائے یا بیرون ملک سے حاصل کیا جائے۔ فروری ۱۹۲۶ء

(۳۱)

خوشحال ممالک کی پست ہمتی کے مقابلہ میں ہماری بے فکری

انگلستان کے مفلسوں کی عمدہ حالت

یورپ کی نسبت عام طور پر مشہور ہے کہ وہاں کے ممالک میں ایک طبقہ حد سے زیادہ دولت مند اور دوسرا طبقہ حد سے زیادہ مفلس ہے اور یہ سرمایہ داری کا نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر ہماری قوم میں بعض صاحبان نے اپنا یہ مشن قرار دے لیا ہے کہ وہ سرمایہ کی برائیاں بیان کر کر کے مسلمانوں کو اکتساب دولت سے روکتے رہتے ہیں مگر ذیل کے واقعات سے جو اخبار "ہندو" کے ایک نامہ نگار کی تحریر سے لیے گئے ہیں اور جو پچھلے دنوں اکثر اخبارات میں شائع ہوئے تھے واضح ہوگا کہ وہاں کے مفلس جنکے وحشت انگیز حالات یہاں بیان کیے جاتے ہیں، کس قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں نامہ نگار موصوف نے انگلستان کے ادنیٰ ترین طبقہ کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

(۱) وہ لوگ میلے تھے، باورچی خانہ کے برتن گندے تھے مگر باوجود اس کے وہ ہندوستان کے غریب کلرکوں سے بہتر تھے۔

(۲) غریب لوگوں کے کھانے کا کمرہ علحدہ دیکھا۔ ایک کمرہ میں غریب لڑکیاں کچھ کام کرتی ہیں۔ قصہ سنانے کا ہال الگ ہے۔ ایک کمرہ پالتو وغیرہ کے لئے ہے۔ ایک کتب خانہ ہے۔ ایک ناچ گھر ہے۔

(۳) ادنیٰ سے ادنیٰ مزدوروں کو دو چار پونڈ ہفتہ وار لنا ہی جس کے سوا سو روپیہ ماہوار سے ڈھائی سو روپیہ ماہوار کے قریب ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص بیکار رہو اور اسے نوکری نہ ملے تو گورنمنٹ کی طرف سے ڈیڑھ پونڈ فی ہفتہ یا نوے روپیہ ماہوار ملتا ہی اگر عیال وار ہی تو عورت اور بچوں کا خرچ علاحدہ ملتا ہی۔

(۴) جو اپاہج ہیں اُن کے واسطے علحدہ انتظام ہی۔ لاوارث بچوں کے لئے یتیم خانے ہیں۔

(۵) ان انتظامات کی وجہ سے انگلستان میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا۔ بھوک سے مرجانا تو بڑی بات ہی۔

(۶) یہی حالت دیگر ممالک یورپ میں ہی۔ بلجیم کے دارالخلافہ میں ہر شخص کو عمدہ کپڑے پہنتے دیکھا۔ غربت کی علامات نظر نہیں آتیں۔ وہاں کوئی شخص تنگ حال نہیں ہی اسی واسطے کوئی بھیک نہیں مانگتا۔

ایک طرف تو یورپ کی خوشحالی کے یہ حالات ہیں۔ دوسری طرف وہاں کے لوگوں کی کشمکش جو وہ حصول دولت کے لئے کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے ملک کی اقتصادی حالت کی درستی کے لئے جن افکار میں مبتلا رہتے ہیں اس کا پتہ ان بے شمار مضامین سے چلتا ہی۔ جو انگریزی اخبارات میں شایع ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں ایک مضمون لنڈن ٹائمز میں شایع ہوا تھا جس سے انگلستان کی پریشانی کا پتہ چلتا ہی۔

یہ امر مثل روز روشن کے واضح ہی کہ انگلستان کا ستارہ اس وقت

انتہائے عروج پر ہی نہ صرف وسعت ملک بلکہ کثرت دولت کے اعتبار سے بھی اس کا شمار دنیا کی اول درجہ کی سلطنتوں میں ہی۔ مگر جو چیز بہ سرعت اس کا قدم آگے بڑھا رہی ہی اس کا اندازہ ذیل کی چٹھی سے ہوگا جو ڈاکٹر آرتھر شیڈویل نے اخبار ٹائمز میں شایع کرائی تھی۔ اس چٹھی میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی قوم کے افراد کے لہو ولعب میں مصروف رہنے اور اسراف کی طرف جھک جانے کی شکایت ان الفاظ میں کرکے اپنے قومی تنزل کا خطرہ ظاہر کیا ہی۔

ڈاکٹر صاحب کی چٹھی کا اقتباس یہ ہی:-

سو برس پہلے کی حالت سے مقابلہ

"سب سے اوّل میں لارڈ ایمپٹ کی اس تقریر کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو انھوں نے دارالامرا میں کی تھی اس تقریر میں انھوں نے ملک کی اقتصادی اور صنعتی حالت کے مخدوش ہونے کو جس کی طرف لارڈ آرنلڈ نے توجہ دلائی تھی تسلیم کرلیا تھا۔ مگر موجودہ حالت کا مقابلہ گزشتہ سو سال کی حالت سے کرکے اپنے دل کو سمجھا لیا ہی۔ بے شک ایسے موقعوں پر پچھلے حالات سے مقابلہ کرکے اپنا دل خوش کیا جاسکتا ہی۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ملک پر پہلے بھی نہایت نازک وقت گزرے ہیں مگر اب معلوم ہوتا ہی کہ وہ حالات محض عارضی تھے۔ برخلاف اس کے تاریخ ہمیں بتاتی ہی کہ دنیا میں قومی تنزل بھی ایک چیز ہی جس کا بیج فتحمندی کے وقت جڑ پکڑ لیتا ہی۔ اب سوال یہ ہی کہ آیا ہم واقعی تنزل کی طرف جارہے ہیں یا ہماری موجودہ

مشکلات مثل سو سال قبل کے محض عارضی اور چند روزہ ہیں؟

ان سوالات کا جواب کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں دے سکتا۔ تاہم میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت سے سو سال قبل بلاشبہ ملک کی اقتصادی حالت نہایت خراب تھی اور اس زمانہ میں موجودہ سہولتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مصیبت کی کوئی حد و انتہا نہ ہوگی۔ تاہم وہ زمانہ گزر کر بہترین زمانہ آگیا۔ مگر یہ زمانہ کس طرح آیا؟

محض کام سے اور کفایت شعاری سے

میرے نزدیک اب جو چیز پریشان کن اور خطرناک ہے وہ حوصلہ اور جرأت کی کمی ہے۔ اس زمانہ میں ان لوگوں نے ریل ایجاد کی اور بہت سے مفید انجینیروں کے کام جاری کیے اور واٹرلو کی لڑائی کے نقصانات کے بعد ملک کو پستی اور مایوسی سے نکالا۔ اب ایسے باہمت و باحوصلہ لوگ کہاں ہیں؟ اب محض اُن کے نقال ہیں بلکہ اب تو نقالوں کی بھی کمی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ کھیلوں میں مصروفیت ہے

موجودہ نسل کے لوگوں کو اپنے کام میں دلچسپی نہیں ہے اور انھیں بجز تفریح کے اور کسی چیز کا خیال نہیں آتا۔ لہو و لعب محض تفریح کے لیے نہیں بلکہ بطور حقیقی کاموں کے ہو گئے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ جن ورزشوں کے ہم لوگ موجد تھے انھیں ورزشوں اور کھیلوں میں ہم اُن ممالک سے شکست کھا جاتے ہیں جنھیں ہم بالکل اناڑی سمجھا کرتے تھے۔

در اصل موجودہ نسل میں کچھ نقائص ایسے ہو گئے ہیں کہ نہ وہ عمدگی سے

کام کرتے ہیں اور نہ اچھا کھیلتے ہیں اور اب سب سے بڑھ کر یہ کہ

ان میں اسراف بہت بڑھ گیا ہے

جس کی وجہ سے ان میں حوصلہ اور قوت ایجاد کم ہو گئی ہے اسی اسراف کی وجہ سے ملک میں صنعتی کاموں کے لیئے سرمایہ کی کمی محسوس ہو رہی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت روپیہ لذت اور عیش پرستی میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ حالت جنگ عظیم کے بعد سے ہو گئی ہے۔ جب کہ روپیہ ایسے ہاتھوں میں پہونچا ہے جو اس کا مصرف بجز صرف کر ڈالنے کے اور کچھ نہیں جانتے۔ آج کل فضولیات پر جس قدر صرف ہو رہا ہے اس قدر کبھی نہیں ہوا اور فضول چیزوں کی تجارت کبھی اتنی سرسبز نہیں ہوئی۔ اگر کسی غیر ملک کے شخص سے کہو کہ ہماری حالت خراب ہوتی جاتی ہے۔ تجارت گر رہی ہے۔ بیکاروں کے غول کے غول پھر رہے ہیں۔ صنعت کم ہو رہی ہے تو وہ اس کا یقین نہ کرے گا اور قہقہہ لگائے گا حالانکہ یہ بالکل صحیح اور درست ہے کیونکہ زیادہ تر روپیہ ہم عیش اور تنعم اور لہو و لعب میں صرف کر رہے ہیں۔ پہلے زمانہ میں لوگوں کو کام میں بھی اتنا ہی لطف آتا تھا جتنا کہ اب کھیل میں آتا ہے خلاصہ یہ کہ سو سال قبل جس چیز نے ہمارے ملک کو آزادی دلائی وہ

کام اور کفایت شعاری تھی

بس جب تک کہ اس پر عمل نہ ہوگا حالت بہتر نہ ہوگی۔ جرمنوں کے مقابلہ کا رونا تو رویا جاتا ہے مگر اُن سے سبق نہیں سیکھا جاتا۔ اُن کے صرف کاریگر ہی کام نہیں کرتے بلکہ سب لوگ کام کرتے ہیں!"

نتیجہ ان تحریرات سے صاف نتیجہ نکلتا ہی کہ اہل یورپ باوجود انتہائی تمول کے ہر وقت اپنی حالت بہتر کرنے کے افکار میں مبتلا رہتے ہیں اور یہی اُن کی ترقی کا راز ہی. برخلاف اس کے اہل ہند اور بالخصوص مسلمانوں کی حالت تو یہ ہی کہ اُن کے امرا اپنے عزیزوں ہمسایوں اور مفلس ہم قوموں کے آئے دن کے مطالبات سے تنگ رہتے ہیں۔ اور غیر محدود چندوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ زمیندار اور تاجر، کاری گر اور کاشتکار سرمایہ داروں کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں بیکار، معذور، محتاج۔ پردہ نشین بیوائیں، یتیم اور مریض ہیں اُن کے آلام و مصائب تو ناقابل بیان ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہی کہ اُن کی سوسائٹی میں اسلامی ممالک کے حالات پر مباحثے ہوتے ہیں۔ نجدیوں اور حجازیوں کے مضمون پر سر پھٹول ہوتی ہی۔ حضرت عیسیٰ کی وفات اور حیات کے مسئلہ پر لٹھ چلتے ہیں۔ استغنا اور بے توجہی اگر کسی مسئلہ سے ہی تو وہ محض اقتصادی سے جس پر اس زمانہ میں قوموں کی موت و حیات کا انحصار ہی۔

بہر حال اس درجہ پر پہونچکر بھی اگر مسلمانوں کو اپنی مالی حالت کی طرف توجہ نہ ہوئی، تو ان کی قومی موت میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

مارچ ۱۹۲۶ء

(۳۲)

میں کس طرح کفایت شعار بن گیا

میں ابتدا سے بہت مسرف تھا۔ جو کچھ ملتا وہ خود کھاتا اور دوسروں کو کھلاتا۔ بچپن میں تو اس عادت کی وجہ سے لوگ فیاض کہہ کہہ کر مجھے خوب بڑھاوا دیتے تھے۔ مگر عمر کے ساتھ یہ فیاضی بڑھ کر میرے لیئے مستقل مرض کی طرح ہوگئی۔ اوّل تو ماں باپ سے، پھر عزیزوں سے مانگتے مانگتے مجھے ہاتھ پھیلانے کی عادت ہوگئی تھی اور بڑا ہو کر جب ضرورتوں نے مجھے گھیرا تو میرا کام یہ ہوگیا کہ اپنی محدود آمدنی کے بھروسہ پر جہاں سے قرض ملے لے کر خرچ کر ڈالوں اور اُسے کبھی ادا نہ کر سکوں۔ بالآخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ قرض خواہوں اور ڈگری داروں کے خوف سے گھر سے باہر نکلنا دشوار ہوگیا۔ اس پریشانی میں ایک روز میں نے اپنے قرضہ کی مقدار اور جائداد کی آمدنی کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ سالانہ آمدنی سے دس گونہ قرضہ ہے۔ اس سے میرے قلب کی یہ حالت ہوگئی کہ گویا وہ ڈوبا جارہا ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ موجودہ آمدنی سے قرضہ ادا ہونا محال ہے۔ مگر اس وقت مجھے یہ سوجھا کہ میں اپنی سالانہ آمدنی کو دونوں ہاتھ بلکہ گھنٹوں پر پھیلاؤں۔ میری جائداد کا منافعہ سات ہزار روپیہ سالانہ سے کچھ زیادہ ہے جس کی وجہ سے اپنے قصبہ میں اپنے آپ کو رئیس اعظم سمجھتا تھا۔ اور اس کے بھروسہ پر میں سیکڑوں روپیہ معمولی کاموں میں صرف

کر ڈالنے میں کچھ بھی تامل نہ کرتا تھا۔ مگر اس آمدنی کو روزانہ پر پھیلایا تو بیس روپیہ روز ہوا اور گھنٹوں پر پھیلایا تو کل تیرہ آنہ چار پائی ہوئے۔ میرے بچوں اور متعلقین کی تعداد علاوہ ملازموں کے گیارہ ہے۔ ظاہر ہے کہ بچوں کی تعلیم اور شادی بیاہ کا حساب لگایا جائے تو ان پر اوسط خرچ بہت پڑتا ہے۔ تاہم اگر میں اپنا حصہ گھر کے دیگر افراد سے تین گونہ بھی لگاؤں تو میرے حصہ میں فی گھنٹہ تین آنے پڑتے ہیں جسے میں اپنا سمجھ کر صرف کر سکتا ہوں۔ اس تصور نے مجھے مبہوت کر دیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میں کس قدر غریب شخص ہوں اس خیال نے میری حالت یہ کر دی کہ جب کوئی خرچ در پیش ہوتا تو میں گھنٹوں حساب لگاتا کہ کتنے کتنے گھنٹوں یا دنوں یا مہینوں کی آمدنی میں ایک دفعہ صرف کیے ڈالتا ہوں اور اس کی وجہ سے مجھے کتنے عرصہ تک خرچ بند کرنا پڑے گا۔ ان حسابوں سے اپنے اخراجات گھٹانے پر مجبور ہونے لگا اور اب تو یہ واہمہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ایک دفعہ میں کل تین آنے خرچ کرتے ہوئے میری روح قبض ہوتی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری ایک گھنٹہ کی آمدنی ہے جس میں کھانا کپڑا، سفر، مہمان داری، خیرات، زکوۃ سب چیزیں شامل ہیں۔ مگر فی الجملہ اس واہمہ نے مجھے بے حد نفع پہنچایا ہے میری خست کو دیکھ کر سب گھر والے کفایت شعار بن گئے۔ میرا تمام قرضہ چند سال میں ادا ہو گیا اور اب میرا اور میرے بال بچوں سب کا ملا کر پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کے قریب بینکوں میں جمع ہے اور نفع آور کاموں میں لگا ہوا ہے جس سے صدہا کاریگروں کی پرورش ہوتی ہے اور نہ صرف روپیہ بلکہ

اُسی کے ساتھ میرا خون روز بروز بڑھ کر میری جسمانی قوت کو بڑھاتا جاتا ہے
پس میں اپنے سب بھائیوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اس نسخہ کا تجربہ کریں اور
اپنی سالانہ یا ماہوار آمدنی کا کبھی بھول کر خیال بھی نہ کریں بلکہ روزانہ اور
گھنٹہ وار آمدنی کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا کریں۔ البتہ اگر جلد برباد ہونے کا
شوق ہو تو ماہوار اور سالانہ آمدنی کا خیال بھی فضول ہے۔ اپنی زندگی کا
تخمینہ کر کے پچاس برس کی آمدنی جوڑیں اور اتنا بہت سا روپیہ قرض لیکر
خوب لطف اُٹھائیں اُس کے بعد بھیک مانگتے پھریں۔ فقط
مارچ ۱۹۲۶ء

---

(۳۴)

ضلع گوڑگانوہ کے مسلمانوں کی حالت

(یہ وہ تقریر ہے جو سید طفیل احمد صاحب نے صوبہ پنجاب کی مسلم
تعلیمی کانفرنس کے جلسہ منعقدہ ۳۱ جنوری ۱۹۲۶ء میں بمقام
ریواڑی کی تقریر کے وقت حاضرین کے سامنے ایک بڑا نقشہ
آویزاں کیا گیا تھا جس میں مسلمان خواندہ اشخاص کی نسبتی حالت
دکھائی گئی تھی)

جناب صدر اور معزز حاظرین!

کل کے جلسہ میں جناب مولوی رحیم بخش صاحب کے سی۔ آئی۔ ای

صدر استقبالیہ نے اس ضلع کے تعلیمی اعداد و شمار آپ کو سنائے تھے آج
اُن اعداد کو ایک نقشہ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جس سے آپ کو اپنے
بھائیوں کی حالت کا صحیح اندازہ ہوگا۔ اس نقشہ سے آپ کو معلوم ہوتا
ہے کہ اس ضلع میں جملہ اقوام کے خواندہ اشخاص کی تعداد کل تین فی صدی
ہے اور ہندوؤں کو علیٰحدہ کر کے دیکھا جائے تو اُن کے خواندوں کی تعداد
۴ ۱/۲ فی صدی یعنی اوسط سے کسی قدر زیادہ ہے مگر یہ دیکھ کر آپ کو افسوس
ہوگا کہ مسلمان خواندگان صرف ۱ ۱/۲ فی صدی یعنی ہندوؤں کے مقابلہ میں
نصف سے بھی کم ہیں۔ خیر ہندوؤں سے مقابلہ کو جانے دیجیئے اور خود اپنی
حالت کو دیکھیئے کہ ایک سو مسلمانوں میں سے صرف ڈیڑھ کے قریب خواندہ
اور ۹۸ ۱/۲ ناخواندہ ہیں۔ پس جس قوم میں ناخواندوں کی تعداد اس قدر
زیادہ ہو، صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی فن اور کسی پیشہ میں اپنی حیثیت قائم
نہیں رکھ سکتی۔

اس ضلع میں مسلمانوں کی زیادہ تعداد کا کاشتکاری پیشہ ہے۔ مگر اب
وقت آرہا ہے کہ کاشتکاری کا قیام بھی بغیر خواندہ ہونے کے نہ رہ سکے گا
آپ نے سنا ہوگا کہ زراعت کی ترقی کے لیئے گورنمنٹ کی طرف سے خاص
طور پر کوشش ہو رہی ہے اور آئندہ والیان ملک کو جو فن زراعت کے ماہر
ہیں مخصوص طریقہ پر زراعت کی طرف توجہ ہوگی مگر اس توجہ سے بھی زیادہ تر
وہی لوگ فائدہ اُٹھائیں گے جو تعلیم یافتہ یا کم سے کم خواندہ ہوں گے پس مسلمانوں
کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ پوری قوت اور کوشش سے اپنی قوم میں خواندوں کی

تعداد بڑھائیں اس کے لئے حسب ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں۔
(۱) سب سے اوّل ہر شخص اپنے بچہ کو مدرسہ یا مکتب میں بھیجے۔
(۲) اگر اپنا کوئی بچہ نہیں ہو تو کسی غریب بچہ کو خرچ دے کر اسے مکتب میں بھیجے۔
(۳) اگر خود لکھا پڑھا ہو تو اپنے بچوں کو مکتب میں بھیجنے کے علاوہ اپنے کسی جاہل نوکر یا پڑوسی کو دن رات میں چند لمحے سبق دے کر اُسے خواندہ بنائے۔
(۴) اگر خود ناخواندہ ہو تو کسی مکتب یا مدرسہ میں تھوڑا بہت چندہ دے کر اپنے جاہل بھائیوں کو خواندہ بنانے میں مدد دے۔
یہ باتیں تو ایسی عرض کی گئی ہیں جو ہر شخص فرداً فرداً کرسکتا ہے۔ اب رہے وہ اصحاب جو تعلیم یافتہ، ذی حیثیت اور سرکاری امداد حاصل کرنے کے طریقوں سے واقف ہیں۔ وہ اپنے جاہل بھائیوں کی حالت پر رحم کھاکر اُن کی تعلیمی سطح کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اس وقت جتنے فی صدی ہمارے ہاں جاہل ہیں بالعموم اتنے فی صدی یورپ کے ممالک میں خواندہ ہیں۔ پس ہمارے سامنے اتنا عظیم الشان کام ہے کہ جب تک کہ ہم متفق ہوکر پوری توجہ اور کوشش سے اُسے شروع نہ کریں گے اُس کا انجام پانا مشکل ہے۔

اقتصادی حالت

دوسرا مسئلہ اس ضلع کے مسلمانوں کی مالی حالت کا ہے۔ میں بطور نمونہ کے میووں کی حالت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو تعداد میں خدا کے

فضل سے زیادہ ہیں اور ان کی ایک قوم ہے۔

۱۹۱۱ء کے گزٹیر میں ۱۸۶۹ء کے قحط کی رپورٹ سے کچھ اقتباسات کیئے گئے ہیں جن کے بابت میں لکھا گیا ہے کہ جو حالات ۱۸۶۹ء میں تھے وہ بجنسہ اب بھی موجود ہیں اس لیئے اس موقعہ پر ان کی بنا پر استدلال کرنا چنداں بے محل نہ ہوگا۔

رپورٹ مذکورہ میں تحریر ہے کہ:-

(۱) سب سے زیادہ محنتی، کفایت شعار، اور سمجھدار قوم اہیروں کی ہے جو اراضی وہ کاشت کرتے ہیں ادنیٰ قسم کی ہے اُن کے دیہات میں مالگذاری کی مقدار بھی اور جگہ سے زیادہ ہے۔ تاہم مسلسل محنت سے اُنھوں نے اس گھٹیا آراضی سے اس قدر پیدا کیا اور اُسے اس قدر کفایت سے صرف کیا کہ ان کی آراضی قرضہ سے پاک وصاف ہے۔

(۲) اُن کے بعد جاٹوں کا نمبر ہے جن کے پاس آراضی زرخیز ہے اور مالگذاری کم ہے یہ لوگ اہیروں سے کم مگر دیگر اقوام سے زیادہ کفایت شعار اور سمجھدار ہیں مگر اپنی زمین کو قرضہ اور کفالت سے پاک نہ رکھ سکے۔

(۳) جاٹوں کے بعد راجپوت اور برہمن منتشر طور پر ہیں مگر زراعت پیشہ لوگوں میں اُن کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(۴) البتہ سب سے آخر کے نمبر پر میو قوم ہے جس کے ۳۵۰ مواضعات ہیں جو نسبتاً سست اور حد درجہ کے مسرف اور فضول خرچ ہیں، نہ انھیں بنجر زمین کا عذر ہو سکتا ہے اور نہ زیادہ مال گزاری کا تاہم ان کا خرچ اُن کی آمدنی

کے اس قدر قریب رہتا ہے۔ وہ اپنی آراضی کو ترقی دینے کی طرف سے اس قدر غافل ہیں، اور فضول خرچی میں اس قدر مبتلا ہیں کہ اگر ایک فصل بھی خراب ہو جاتی ہے تو وہ فوراً قرضہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

دوسرے موقعہ پر آبپاشی کے سلسلے میں لکھا ہے کہ

"اہیر گہرے کنوئیں گلاتے ہیں اور ان سے دن رات کام لیتے ہیں بخلاف اس کے میو ان مقامات میں بھی کنوئیں نہیں گلاتے جہاں پانی قریب ہوتا ہے"

ایک اور موقعہ پر لکھا ہے کہ

"ریواڑی کی ریتلی زمین کفایت شعار اہیروں کو کافی پیداوار دے کر انھیں آرام سے رکھتی ہے مگر اس کے مقابلہ میں تحصیل فیروز پور کی زرخیز زمین مُسرف میووں کی فضول خرچیوں کی وجہ سے کثیر رقم کے عوض میں رہن ہے"

پھر مال گزاری کے سلسلے میں لکھا ہے کہ

"تحصیل ریواڑی کے اہیر زمیندار جن پر مال گزاری نہایت زیادہ بڑھائی گئی تھی بمقابلہ تحصیل فیروز پور کے میووں کے جن پر نہایت ہلکی مالگزاری قایم کی گئی تھی بہت کم مقروض ہیں" پھر لکھا ہے کہ میووں کی حالت نہایت سرعت کے ساتھ مایوس کن ہو رہی ہے۔ وہ معمولی زمانہ میں شادی اور غمی کے اخراجات میں اور عیش پرستی کی چیزوں میں اس قدر زیادہ صرف کرتے ہیں کہ جب خشک سالی آجاتی ہے تو وہ مہاجن کے ہاتھوں میں پڑ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور مہاجن جس شرح سود پر چاہتے ہیں انھیں قرض دیتے ہیں۔ رہن آراضی کے سلسلے میں لکھا ہے کہ

"تحصیل فیروز پور میں جہاں زیادہ تر میو قوم رہتی ہے اور جو اسراف اور فضول خرچی کے لیئے ضرب المثل ہے وہ سب سے زیادہ مقروض ہے۔

شرح سود کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ بارہ فی صدی اور چوبیس فی صدی اور ۳۷ فی صدی سالانہ ہے خوش حال لوگوں کے لیئے شرح سود سب سے کم ہے اور غرباء کے لیئے جن میں نوح اور فیروز پور کے میو شامل ہیں شرح سود سب سے زیادہ ہے۔"

ان اقتباسات سے آپ کو میوؤں کی قابل رحم اور قابل افسوس حالت کا کچھ اندازہ ہوا ہوگا۔ زراعت پیشہ لوگوں کا افلاس دور کرنے کے یہی طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) اُن کے لیے عمدہ زمین فراہم کی جاوے۔

(۲) آبپاشی کے ذرائع بہم پہنچائے جاویں۔

(۳) اگر مالگزاری زیادہ ہے تو اسے گھٹایا جائے۔

مگر مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ یہ تینوں باتیں میوؤں کو بمقابلہ دیگر اقوام کے کہیں زیادہ حاصل ہیں مسلمانوں کو اکثر یہ شکایت رہتی ہے کہ اُن کی تعداد کم ہے وہ دوسرے لوگوں سے دبے ہوئے ہیں اس لیے ترقی نہیں کر سکتے مگر صرف اس ضلع کی دو تحصیلوں میں اُن کی کثیر آبادی پائی جاتی ہے اور وہ ۵۰۵ موضعات میں آباد ہیں۔

اس رپورٹ میں پانچ قوموں کی تفصیل دی گئی ہے جو زراعت پیشہ ہیں یعنی آہیر، جاٹ، راجپوت، برہمن اور میو۔ مگر یہ کس قدر شرمناک

بات ہی کہ میووں کی حالت سب سے بدتر دکھائی گئی ہو پھر یہ کہ اُن کے پاس زمین زرخیز ہو۔ آب پاشی کے لیئے پانی قریب ہو اور اُن پر مال گزاری کم ہو تاہم وہ اُن لوگوں کے مقابلہ میں بدحال، مقروض اور مفلس ہیں جن کی زمین ریتلی، کنوؤں کا پانی گہرا اور مال گزاری زیادہ ہو۔

یہ سب کس چیز کا نتیجہ ہو۔ اس کا جواب بھی اسی رپورٹ میں دیا گیا ہو کہ وہ مُسرف اور فضول خرچ ہیں اور شادی غمی میں زیادہ صرف کرتے ہیں اور محنت کم کرتے ہیں۔

مگر یہ مرض تو صرف میووں میں نہیں بلکہ ہر طبقہ کے اور ہر جگہ کے رہنے والے مسلمانوں میں کم و بیش یکساں ہو شہروں میں چونکہ تکلفات کی چیزیں زیادہ بکتی ہیں اور انھیں دیکھ کر ہر شخص کا جی للچاتا ہو اور اس وجہ سے وہاں زیادہ فضول خرچی ہوتی ہو تو بعض صاحب اس کا یہ علاج تجویز کرتے ہیں کہ دیہات کی سادہ زندگی اختیار کی جائے۔ مگر دیہات میں جا کر مسلمانوں کے اسراف اور بربادی کے یہ حالات معلوم ہوتے ہیں تو بے اختیار زبان سے نکلتا ہو

ع ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

مانا کہ دیہات کے لوگوں کو لکھا پڑھا کر ہم مثل اپنے تعلیم یافتہ بنائینگے جس سے وہ اپنی زراعت کے کام کو بہتر طریقہ سے کریں، انھیں صنعت و حرفت سکھا کر اچھے کاریگر بنائیں گے۔ انھیں تجارت کی تعلیم دلا کر تاجر بنائینگے انھیں سرکاری عدالتوں کے کام بتا کر وکیل، بیرسٹر اور بڑے بڑے عہدہ دار بنائیں گے انھیں کونسلوں کے ممبر بنائیں گے جن کے ہاتھوں میں ملکی حکومت

کی باگ ہوتی ہے۔ مگر اتنے مراتب اور منازل طے کرنے کے بعد بھی اگر ہر شعبہ زندگی میں ہم دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام بنے رہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر تمام کشمکش کا کیا نتیجہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں جو تجارت کے مرکز ہیں ہم یہ سن کر خوش ہوا کرتے ہیں کہ وہاں مسلمان ملک التجار ہیں اور ہمارے دلوں میں یہ ولولہ پیدا ہوتا تھا کہ ہم بھی تجارت سے کیوں بڑے نہ بنے؟ تاجر نہیں۔ مگر آج ان شہروں میں جا کر دیکھیے کہ وہ کن لوگوں کا سرمایہ استعمال کرتے ہیں اور کس طرح وہ دوسروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہی حالت کاریگروں کی ہے اور نہ صرف کاریگروں کی بلکہ ہر شعبہ زندگی میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کی ہے۔ بڑی تمنا مسلمانوں کو یہ تھی کہ انھیں حکومت میں برابر کا حصہ ملے مگر حکومت میں حصہ ملنے کے بعد جو کارگزاری صوبہ بنگال کے مسلمان ممبروں نے کی اس کا اندازہ سر عبدالرحیم صاحب کے خطبہ صدارت سے جو مسلم لیگ کے جلسہ میں پڑھا گیا تھا، آپ کو بخوبی ہو سکے گا۔

سر عبدالرحیم صاحب موصوف نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ

”کمزور حلقہ انتخابات کے لوگ باوجودیکہ سب کے سب مسلمان ہیں تاہم زمینداروں، قانون دانوں اور ساہوکاروں حتی کہ مقامی عہدہ داروں کے جو زیادہ تر ہندو ہیں زیر اثر ہیں۔“

اسی خطبہ میں جناب موصوف نے دوسرے موقعہ پہ یہ ارشاد فرمایا کہ ”نیز بنگال اور پنجاب میں جہاں کہ مسلمانوں کی مردم شماری سب سے زیادہ ہے اور دیگر اقوام سے کسی قدر بڑھی ہوئی ہے ووٹ دہندگان پر مقامی اشخاص

اور منظم جماعتوں کا اثر پڑتا ہی۔ اس بارہ میں تمام ملک میں ہندوؤں کو بہتر ین مواقع حاصل ہیں کیوں کہ وہ لوگ بوجہ ساہوکار اور بینکیر، قانون پیشہ اور زمیندار ہونے کے اور نیز بہ اعتبار جملہ محکمہ جات میں عہدہ دار ہونے کے بڑا اقتدار رکھتے ہیں۔ ہماری سیاسی کمزوری بنگال میں بالکل ظاہر ہی جہاں کی مردم شماری تمام ہندوستان کی ایک ثلث ہی اور اپنے صوبہ میں پچپن فی صدی ہی (باوجود اس زیادتی تعداد کے) نصف یا نصف سے زیادہ مسلمان ممبران کونسل، ہندو لیڈران کے اقتدار، مالی امداد اور ان کی تنظیم کی بدولت منتخب ہوئے ہیں اس کے متعلق چند تمثیلات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) بعض سیاسی اختلافات کی وجہ سے ایک زمانہ میں دو مسلمان منسٹر تھے مگر وہ ایک جماعت کے اختلاف سے جس میں بیس مسلمان رائے دہندے شامل تھے اپنے عہدوں سے نکالے گئے۔

(۲) بنگال میں جب ہندو مسلم میثاق کا مسئلہ اُٹھا تو بہت سے مسلمان ممبر اس سیاسی جماعت میں شامل ہو گئے جو ہوشیار ہندوؤں کے زیر اثر تھی اور جسے وہ مالی امداد دیتے تھے۔ جب اس مسئلہ پر کونسل میں بحث پیش ہوئی تو ان مسلمان اصحاب نے ہندوؤں کو اپنے ووٹوں سے مدد دے کر اس قدر اہم مسئلہ کو جس کا اثر تمام ملک کے مسلمانوں پر پڑتا ہی غیر محدود زمانہ کے لیئے ملتوی کرادیا۔

(۳) پچھلے دنوں گورنمنٹ کی طرف سے ڈھاکہ یونیورسٹی کی سالانہ امداد کے لیئے ایک مسودہ قانون پیش ہوا تھا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی خاص کر مسلمانوں

کے لیئے نہایت مفید ہی اور اس کی حکمران جماعت میں نصف کے قریب مسلمان ممبر ہیں۔ تاہم مسلمان سوا راجی ممبروں نے متحد ہوکر اس مسودہ کے خلاف ووٹ دیئے اور ایک صاحب نے تو یہ کیا کہ تقریر تو اس بل کے موافق کی تاکہ مسلمان ووٹ دہندگان خوش رہیں مگر ووٹ اس کے خلاف دیا۔

(۴) بنگال میں نوے فی صدی مردم شماری کاشتکاروں کی ہی جن میں مسلمان زیادہ ہیں ان کی اصلاح کے لیئے قانون کا ایک مسودہ کونسل میں پیش ہوا مگر جس سلیکٹ کمیٹی کے سپرد وہ مسئلہ ہوا اس کے ممبر بڑے بڑے زمیندار تھے جب یہ تجویز پیش ہوئی کہ اس کمیٹی میں کچھ ایسے ممبر بھی بڑھا دیئے جاویں جو غریب کاشتکاروں کی نیابت کریں تو ان بیس مسلمان ممبروں نے بھی اس تجویز کی مخالفت کی۔

ان چار واقعات کے معلوم ہونے کے بعد جو سر عبدالرحیم صاحب نے بیان کیئے اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی تہ میں ان کی ضرورتمندی ہی جو اس بات کا نتیجہ ہی کہ وہ خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ کمائیں اُن کے اخراجات اُن کی آمدنی سے زیادہ رہتے ہیں موجودہ حالت میں جب کہ مسلمان افراد قومی حقوق کو ذاتی منافع پر قربان کر ڈالنے پر مجبور ہوتے ہیں تو ان کی حالت قابل رحم ہی نہ کہ قابل نفرت، کیوں کہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کریں سر عبدالرحیم صاحب اس قومی مرض کے دو علاج تجویز کرتے ہیں اول یہ کہ مسلمان سیاسی امور کی تعلیم و تربیت حاصل کریں

مگر گزشتہ بارہ سال کے اخبارات اُٹھا کر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے دماغ میں بجز سیاست کے اور کوئی چیز آتی ہی نہیں۔ تاہم اُن کی حالت روز بروز بدتر ہو رہی ہے۔ دوسرا علاج یہ تجویز ہوا ہے کہ کونسلوں میں مسلمان اپنی جماعت بنائیں۔ مگر جماعت بنانے کی قوت ہوتی تو وہ واقعات ہی کیوں پیش آتے جو سر عبد الرحیم صاحب نے بیان فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی تعداد اور کونسلوں میں مسلمانوں کی کافی نیابت بھی لاطائل ہے جبکہ وہ اپنی ذاتی ضروریات کی وجہ سے دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں مثل کٹھ پتلیوں کے ناچنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

بہرحال آپ اصحاب کی خدمت میں جن میں ہماری قوم کی قابل فخر ہستیاں موجود ہیں۔ نہایت ادب سے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جو علاج مسلمانوں کو بربادی سے بچانے کے لیئے کیئے جارہے ہیں ان میں کچھ نہ کچھ نقص ضرور ہے اور ضرورت ہے کہ اُس نقص کو معلوم کرکے اُسے رفع کرکے قوم کے سامنے اس کے مرض کا صحیح علاج پیش کیا جائے۔ میں اپنے زعم میں صحیح علاج پیش کرنے کے لیئے تیار ہوں مگر جب تک کہ جناب صدر مجھے اس کی اجازت نہ دیں میں کچھ عرض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہوں۔

(مقرر کا وقت چونکہ ختم ہو چکا تھا اس لیئے وہ بیٹھ گئے۔ حاضرین میں سے اکثر نے اصرار کیا کہ مرض کا صحیح علاج بیان کیا جائے۔ مگر صاحب صدر کے سامنے کام زیادہ تھا اس لیئے انھوں نے کسی قدر تامل کے ساتھ کچھ وقت اور دیا۔ مگر چونکہ وقت کی تنگی میں بیان کا کچھ لطف نہ تھا اس لیئے چند

الفاظ کہنے کے بعد مقرر بیٹھ گئے۔ تاہم مقرر کے جو کچھ خیالات اس بارہ میں ہیں وہ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کے قومی مرض کا صحیح علاج

جو ناظرین سود مند کے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے وہ یہ ہے:-

(۱) صیغہ انجمن ہائے امداد باہمی سے پورا نفع اٹھایا جائے اور کثیر تعداد میں انجمن قایم کرنے کی کوشش کی جائے اور جن صوبہ جات میں وہ کامیاب نہیں ہیں وہاں بذریعہ قانونی ترمیمات کرنے کے انھیں زیادہ کارآمد بنا کر مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اُن سے زیادہ سے زیادہ نفع اُٹھائیں۔

(۲) تجارتی کاروبار میں سہولت پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں میں بینک کا کاروبار جاری کیا جائے۔ موجودہ بینکوں میں اپنا سرمایہ پہونچا کر اپنا اثر پیدا کیا جائے اور خود اپنے بینک اور مہاجنی کی کوٹھیاں قایم کی جائیں۔

(۳) جن مقامات میں انجمنہائے امداد باہمی یا بینکوں کے قایم ہونے کے مواقع نہ ہوں وہاں انفرادی طور پر مسلمان روپیہ کا کاروبار کریں اور خاصکر مسلمان کانڈاروں، کاریگروں اور کاشتکاروں کو معیّن منافعہ پر روپیہ دیکر انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

(۴) مدارس، مساجد اور اوقاف کے منتظموں کو آگاہ کیا جائے کہ وہ اپنا نقد روپیہ بینکوں میں جمع کر کے اُسے محفوظ کریں اور اس کے منافع کو صرف میں لاویں۔

(۵) اپنے گھروں میں اور درسگاہوں میں بچوں کو روپیہ جمع کرنے اور اُسے

بڑھانے کے طریقے بنائے جائیں اور زیادہ روپیہ جمع کرنے پر انھیں انعامات دیئے جائیں۔

(۹) مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے پس ماندگان کو افلاس و گداگری سے محفوظ رکھنے کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائیں۔

اپریل ۱۹۲۶ء

---

(۳۴)

سودمند کے دوسرے سال کا پروگرام

سودمند کا بارھواں پرچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے جس کے بعد اس کی زندگی کا دوسرا سال شروع ہوگا۔ پہلے سال میں ناظرین نے جو اس کی قدر افزائی فرمائی ہے اس کا اندازہ ان چند خطوط سے ہوا ہوگا جو اس کے مختلف نمبروں میں وقتاً فوقتاً شایع کیئے گئے۔ یہ خطوط منجملہ صدہا خطوط کے ہیں۔ حال میں جو خط راجہ اکبر علی خانصاحب متوطن موضع پدھری ضلع جہلم سے موصول ہوا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"آپ کا مجلّد رسالہ سودمند وصول پایا اور زیر مطالعہ رکھا ہوا ہے۔ ہر روز ایک سیر خون تازہ جوش سے پیدا ہوتا ہے۔ آفریں

صد آفریں اس قدر خیال اور مغز پر اب بھی اگر زمینداران کے خفتہ نصیب نہ جاگیں گے تو حیف ہی۔ مبارک اور ہزاروں شاباش مصنف صاحب کو۔ میری زبان تعریف نہیں کرسکتی۔ خدا آپ پر رحمت نازل فرماوے۔ اور ضرور خداوند ذوالجلال اجر عظیم دے گا۔"

اس قدر حوصلہ افزا خطوط کا اقتضا تو یہ تھا کہ ہم سود مند کے موجودہ طرز کو کافی سمجھتے مگر جو کام ہمارے پیش نظر ہی وہ چونکہ نہایت اہم اور عظیم الشان ہی اس لیئے ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی ہی کہ کس طرح مسلمانوں کی قوم کو افلاس و ناداری کے گرداب سے جلد سے جلد نکالا جائے۔ مگر ظاہر ہی کہ یہ اتنا بڑا کام ہی کہ اسے ایک یا چند لوگ انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ ہر مقام اور ہر پیشہ کے تجربہ کار اصحاب اپنے اپنے تجربات اور خیالات سے اپنے بھائیوں کو فائدہ پہونچانے پر کمربستہ نہ ہو جائیں۔ اور سود مند کی وساطت سے باہمی تبادلۂ خیالات نہ کرتے رہیں۔ بعض اصحاب کو ممکن ہی کہ یہ خیال ہو کہ مضامین لکھنے کے لیئے عمدہ زبان اور انشا پردازی کی ضرورت ہی مگر سود مند تو محض ایک اقتصادی پرچہ ہی جس کے لیئے صرف تجربہ اور ایک درد مند دل کی ضرورت ہی۔ اس لیئے ناظرین سود مند کی خدمت میں عرض ہی کہ جو تدابیر اپنی قوم و ملک کی مالی حالت کی درستی کے لیئے مفید سمجھتے ہوں وہ بلا تکلف ہمیں لکھتے رہیں اور حتی الامکان حسب ذیل عنوانات کو پیش نظر رکھ کر مضامین مرتب فرمائیں۔

(۳۵)

کوآپریشن کیا چیز ہی؟

یہ امر مسلمہ ہی کہ دُنیا کا کوئی پیشہ روپیہ کے بغیر نہیں چلتا۔ زمیندار و کاشتکار دُکاندار اور کاریگر سب کو ہر وقت روپیہ کی ضرورت رہتی ہی۔ کاشتکار کو اس لیے کہ بیل، آلات زراعت اور بیج وغیرہ فراہم کرے، اگر یہ سب چیزیں ایک بار مل بھی جائیں مگر وقت پر بارش نہ ہو اور کھیتی ماری جائے تو دوسری فصل تک کھانے کے لیے غلہ اور بونے کے لیے بیج کی ضرورت ہوتی ہی۔ اسی طرح دُکاندار اور کاریگر کو اپنی اپنی ضرورت کے سامان فراہم کرنے کے لیے روپیہ کی ضرورت رہتی ہی۔ ان جماعتوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہر ملک میں سرمایہ داروں کی ایک جماعت ہوتی ہی جو گراں شرح سود پر انھیں روپیہ دیتی ہی اور اپنے روپیہ کے زور سے جس قسم کا ناچ چاہے ان بے بس اور بے کس لوگوں کو نچاتی ہی۔ ایسا نا نہ صرف ہندوستان میں بلکہ کم و بیش تمام دُنیا میں سرمایہ داروں کا زور ہی مگر کچھ عرصہ سے ان کے چنگل سے نکلنے کی ایک تدبیر نکل آئی ہی جس کا تجربہ کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہی۔ یہ تدبیر انجمنہائے امداد باہمی قایم کرنے کی ہی۔ جس کی ابتدا ساٹھ سال سے زیادہ ہوا۔ سب سے اول ملک جرمنی میں ایک شخص مسمی ریفائزن نے کی تھی۔ ان انجمنوں کے ذریعہ سے یورپ کے بہت سے ملکوں میں غریب کاشتکاروں اور کاریگروں کی

حالت میں بہت ترقی ہو گئی اور اب بیس بائیس سال سے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کواپریشن کے تجربہ میں خوب کامیابی ہو رہی ہے۔

(۱) کواپریشن کا قانون ہندوستان میں سب سے اول سنہ ۱۹۰۴ء میں پاس ہوا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۲ء میں اس میں چند اہم ترمیمات ہوئیں اور وہی سنہ ۱۹۱۲ء والا قانون اب تک ہندوستان میں نافذ ہے۔ اس قانون کی رو سے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ انجمن امداد قرضہ قائم کرنا چاہیں اُن کی تعداد کم سے کم بیس ہو۔ انجمن کے ہر ممبر کے لیئے ضروری ہے کہ وہ کم سے کم ایک حصہ لے مگر کوئی شخص بیس حصوں سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ تاکہ ایک شخص زیادہ حصے لیکر سوسائٹی پر قابض نہ ہو جائے بجز یہ کہ ایک حصہ کی قیمت صرف بیس روپیہ رکھی گئی ہے۔ جو دس سال کی بیس ششماہیوں میں ایک ایک روپیہ کرکے وصول کی جاتی ہے گویا ایک حصہ کی بابت چھ مہینے میں صرف ایک روپیہ دینا پڑتا ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ مزدور آسانی سے دے سکتا ہے۔ مگر اس قدر خفیف رقم سے اس قدر قوت ان غربا میں پیدا ہو جاتی ہے کہ بالعموم دس سال کے عرصہ میں یہ لوگ مہاجن کے جنگل سے بالکل نکل جاتے ہیں۔ اور اُس کے بعد طرح طرح کے کاروبار کرکے روز بروز خوشحال ہوتے چلے جاتے ہیں۔ غربا کے جمع کیئے ہوئے ایک ایک روپیہ میں اس طریقہ سے ایسی عظیم الشان قوت پیدا ہوتی ہے۔ جیسی کہ تھوڑے سے گرم پانی کی بھاپ میں ہو جاتی ہے جس سے ایک معمولی انجن لاکھوں من سامان کھینچ کر ہزار میل کے فاصلہ پر پہونچا دیتا ہے۔

(۲) اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول یہ انجمن رجسٹرار کواپریٹو سوسائٹیز کے

دفتر میں جو صوبہ کے صدر مقام میں ہوتا ہے درج رجسٹر کرائی جاتی ہے۔ اور رجسٹری ہو جانے پر اُسے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ضلع کے کواپریٹیو بنک کے حصے خرید کر اُس سے قرضہ لے سکے۔ کواپریٹیو بنک کے ایک حصہ کی قیمت بالعموم ایک سو روپیہ ہوتی ہے اور یہ ایک سو روپیہ پانچ روپیہ ششماہی کے حساب سے دس سال میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ پر کاشتکاروں یا کاریگروں کی چھوٹی انجمن ضلع انجمن سے اگر بارہ آنے سیکڑہ پر قرض لے اور اپنے ممبروں کو ایک روپیہ سیکڑہ پر قرض دے تو اس چھوٹی انجمن کو چار آنے سیکڑہ منافعہ ہوتا ہے اور پھر یہ منافعہ بھی انجام کار اُسی کے ممبروں میں تقسیم ہو کر اُن کے پاس پہونچ جاتا ہے۔

(۳) انجمن کی رجسٹری ہو جانے کی وجہ سے اُس کا اعتبار قایم ہو جاتا ہے اور گانوں یا محلہ کے لوگ اُس میں اپنی امانتیں رکھتے ہیں جن پر اُنھیں سُود ملتا ہے۔ اس سے دوہرا نفع ہوتا ہے۔ اوّل یہ کہ لوگوں کا بیکار پڑا ہوا روپیہ انجمن میں پہونچکر غریب آدمیوں کے کاموں میں لگتا ہے جس سے روپیہ والوں کو نفع ہوتا ہے۔ اور اس نفع کو دیکھ کر گانوں کے مُسرف لوگ کفایت شعار بن جاتے ہیں۔ اور تھوڑا تھوڑا جمع کر کے سوسائٹی کے پاس امانتاً رکھتے ہیں اس زمانہ میں ہندوستان میں سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ جس شخص کے پاس کچھ روپیہ ہوتا ہے تو اگر گھر میں رکھا جائے یا اُس کا زیور بنوایا جائے تو چوری اور ڈاکہ کا اندیشہ لگا رہتا ہے یا فضول خرچی کے کاموں میں صرف ہو جاتا ہے بس گانوں کے لوگوں کو کفایت شعار بنانے کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر

نہیں کہ وہاں کوآپریٹو سوسائٹی قایم کردی جائے جس کے پاس امانت میں روپیہ رکھا جاسکے اور اس امانت پر منافع یا سود ملے۔
غرض کہ اس طرح سوسائٹی یا انجمن کی آمدنی کے چار طریقے ہوجاتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-
(الف) ممبروں کے حصوں کی قسطوں کا روپیہ۔
(ب) ضلع کے بنیاک سے جو روپیہ قرض لیا جائے۔
(ج) لوگوں کی امانتوں کا روپیہ۔
(د) ممبروں کو جو روپیہ قرض پر دیا جائے اس کا سود یا منافعہ۔ ان طریقوں سے انجمن کی آمدنی دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی جاتی ہے گاؤں والوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور انہیں مہاجن کے پاس نہیں جانا پڑتا ہے۔
(ہ) انجمہائے امداد باہمی میں بالعموم غیر محدود ذمہ داری ہوتی ہے جس سے یہ مراد ہے کہ جملہ ممبران مشترکاً اور منفرداً ہر قرضہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس غیر محدود ذمہ داری کی وجہ سے انجمن کو ضلع کی سوسائٹی سے کم سود پر قرضہ ملتا ہے۔ اور ممبروں کو جب قرضہ دیا جاتا ہے تب بھی اُن ہی ضامن دیئے جاتے ہیں اور کل انجمن کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس طریقہ میں بڑا نفع یہ ہے کہ ممبروں کو قرض دیتے وقت یہ اطمینان کرلیا جاتا ہے کہ جو روپیہ وہ لیتے ہیں وہ صرف نفع آور کاموں میں لگایا جائے گا اور اسراف اور عیش پرستی اور بربادکن رسموں میں نہیں اُڑا دیا جائے گا۔ جو

لوگ مہاجن سے روپیہ لیکر آتے ہیں انھیں بالکل آزادی ہوتی ہی کہ جس طرح چاہیں اپنے روپیہ کو اڑا دیں مگر انجمنہائے امداد باہمی سے جو روپیہ قرض لیا جاتا ہی اُس کی نگرانی ممبران انجمن پوری طرح کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ تمام گاؤں رفتہ رفتہ فضول خرچیوں سے بچنے اور کفایت شعاری اختیار کرنے کا عادی ہو جاتا ہی۔

(۵) ان انجمنوں کا قاعدہ یہ ہی کہ دس سال تک اُ...
ہوتا بلکہ جمع ہوتا جاتا ہی۔ حتی کہ دس بارہ سال میں...
ڈسٹرکٹ بینک سے لیا گیا ہو ادا کر دیا جاتا ہی...
بھی چونکہ کم شرح سود پر قرضہ ملتا ہی اور وہ...
کفایت شعاری اختیار کرنے پر مجبور ہوتے...
قرضہ سے سبکدوش ہو جاتے ہی...

(۶) سوسائٹی کا...
ذیل طریقوں...
(۱)

(۷) انجمہائے امداد باہمی کی کامیابی میں بڑا حصہ اُن مراعات کا ہی جو گورنمنٹ نے اُن کے لیئے کی ہیں مثلاً

(الف) یہ انجمنیں انکم ٹیکس کی ادائیگی سے معاف ہیں۔

(ب) جو ممبر قرضہ کی دستاویزیں یا رقعے انجمن کے نام لکھیں وہ

نہیں

روپیہ

غرض

ہیں جن کی تفصیل یہ

سے معاف ہیں۔

(الف) ممبروں کے حصہ

ٹری معاف ہی۔

(ب) ضلع کے بینک سے

کی شہر اکیا ان پر عائد نہیں ہوتیں۔

(ج) لوگوں کی امانتوں کا رد

روپیہ لے کر جو فصل یا سامان تیار کیا جائے اُن سے

(د) ممبروں کو جو روپیہ قرض پر د

ن انجمنوں کو ہوتا ہی۔

طریقوں سے انجمن کی آمدنی دن دونی رات

والوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور اُنکو بہ عدالت سے قرق نہیں ہو سکتا۔

کی سے ہوتی ہی۔

جانا پڑتا ہی

وہ اگر خو

ذریعہ

(۸) انجمہائے امداد باہمی میں بالعموم غیر محدود ذمہ داری ہوتی

جس سے یہ مراد ہی کہ جملہ ممبران مشترکاً اور منفرداً ہر قرضہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس غیر محدود ذمہ داری کی وجہ سے انجمن کو ضلع کی سوسائٹی سے کم سود پر قرضہ ملتا ہی۔ اور ممبروں کو جب قرضہ دیا جاتا ہی تب بھی اُن میں ضامن دیئے جاتے ہیں اور کل انجمن کی بھی ذمہ داری ہوتی ہی۔ اس طریقہ میں بڑا نفع یہ ہی کہ ممبروں کو قرض دیتے وقت یہ اطمینان کر لیا جاتا ہی کہ جو روپیہ وہ لیتے ہیں وہ صرف نفع آور کاموں میں لگایا جائے گا اور اسراف اور عیش پرستی اور برباد کن رسموں میں نہیں اُڑا دیا جائے گا۔ جو